جلد ششم

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۵ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت - پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

کتبخانۂ دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم قسم اول مجلد عہ غیر مجلد عہ

سیرۃ النبی، مجلد دوم قسم اول عہ

ایضاً، قسم دوم معہ، قسم سوم للعہ

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت عہ

الغزالی امام غزالی کی سوانح عمری اور انکا فلسفہ عہ

المامون خلیفہ مامون الرشید عباسی کے حالات عہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدما کا دور زیر طبع

ایضاً حصہ دوم شعرائے عہد متوسط عہ

ایضاً حصہ سوم شعرائے متاخرین عہ

ایضاً حصہ چہارم فارسی شاعری پر ریویو عہ

ایضاً حصہ پنجم قسم اول عہ قسم دوم عہ

مقالات شبلی چند علمی و تاریخی مضامین کا مجموعہ عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو ۸ر

تذکرۂ خسرو یعنی امیر خسرو کے حالات اور انکی شاعری، ماخوذ از شعر العجم ۱۰ر

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات ۱۰ر

مکاتیب شبلی، مولنائے مرحوم کے خطوط کا مجموعہ جو علمی، قومی، ادبی، اخلاقی معلومات کا خزانہ ہے جلد اول عہ

ایضاً • جلد دوم عہ

دستۂ گل، مولنا کی فارسی غزلون کا مجموعہ ۴ر

برگ گل، مولنا کے آخری زمانہ کے فارسی قصائد اور غزلون کا مجموعہ ۴ر

قصیدۂ امرتسر، امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلماء مین مولنا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا

طبع رنگین و اعلیٰ، ۲ر

مجموعۂ کلام شبلی اردو ۱۲ر

مثنوی صبح امید اردو ۴ر

نوحۂ اسحاق، مولنا کا اپنے بھائی کی وفات پر پُر درد مرثیہ ۱ر

مولنا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ تحریم جدید طرز پر عربی مین قرآن مجید کی تفسیر ۴ر

تفسیر سورۂ قیامہ ۳ر

تفسیر سورۂ والشمس ۳ر

تفسیر سورۂ الکفرون ۳ر

تفسیر سورۂ والعصر ۳ر

اسباق النحو سہل طرز پر عربی گرامر، اردو ۵

دیوان حمید مولنا کا فارسی دیوان مع تصویر ۱۱ر

خرد نامہ منظوم خالص فارسی زبان میں امثال سلیمان کا ترجمہ ۶ر

تحفۃ الاعراب عربی کی نحو جدید اردو نظم مین ۲ر

دیوان نفیس

ہندوستان کے مایۂ ناز استاد ادب مولنا فیض الحسن سہارنپوری کا عربی کلام صفحے ۸۲ عہ

بدیہہ گوئی، شعرائے بدیہہ گو کے مختصر حالات قیمت عہ

عدد اول	ماہ شوال سنہ ۳۸ھ مطابق ماہ جولائی سنہ ۲۰ء	جلد ششم

مضامین

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا ترجمہ، از مولانا محمد یونس انصاری فرنگی محلی، قیمت دو روپیہ،

"مینجر"

شذرات

فن تفسیر کو علوم اسلامیہ مین جو اہمیت حاصل ہے، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس فن مین جسقدر کتابین لکھی گیٔین، کسی فن مین نہین لکھی گیٔین، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج یہی فن تمام فنون سے زیادہ نادار ہے، کیونکہ قدمار کی تصنیفات جو درحقیقت اس فن کی روح وروان نہین سرے سے ناپید ہین، یہانتک کہ چوتھی صدی کی ایک تفسیر بھی موجود نہین ہے، اور زمانۂ مابعد کا سرمایہ جو بظاہر ایک دفتر بے پایان نظر آتا ہے، بقول مولانا شبلی مرحوم "ایک ہی نغمہ ہے جو مختلف سازون سے ادا ہوتا ہے" اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ اس فن کے متعلق قدمار کی تصنیفات ڈہونڈھ ڈہونڈھ کر بیبدا کیجائین اور انکی طبع واشاعت کا سامان بہم پہنچایا جائے،

مفسرین کی جماعت مین ابو مسلم اصفہانی چوتھی صدی کا مشہور ادیب اور مفسر گذرا ہے، جس نے عقلی اصول کے موافق چودہ جلدون مین ایک تفسیر لکھی تھی، اور اسلام مین عقلی مذاق پر جو تفسیرین لکھی گئی ہین، اُن ہین سب سے بڑی اور سب سے پہلی اسی کی تفسیر تھی، اِس لئے امام رازی کے زمانہ سے پہلے وہی تفسیر کبیر کے نام سے پکاری جاتی تھی، یہ تفسیر آج اگرچہ بالکل ناپید ہے، لیکن امام رازی کے زمانہ تک موجود تھی، اور امام موصوف نے اس سے اپنی تفسیر مین اکثر فائدہ اُٹھایا ہے، اور اُسکے حوالہ سے ابو مسلم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہین جو اُنکی تفسیر مین متفرق طور پر ملتے ہین، ہماری دلی خواہش یہ تھی کہ یہ تمام اقوال ایک رسالہ کی

صورت مین یکجا کردیئے جایئن، اور اسکو چھاپکر دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے،

خوشی کی بات ہے کہ رفقائے دار المصنفین مین مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے اس اہم کام کو اپنے ذمہ لیا، اور امام رازی کی تفسیر کو جو تقریبًا دس ہزار صفحات کی کتاب ہے چار مرتبہ حرفًا حرفًا پڑھکر ابو مسلم کے تمام اقوال جمع کئے، اور ان کو ایک رسالے کی صورت مین مرتب کیا، جس سے اس قدیم تفسیر کا نہایت ضروری حصہ ہمارے سامنے آگیا ہے، یہ کام اگرچہ ۱۹۱۶ء مین مکمل ہوچکا تھا تاہم اُسکی طباعت کا اب سامان ہوا ہے، چنانچہ کئی مہینہ سے یہ کتاب البلاغ پریس کلکتہ مین نہایت اہتمام کے ساتھ چھپ رہی ہے، اس مہینہ مین اسکے پروف آخر تک آچکے ہین، اور امید ہے کہ آیندہ ماہ تک اُسکی چھپائی کا کام ختم ہوجائیگا، اور اسوقت ہم علمی دنیا کے سامنے اس کارنامہ کو پیش کرینگے تو سب کو معلوم ہوگا کہ

ہنوز در کفم از عمر رفتہ تارے ہست بدستم از سر زلفِ تو یادگارے ہست

مولانا سید سلیمان کے جو مکتوبات ہر ہفتہ بعض احباب کے نام موصول ہوتے رہتے ہین، انکا ایک حصہ اخبارات مین شائع ہوتا رہتا ہے، پھر بھی بعض چیزین ایسی ہوتی ہین جنکا ذکر معارف ہی کے صفحات مین ہونا چاہیئے، مولانا پیرس سے اپنے ایک تازہ عنایت نامہ مین فرماتے ہین:

"یہان کی دو انجمنون مین آج جانا ہوا، ایک انجمن حقوق انسانیت، دوسری انجمن سیر عالم، یہ دوسری انجمن شہر سے باہر ایک سنسان باغ کے سایہ مین واقع ہے، مختلف کنج درخت مین مختلف عمارتین ہین، اسمین ایک فوٹوگرافی اور ایک سینما کی عمارت ہے، مختصر کتبخانہ ہے، ہمارے فوٹو یہان لئے گئے، سینما مین میدان جنگ کے مختلف سمان اور

دہلی و آگرہ کے عجائبات تعمیری دکہائے گئے، یہ انجمن اپنے ممبرون کو دنیا کے مختلف حصون مین سیر کے لئے مناظر کے فوٹو لینے کے لئے بھیجتی ہے، اسکو دیکھکر ہمکو اپنا دار المصنفین یاد آگیا، وہی درختون کے جنگل اور وہی خاموشی و سکون "۔

پیرس ہی سے ایک دوسرے عنایت نامہ مین تحریر ہے :۔

" یہان آکر مین نے چند مضامین لکھے، مسئلہ خلافت پر جو مضامین لکھے، وہ مسلم آوٹ لک مین چھپے، ایک مضمون " اسلام اور دنیا " کے عنوان سے معترضانہ نیو اسٹیٹسمین لندن مین چھپا تہا، مین نے اسکا جواب لکھا، اور وہ اس ہفتہ مین شایع ہوا، برٹین اینڈ انڈیا، ایک نیا رسالہ ایک انگریز خاتون کی ایڈیٹری مین نکلا ہے، اپریل نمبر مین پردہ اور موجودہ نسوانیت ہند پر ایک مضمون نکلا تہا، اسکا جواب لکھکر اسکو بھیجدیا ہے، ایک جلسہ مین مین نے تقریر کی تھی وہ بھی اس نے لیلی تھی کہ رسالہ مین شایع کریگی، پیرس مین مین نے عربی مین جو تقریر کی تھی وہ ٹیونس کے اخبار الصواب مین شایع ہوئی ہے، میو لی بان سے ملنے کا ارادہ ہے اور خصوصاً اردو کے پروفیسر سے، کیمبرج کی مجلس طلبۂ ہند مین مین نے اردو یا ہندوستانی زبان کی ضرورت پر تقریر کی تھی "۔

ایک تیسرے مکتوب مین جو لندن سے موصول ہوا ہے، تحریر ہے :۔

" پچھلی ڈاک مین انڈیا آفس لائبریری کی اردو کتابون پر مضمون بھیجا ہے پہنچا ہوگا، اسمین قلمی کتابون کا تذکرہ نہین ہے، کیونکہ اسکی کوئی فہرست مرتب نہین ہے، تاہم مین پروفیسر اسٹوری کے ذریعہ سے (جو یہان اب اسسٹنٹ لائبریرین ہین) پروفیسر بلوم ہارٹ سے

ملا جو قلمی اردو کتابون کے انچارج ہین، دیکھکر سخت تعجب ہوا، بہت بڈھے آدمی، ۸۰ برس سے کم عمر نہونگی، بالکل سن سفید اور پیری سے خمیدہ پشت ہین، ۱۸۷۵ء مین ہندوستان گئے تھے اردو عمدہ اور صحیح مخارج کے ساتھ بولتے ہین، برٹش میوزیم مین بھی اُردو کا صیغہ انہین کے متعلق ہے، اُنھون نے انڈیا آفس کی اُردو قلمی کتابون کا مسودہ فہرست اپنے ہاتھہ کا لکھا ہوا مجھے دیا، لیکن یہ فہرست بالکل بے ترتیب ہے، اس سے کسی چیز کا نکالنا مشکل نظر آیا، بہرحال اتنا معلوم ہوا کہ اردو کی کل تین سو قلمی کتابین یہان ہین، یہ زیادہ تر دلّی سے ہاتھہ آئی ہین، سعادت علیخان رنگین کی دس بارہ تصنیفات ہین، ہندی کی قلمی کتابین (۱۰۰) سو ہین، ہندی بھی پروفیسر بلوم ہارٹ ہی سے متعلق ہے، پروفیسر موصوف اُردو کے بہت مداح ہین، اردو کو ہندوستان مین ذریعۂ تعلیم بنانے کے موید ہین، ہندی کے مقابلہ مین اُردو کو ہندوستان مین زیادہ پھیلنے والی قوت تسلیم کرتے ہین،"

سعادت یار خان رنگین، خوش قسمت تھے، کہ انکی متعدد تصانیف کے مسودات کو انڈیا آفس کے کتبخانہ مین جگہ ملی، لیکن کیا رنگین کے بعد اُردو مین کوئی اور مصنف یا شاعر اس پایہ کا نہین ہوا ہے؟ کیا حالی و شبلی، اکبر و اقبال کا مرتبہ رنگین سے بھی فروتر سمجھا گیا ہے؟ اردو کا افلاس و ناداری مسلم ہے، لیکن با این ہمہ بحمد اللہ رنگین سے بہتر تو انکے بعد صدہا شعرا و مصنفین پیدا ہو چکے ہین، یہ دوسری بات ہے کہ اوسلے و گلکرسٹ، ہالرائڈ و لائیز، بیمز و فیلن کے ہم قومون سے ذوق علم و شوق ادب رخصت ہو گیا ہے، انوار شمع طور آج بھی بدستور ہین، البتہ سینۂ کلیم شاید تمنائے دیدار سے بے نور ہو چکا ہے،

پونہ کی زنانہ یونیورسٹی کا تذکرہ اس سے پیشتر ان صفحات مین آچکا ہے، حال مین بمبی کے مشہور مہاجن سر وٹہل داس تہیکرسے نے اُسکو جو عطیہ عنایت کیا ہے اسکی تعداد پندرہ لاکہہ ہے، اس شاہانہ عطیہ کو ملاکر یونیورسٹی کے پاس اسقدر مجموعی سرمایہ ہوگیا ہے، جسکے منافع کی آمدنی ستر ہزار سالانہ ہوگی! یونیورسٹی کا آیندہ مرکز بمبی قرار پایا ہے، اور پونہ، بمبی واحمدآباد وغیرہ مین متعدد کالج اور اسکول کہولے جارہے ہین، جو سب کے سب اسی یونیورسٹی سے ملحق ہونگے، ارکان مجلس انتظامیہ نے تخمینہ کیا ہے کہ کل مجوزہ مصارف کے لئے کم از کم ایک لاکہہ سالانہ یعنی موجودہ آمدنی سے تیس ہزار سالانہ زاید آمدنی کی ضرورت ہوگی، یہ رقم بظاہر بہت بڑی معلوم ہوتی ہے، لیکن جس قوم کا ایک ایک فرد اسقدر اولوالعزم ہو، اُسکے لئے اتنی رقم کی فراہمی چندروز کا سوال ہے، یہ سوال اس قوم کے سامنے ہین، جسکے پاس لے دیکے لکہنؤ و علی گڈہ کے کل دو مدارس نسوان ہین، اور اُن مین بہی پہلے کی حالت نیم خفتہ اور دوسرے کی نیم مردہ ہے،

ہندو یونیورسٹی کی تحریک سنہ۱۱ سے شروع ہوئی اور سنہ۱۵ مین یونیورسٹی قائم ہوگئی، میسور یونیورسٹی کا تخیل سنہ۱۳ مین پیدا ہوا، اور سنہ۱۶ سے باضابطہ تعلیم شروع گئی، پٹنہ یونیورسٹی کی تجویز کل ہوئی اور آج عمل ہونے لگا، ڈہاکہ یونیورسٹی کا نقشہ چند سال اُدہر تیار رہا، اور اسوقت تک مسودۂ قانون منظور ہوچکا، لکہنؤ یونیورسٹی کا خواب شب کو دیکھا تہا اور صبح ہوتے ہی اسکی تعبیر پوری ہونے لگی ہے، غرض اس دس برس کے عرصہ مین متعدد سرکاری وغیر سرکاری یونیورسٹیان عدم محض سے وجود مین آچکی ہین، لیکن اس شرف مخصوص مین مسلم یونیورسٹی کا کوئی شریک نہین، کہ گو اسکی تجویز سب سے قدیم تر ہے، گو اسکا وجود سب سے زیادہ ضروری ہے،

اور گو اسکا خیر مقدم انتہائی جوش وخروش کے ساتھ ہوا تھا تاہم علمی حیثیت سے آج بھی یہ تحریک ٹھیک اسی جگہ پر ہے، جہان ہمیشہ تھی! دوسرون کو اگر اپنی حرکت و رفتار عمل پر ناز ہے تو ہوا کرے، ہمین اس فخر سے کون محروم کر سکتا ہے کہ جمود و سکون مین ہمارا مرتبہ سب سے بلند ہے؟ -

---

حاشا اس سے یہ مقصود نہین کہ حکومت جن شرائط پر یونیورسٹی دے رہی تھی انہین کو منظور کر لینا چاہیئے، یا خواہمخواہ اپنی یونیورسٹی کو سرکاری ہی رکھنا چاہیئے، لیکن آخر کوئی قدم تو آگے بڑھنا چاہیئے، آزادانہ و خوددارانہ شرائط پر خواہش حصول یونیورسٹی کے یہ معنی تو نہین ہو سکتے کہ اسے آڑ بنا کر دست و پا شکستہ اشخاص کی طرح اپنے تئین بالکل معطل بنا لیا جائے دوسرے قافلے جو ہم سے کہین بعد کو روانہ ہوئے تھے وہ ہماری آنکھون کے سامنے پوری تیز روی کے ساتھ گذرتے ہوے چلے گئے، لیکن آج تک

ہم محو نالۂ جرس کاروان رہے

بغداد و دمشق، قرطبہ و غرناطہ کو علمی مراکز بنانے والے اسلاف نے کیا ساری دماغ سوزی و جگر کاوی اسی لئے کی تھی کہ اپنے اخلاف کو ہمیشہ کے لئے علمی و تعلیمی جد و جہد کے فرض سے سبکدوش کر جائین؟ -

---

کلکتہ یونیورسٹی نے اپنے ہان (پوسٹ گریجویٹ کلاسز) بی، اے پاس طلبہ کے لئے السنۂ حالیہ کا جو نصاب درس رکھا ہے، اسمین اردو کئی سال سے داخل ہے، حال مین بمبئی یونیورسٹی نے بھی اپنے ہان بی، اے اور ایم، اے کی جماعتون مین ایک مضمون اردو زبان کا

رکھنا طے کیا ہے، اور منتہی طلبہ کے لئے ایک اردو لکچرار کا تقرر منظور کیا ہے، پنجاب یونیورسٹی سالہا سال سے جو خدمت اُردو زبان وادب سے متعلق انجام دی رہی ہے اسکا اعتراف بھی سب پر واجب ہے، اور ناگپور اور مدراس یونیورسٹی تک اُردو کی جانب سے بے التفات نہین، البتہ سرکاری یونیورسٹیون مین سے اگر کسی کا طرزعمل اردو سے متعلق سردمہری وبے اعتنائی کا مجسمہ ہے تو وہ الہ آباد یونیورسٹی ہے جو اردو کے مرکز اصلی مین واقع ہے اسکا کتبخانہ اردو کتابون سے یکسر خالی ہے، اسکے اعلیٰ نصاب درس مین اُردو کی کوئی گنجائش نہین، اسکی فہرست اساتذہ مین تعلیم اردو کے لئے کسی ہستی کا وجود نہین، اسکے خزانہ عامرہ مین اردو ارباب قلم کی اعانت کی کوئی مد نہین، اسکا نظام امتحانات، اُردو کے عنوان سے ناآشنا ہے اسکی تاریخ اُردو کی قدردانی کے ذکر سے خاموش ہے، اور اسکا نظامِ کار اردو کے واجبی حقوق کے اعتراف سے نامانوس ہے، جو خطہ اُردو زبان کا سب سے بڑا مرکز ہے، جہان کے بچہ بچہ کی مادری زبان اُردو ہے، جسکے حلقہ مین لکھنؤ، آگرہ، فیض آباد شامل ہین، کیا اس خطہ کے خدایان تعلیم کا اپنے صوبہ کی زبان کے ساتھ بھی برتاؤ ہونا چاہیئے تھا؟ دنیا کی تعلیمی تاریخ مین یہ واقعہ آپ اپنی نظیر رہیگا۔

خیر، الہ آباد یونیورسٹی نے تو اس معاملہ مین اپنے فرائض کو جسقدر یاد رکھا اور جیسی کچھ داد دیانت دی ہے، اسکا فیصلہ تاریخ پر چھوڑا جاسکتا ہے، لیکن کیا لکھنؤ یونیورسٹی مین بھی یہ ظلم روا رکھا جائیگا؟ اردو زبان کا حق تو یہ ہے کہ اب اسے لکھنؤ یونیورسٹی مین بطور آلۂ تعلیم کے رکھا جائے، اور جملہ علوم وفنون کی تعلیم بجاے انگریزی کے اُردو ہی کے ذریعہ سے ہو لیکن اس تجویز پر علدرآمد اگر سردست محال ہے تو کم ازکم اتنا تو بہرحال ہونا چاہیئے، کہ

اردو کو عربی، سنسکرت، و فارسی کی طرح یونیورسٹی کے نصاب السنہ مین جگہ دیجائے، اردو زبان اپنے موجودہ سرمایۂ ادب کے لحاظ سے ہرگز اس سے زیادہ مفلس نہین جتنی انگریزی زبان آکسفرڈ و کیمبرج یونیورسٹیون کے قیام کے وقت تھی جس زبان مین میر و درد، غالب و مومن، انیس و دبیر، اکبر و اقبال، سرسید و چراغ علی، آزاد و نذیر احمد، حالی و شبلی کے پایہ کے شعراء و مصنفین پیدا ہوچکے ہون اور جسکے خزانۂ ادب مین عربی و فارسی، سنسکرت و انگریزی کے بہترین جواہر ریزے منتقل ہوچکے ہون، اُسے لٹریچر کے اعلیٰ اصناف سے محروم سمجھنا خود اپنی ناواقفیت کا ثبوت دیناہے،

گاندھی صاحب کے حسب ہدایت اور الہ آباد کی ہندی سمیلن کی زیر نگرانی مدراس مین جو کوششین ہندی زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے دو برس سے جاری ہین وہ ایک بڑی حد تک بارآور ہوچکی ہین، اور اس مشن کو پانچ سال تک اور جاری رکھنے کے لئے حال مین بمبئی کے ماڑواریون نے پچاس ہزار کا سرمایہ بھی فراہم کردیا ہے مسٹر گاندھی فرماتے ہین کہ زبان تو ہندی و اُردو دونون ایک ہی ہین، فرق صرف رسم الخط کا ہے، اور انہین توقع ہے کہ مسلمان ایک بڑی آبادی کی سہولت کے خیال سے اپنے اُوپر تھوڑی سی تکلیف گوارا کرکے ناگری رسم الخط بہ مسرت تمام سیکھ لین گے، گاندھی صاحب کا خلوص نیت قطعاً ہر قسم کے شک و شبہہ سے ارفع ہے، لیکن ان کے اس مشورہ پر مسلمان غالب کی زبان مین صرف اتنا عرض کردینا چاہتے ہین ؎

عشق و مزدوری عشرتگہ خسرو کیا خوب ہمکو تسلیم نکونامئ فرہاد نہین

پچھلے نمبر مین اخبار علمیہ کے زیر عنوان ایک جدید آلہ کی اختراع کا حال درج ہوا ہے جسکے ذریعہ سے ملزمین کو جھوٹ بولنے کا موقع نہ ملیگا، اسلئے کہ جب وہ اپنے دیکھے ہوے کسی واقعہ سے انکار کرینگے تو فوراً ان کا جھوٹ اس آلہ کی وساطت سے کھل جائیگا، یہ آلہ چونکہ اپنی نوعیت مین عجیب وغریب ہے، اسلئے بعض ناظرین معارف اس خبر کو باور نہ کرکے ہم سے اسکی تصدیق چاہتے ہین، ہم اسکے جواب مین اور کیا عرض کرسکتے ہین کہ انکی طرح ہم بھی اس آلہ کی زیارت سے مشرف نہین ہوئے ہین، البتہ اگر ہمارے عدالت کے سامنے لائے ہوئے ملزمون کے اسکا تجربہ ایوان وزارت کے کرسی نشینون، سفارت خانون کے عہدیدارون میدان سیاست کے پہلوانون، اخبارات کے مقالہ نگارون، اور قومی لیڈرون پر کامیاب ثابت ہو تو بیشک یہ ایک ایسا معجزہ ہوگا جسپر سب کو ایمان لے آنا پڑیگا،

مسلمان اپنے مذہب سے جس شغف کا اظہار کرتے ہین، اُسکا تقاضا یہ تھا کہ یورپ مین تبلیغ اسلام کے لئے یورپین زبانون مین قرآن مجید کے متعدد تراجم مستند و ذی علم مسلمان ارباب قلم کی طرف سے شائع ہوچکے ہوتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابتک کسی مغربی زبان مین ایک بھی صحیح ترجمۂ قرآن موجود نہین، انگریزی مین متعدد تراجم سیل، پامر، راڈول، وغیرہ یورپین اشخاص کے موجود ہین، لیکن انہین دیکھکر یورپ کی عربی دانی سے حیرت کے ساتھ بدگمانی ہوتی ہے، تعصب و عداوت کی رنگ آمیزیون سے قطع نظر کرکے قرآن کی معمولی عبارتون کے سمجھنے مین ان حضرات سے جو حیرت انگیز غلطیان واقع ہوئی ہین، ان کا اندازہ بغیر اسکے ہونا ناممکن ہے کہ ان ترجمون کو قرآن کے پہلو بہ پہلو رکھکر پڑھا جائے، آکسفرڈ و کیمبرج کے علماء شرقیات کی یہ غلطیان اکثر اس درجہ کی ہین جو مبتدی عربی خوانون سے بھی نہین ہوسکتین،

مولوی محمد علی (احمدی) ایم، اے کا انگریزی ترجمہ بعض حیثیات سے نسبتہً بہت بہتر ہے، پھر بھی سوء تفہیم کی بہ کثرت مثالون سے خالی نہین، لیکن آج کسمین اتنی ہمت ہی جو مسلمانون کو "ضروری" "واہم" مشاغل سے ہٹا کر اس ضرورت کی جانب متوجہ کرسکے؟

مستند انگریزی ترجمۂ قرآن کی جسقدر ضرورت یورپ مین تبلیغ اسلام کے لئے ہے، اسیقدر خود ہندوستان کے ان علاقون مین ہے، جہان مادری زبان اردو نہین، ان آبادیون تک پیام حق پہنچانے کا بہترین ذریعہ تو یہ تہا کہ بنگالی، مرہٹی، گجراتی، ہندی، تامل، تلگوئی وغیرہ ہندوستان کی ہر زبان مین اُسکا صحیح ترجمہ موجود ہوتا، لیکن اگر سر دست یہ ممکن نہین تو اس مقصد کو ایک حد تک انگریزی ترجمہ کی مدد سے پورا کیا جا سکتا ہے، لیکن موجودہ صورت مین غیر عربی دان وغیر اردو دان قومون کو چار و ناچار انگریزی کے غلط و ناقص تراجم ہی پر اعتماد کرنا ہوتا ہی اور رقیب کے ذریعہ سے پیام رسانی کے جو نتائج ہوسکتے ہین وہ کسی پر مخفی نہین،

گذشتہ نمبر مین ہم ایک کرم فرما کی علمی فیاضی کا شکریہ ادا کرچکے ہین لیکن اس سلسلہ مین ہمین ایک اور عنایت فرما کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے، چودہری محمد علی صاحب ردولی (اودھ) کے ایک علم دوست رئیس ہین، جنہون نے دار المصنفین کو "ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ" "مورخین کی تاریخ عالم" کی مکمل پچیس جلدین عنایت کی ہین، دار المصنفین کا انگریزی کتبخانہ ابھی بالکل ابتدائی حالت مین ہی، اسلئے یہ عطیہ خصوصیت کے ساتھ قابل شکریہ ہی، اس کتاب کو یورپ کے مشاہیر علماء تاریخ کی ایک جماعت نے اپنی مشترکہ محنت سے ۱۲، ۱۳ سال ہوئے تالیف کیا تھا، اور اگرچہ اسکا معیار تحقیق اسقدر بلند نہین جسکی توقع کیجاتی تھی پھر بھی بلحاظ جامعیت کتاب قابل قدر ہے۔

مقالات

قصۂ بکاؤلی اور مسایل تصوف

کپلنگ نے جو دور جدید کا ایک مشہور انگریز ادیب ہے، عرصہ ہوا ایک نظم لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ تھا کہ

"مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، دونون کبھی متحد نہین ہو سکتے"۔

کپلنگ اسوقت لاہور کے اینگلو انڈین روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے حلقۂ ادارت مین تھا جو ہندوستانیون سے تعصب رکھنے مین مشہور ہے، اور خود اس نظم کا مقصد بھی مغرب کی افضلیت ثابت کرنا تھا، اسلئے اہل مشرق کو قدرۃً اسکی اشاعت سے سخت اشتعال پیدا ہوا، اور ہندوستان مین کئی انگریزی نظمین اس نظم کے جواب مین لکھی گئین،

لیکن کیا جو خیال اس شعر مین ادا کیا گیا ہے، اسکی واقعیت سے انکار ممکن ہے؟ کیا یہ واقعہ نہین کہ مشرق مشرق ہے، اور مغرب مغرب، اور دونون مین "بعد المشرقین" حایل ہے، فضایل و رذایل کا سوال الگ ہے، لیکن اس حقیقت سے کسکو انکار ہو سکتا ہے کہ صورت و شکل، رنگ روپ، قد و قامت، زبان و لہجہ، رسم و رواج، اخلاق و معاشرت، وضع و لباس مذہب و عقاید، غرض ایک ایک چیز مین مشرقی، مغربی سے الگ ہے؟

ان مین سے بعض ایسے اختلافات ہین جو بالکل قدرتی و طبعی ہین، اور انسانی تصرف و اختیار سے خارج ہین، مثلاً صورت، رنگ اور زبان کی خصوصیات، لیکن اکثر اختلافات ایسے ہین جو اس حد تک انسانی ارادہ کی دسترس سے باہر نہین بلکہ جنہین انسان اپنی پسند

خواہش سے اختیار کرتا رہتا ہے مثلاً قوانین حکومت یا آداب معاشرت،

اس آخری شق کے، یا اختیاری، اختلافات تعداد مین بہت زاید ہین، لباس مین ہمارے ان کے کوئی مناسبت نہین، طریقۂ تعلیم مین ہمارے ان کے سخت اختلاف ہے، ہمارے ہان کے مراسم نکاح پر وہ ہنستے ہین، ہمکو ان کے ہان کی "کورٹ شپ" ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے، ہماری معاشری زندگی کی روح خاندان مشترکہ ہے، ان کے نزدیک یہ ایک احمقانہ دستور ہے، مردون کے فاتحہ کا رواج ہندوؤن اور مسلمانون مین عام ہے، اہل مغرب کی نظر مین اس سے بڑھکر ضعیف الاعتقادی کی کوئی مثال نہین، غرض اس طرح کے صدہا بلکہ ہزارہا اختلافات پائے جاتے ہین، اور گو ہر دور مین انکے جزئیات بدلتے رہتے ہین، تاہم اصلاً دونون کے حدود بجائے خود قائم رہتے ہین، موجودہ دور نے بیشک ان امتیازات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کوشش کا اثر ابتک بہت ہی محدود رہا ہے، ہندوستان کی آبادی کا شاید ایک یا دو فیصدی حصہ ایسا ہے جو اسوقت تک انگریزی معاشرت اختیار کر سکا ہے، اور مغرب مین تو جتنے اشخاص مشرقیات سے متاثر ہوئے ہین، ان کا شمار انگلیون پر ہو سکتا ہے،

ان تمام امتیازات و اختلافات کو اگر کسی بڑے اصول کی ماتحتی مین لانا چاہین تو صرف دو الفاظ کافی ہونگے، روحانیت و مادیت، روحانیت کا گہوارہ مشرق ہے، اور مادیت کا ملجا و مامن مغرب ہے، ریل اور تار برقی، ہوائی جہاز اور مشین گن مغرب کے اختراعات ہین مذاہب عالم مشرق کے پیداوار ہین، خود حضرت مسیح کا جنکے خدا ہونے پر سارا مغرب متفق اللفظ ہے، (گو عملاً وہ انہین خدا کیا معمولی انسان سے بھی فروتر سمجھتا ہے) مولد و منشا بھی مشرق تھا، مغرب کو کیپلر و نیوٹن، مارکونی و ایڈیسن، پاسٹور و ڈارون پر ناز ہے، جنھون نے علوم مادی کے خزانون کی کنجیان ایک ایک کے ہاتھ مین دیدین، مشرق اُنکے

مقابلہ مین کرشن، وگوتم بدھ، کنفوشس وزر تشت، رومی وجیلانی کے نام پیش کرتا ہے، جو اقلیم باطن کے غیر فانی تاجدار ہوئے ہین، مغرب اپنے سب سے زیادہ قیمتی مقبوضات اپنی یونیورسٹیون اور کالجون، کتبخانون اور عجائب خانون، تماشا گاہون اور نمائشگاہون کو سمجھتا ہے مشرق اپنی خانقاہون اور درگاہون، مندرون اور شوالون، عبادت گاہون اور زیارتگاہون پر جان دینے کو تیار رہتا ہے،

مشرق و مغرب کا یہ اصولی فرق، علم وفن، اخلاق و سیاست، تمدن و معاشرت، تعلیم و تربیت، غرض زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ مین نظر آتا ہے، یہانتک کہ جو چیزین بظاہر دونون مین مشترک معلوم ہوتی ہین، بغور دیکھا جائے تو ان مین بھی یہی امتیاز قائم ملیگا، اور اُسکی ایک مثال پر اسوقت نظر کرنا ہے،

اصناف ادب مین افسانہ ایک ایسی چیز ہے جسکے متعلق پہلا قیاس یہ ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب مین کوئی امتیاز نہوگا، کہانیون سے جو دلچسپی یہان کے بچون کو ہوتی ہے، وہی وہان کے بچون کو بھی ہوتی ہے، حسن و عشق کے تذکرے جیسے ہمارے نوجوانون کو مرغوب ہین ویسے ہی ان کے ہان بھی ہین، غم و مسرت، لذت و الم، درد و حسرت کے جذبات جیسے ہم مین ہوتے ہین ویسے ہی ان مین بھی ہوتے ہین، لیکن باایں ہمہ مشرق و مغرب کے افسانون مین آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے، نہ صرف ان ظاہری حیثیات سے جنہین "ناول" و "فسانہ" کے درمیان مابہ الامتیاز قرار دیا جائے بلکہ اصلی روح یا اسپرٹ کے لحاظ سے قصص مشرقی و مغربی ایک دوسرے سے محض طرز ادا و پیرایۂ افسانہ گوئی کی بنا پر ممتاز نہین ہوتے، بلکہ جان سخن و مغز کلام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہوتے ہین،

مادیت و روحانیت کے حدود حکومت اس میدان مین نمایان طور پر نظر آتے ہین،

ہومر، شکسپیر، ہیوگو، ڈوٹا، ڈکنس، تھیکرے، جارج ایلیٹ، وغیرہ مغرب کے بہترین دماغوں کے افسانوں کو دیکھو، (بہ استثنار شاذ) ہر جگہ اسی مادی دنیا کی کشمکش کے واقعات ومناظر روبرو ہونگے، بخلاف اسکے مشرق کا ہر افسانہ جوذرا بھی ممتاز قلم سے نکلا ہوگا، اپنے اندر روحانیت کے عناصر ضرور رکھیگا، مہابھارت اور راماین سے قطع نظر کرکے جو سرتا سر مذہبی افسانہ ہین، عام زہد وعشقیہ فسانے بھی اسی رنگ مین رنگے ہوئے نظر آئینگے، یہانتک کہ جو افسانے موجودہ مہذب جماعت کے نزدیک نہایت عامیانہ بلکہ مبتذل سمجھے جاتے ہین، اور واقعتہً ان مین فحش و ابتذال کی مثالین قدم قدم پر ملتی ہین، اگر تلاش کیا جائے تو ان دریاؤن مین موعظت واخلاق، تزکیۂ نفس وصفائے روح کے موتی بکثرت دستیاب ہونگے، بلکہ اکثر یہ ثابت ہوگا کہ مجاز کے پردہ مین پوری داستان حقیقت ومعرفت بیان ہو رہی ہے، حافظ کے جام وبادہ ساقی وپیمانہ، ابر ومیخانہ کے معانی سے کون ناواقف ہے؟ لیکن درصل مطالب عالیہ کی رمز بیانی کے لئے خواجہ حافظ جیسی جلیل القدر ہستیون کی تخصیص نہین بلکہ مشرق کا یہ عام مذاق ہے کہ رندی وعاشقی کے مصطلحات مین حقائق ومعارف کی تعلیم دیجاتی ہے،

الف لیلہ، داستان امیر حمزہ، بوستان خیال، وطلسم ہوشربا، اس نوعیت کی کتابون مین سے کوئی بھی اس قابل نہین سمجھی جاتی کہ آج اسکا نام شایستہ وتعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بغیر شدید مضحکہ کے لیا جا سکے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان مین سے ہر کتاب باوجود خوارق عادات کے تذکرہ اور پیرایۂ بیان کے ابتذال کے ایک گنجینۂ اسرار تصوف ہے، جسکے نظر آنیکے لئے کسی غیر معمولی روحانی بصارت وبصیرت کی ضرورت نہین، البتہ یہ ضرور ہے کہ مغربی سطحیت کی جو عینک آنکھون پر چڑھی ہوئی ہے اُسے اُتار کر رکھدیا جائے،

اسی قسم کے افسانون مین ایک قصہ گل بکاؤلی ہے، جسکے مطالب سے اگرچہ ہمارے

ہان کا بچہ بچہ واقف ہے، تاہم اس "مبتذل" قصہ کے نام پر مضحکہ کرنا ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ مین روشن خیالی کی مستحکم دلیل سمجھی جاتی ہے، صفحات ذیل مین یہ دکھانا ہے کہ یہ افسانہ بھی درحقیقت اسرار تصوف کا معلم ہے، اور یہ کوئی راز نہین، بلکہ مصنف خود، بار بار اسکی تصریح کرتا جاتا ہے، حیرت اسپر ہے کہ اتنی کھلی ہوئی بات پر بھی نگاہین نہین پڑتین!

بکاولی کا اصل قصہ نہایت ہی قدیم ہے، جسکی تاریخ کا علم خود تاریخ کو بھی نہین، اور نہ اس بحث مین پڑنے کا یہ موقع ہے، مختصر یہ کہ ہندوؤن کی بعض قدیم ترین کتابون مین اسکے حوالے ملتے ہین، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ ابتداءً اسکے متعلق کوئی کتاب سنسکرت مین لکھی گئی ہوگی، تقریباً ۱۱۲۴ھ مین شیخ عزت اللہ بنگالی نے اسے فارسی زبان مین مرتب کیا، اور لارڈ ویلزلی گورنر جنرل ہند کے عہد مین لالہ نہالچند لاہوری نے جنکا مولد دہلی تھا اور جو کلکتہ مین مقیم رہتے تھے، اردو زبان کے نامور محسن جان گلگرسٹ کے حسب فرمائش اسکا ترجمہ اردو مین کیا، ترجمہ کا سنہ قطعی طور پر معلوم نہین، لیکن یہ معلوم ہے کہ لارڈ ویلزلی کی مدت حکومت ۱۷۹۸ء سے ۱۸۰۵ء تک تھی، اس حساب سے اس کتاب کو اردو مین آئے ہوئے کم و بیش سوا سو سال ہوئے ہین، اسکا پورا نام "مذہب عشق معروف بہ گل بکاولی" ہے، یہی وہ کتاب ہے جو کچھ کم سو صفحات کی ضخامت کے ساتھ حنائی کاغذ پر چھپی ہوئی عام طور پر بازارون مین ملتی ہے، اور یہی مثنوی گلزار نسیم کا ماخذ ہے (اسکے علاوہ ایک دوسرا قصہ گل بکاولی بھی اردو مین موجود تھا، لیکن اب وہ نایاب ہے)

(۱) قصہ کے پلاٹ کا آغاز یہ ہے کہ زین الملوک ایک فرمان رواے با اقبال تھا، اُسکی نظر جب اسکے محبوب فرزند تاج الملوک پر پڑی تو دفعتہً بصارت جاتی رہی، اطبا نے بتایا کہ اگر گل بکاولی کہین سے دستیاب ہو سکے تو بینائی عود کر سکتی ہے، تاج الملوک کے چارون

بڑے بھائی ایک ساتھ، اور تنہا تاج الملوک الگ، اس گل نایاب کی تلاش مین روانہ ہوئے ملک بکاولی مین داخل ہونے سے پہلے ایک اور شہر پڑتا تھا، اسمین ایک عیار طوائف رہتی تھی جو چوسر کھیلنے مین اپنا جواب نہین رکھتی تھی، اور ایک بلی اور چوہے کی مدد سے ہمیشہ بازی جیت جاتی تھی، چارون شہزادے اسکے ہان گئے، اور اپنی تمام دولت بلکہ آزادی کو بھی ہار کر اسکے غلام بن گئے، چندروز کے بعد تاج الملوک پہنچا اس نے اس عیارہ کے مکر و فریب کو تاڑلیا، اور ایک نیولے کی مدد سے اُسے کھیل مین شکست دیکر اسے خود اپنی لونڈی بنایا، اور تمام شاہزادون کو اسکی غلامی سے نجات دلائی، لیکن جانتے ہو یہ مجاز بیانی کس گنجینۂ معارف کا طلسم ہے؟ اسکی شرح خود مصنف کی زبان سے سنو :-

"اے عزیز تونے معلوم کیا کہ مین نے کیا کہا، اس بات کا حاصل یہ ہے کہ دل عرش منزل تیرا جو رونق بخش تخت بادشاہی کا اور دیکھنے والا مادہ اور مجرد کا تھا، جب اُسکی آنکھ اس خلقت ناپاک پر پڑی، اُسکی بصارت کو زنگ لگا، اور دیدۂ روشن تاریک ہو گیا اب اُٹھ اور سرمۂ بینائی ڈھونڈھ، یعنی گل مراد کی تلاش کر، لیکن راہ مین دنیائے عیارہ کی بازی مین کہ تختہ فریب کا دھرا ہوا ہے، مشغول نہونا، مبادا وہ فاحشہ پہلے تجھکو فریفتہ کرکے بناوے، اور بعد اسکے مکر کی بلی اور فریب کے چوہے کی مدد سے اچھا پانسہ اپنے حسب مرضی پھینکے، اور اچانک تیرے توکل کا سرمایہ آخر ہو جائے، تب تجھکو دام الحبس کر رکھے اگر تو صبر کے نیولے کی اعانت سے اس مکارہ کی بازی طلسم کو درہم کر دے، تو وہ فاحشہ جو بادشاہون اور گردن کشون کی ہم نشین ہے، تیری فرمان بردار لونڈی ہو کر چاہے کہ تجھکو اپنے حسن و جمال سے لبھائے، پھر اگر تو اسکے منہ پر الفت سے نگاہ نہ کرے تو یقین ہو کہ گل مراد کے دامن تک تیرا دسترس ہو"،

صوفیہ کرام اس سے زیادہ کس شے کی ہدایت کرسکتے ہین ؟

(۲) تاج الملوک سفر کرتے کرتے سرحد ملک بکاولی تک پہنچا ہے، لیکن وہان پہنچکر اسے معلوم ہوا کہ قلعہ بکاولی جہان وہ گل مراد پوشیدہ ہے، اٹھارہ ہزار دیوون کی حفاظت مین ہے اور سال سال بھر کی مسافت کے مقامات تک انکی چوکیان بیٹھی ہوئی ہین، انکے علاوہ بیشمار پریان ہر وقت نگرانی کرتی رہتی ہین، کہ کوئی پرندہ ہوا کے راستہ سے بھی نہ پہنچ سکے، تیز چوہون کا بادشاہ بے حد وحساب لشکر لئے ہوئے زمین دوز راستون کی پاسبانی کرتا رہتا ہے، تاج الملوک نے یہان پہنچکر ایک قوی ہیکل دیو کو کسی طرح اپنے موافق بنایا، اور اسکی بہن حمالہ کو جو سب دیوؤن کی سردار تھی ملایا، یہانتک کہ اس نے اپنی پروردہ ایک حسین لڑکی محمودہ کو اسکے نکاح مین دیدیا، مصنف ان اسرار معرفت کی ترجمانی ان الفاظ مین کرتا ہے:-

"اے عزیز، روشنی چشم ظاہر بین کی سات پردون مین ہے، اور تجلی باری تعالے کہ نور دیدۂ اولیا ہے، ستر ہزار پردے مین ہے، اگر یہ ارادہ ہے کہ وہ پردے درمیان سے اٹھین تو پہلے اس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب بیچ سے اٹھا کر اسکو بس مین کر کہ وہ لعین اپنی کجروی کو چھوڑکر محمودہ کے مقام مین پہنچائے، لیکن یہ بات یاد رکھہ کہ اگر دیو سے الٹا کیجیۓ تو بیدھا پڑے" (صفحہ ۲۲)

تزکیہ نفس وعرفان حق کی اس سے واضح تر تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے؟

(۳) پھول تاج الملوک کے ہاتھہ لگ گیا ہے، بادشاہ کی آنکھین روشن ہوگئین ہین، ادھر بکاولی خواب سے بیدار ہوتی ہے، اور پھول کو غائب پاکر سخت مضطرب ہوتی ہے، ساتھ ہی اُسے پھول چرانے والے سے غائبانہ عشق بھی پیدا ہوجاتا ہے، اور خود تاج الملوک بھی اسے مو خواب دیکھکر اسپر دل وجان سے عاشق ہوچکا ہے، بکاولی اپنے پھول اور اپنے دل کے چور کی تلاش مین نکلتی ہی اور آگر بادشاہ کے ہان خواصون مین داخل ہوتی ہے، یہان اسکی نظر چارون بڑے شاہزادون پر

پڑتی ہے، مگر اسکا دل کسی پر نہین جمتا، اسے یقین ہے کہ اُسکے دل کا چرانے والا کوئی اور ہی ہے اور وہ اُسکے انتظار مین رہتی ہے، گویا عاشق مطلوب بن جاتا ہے، اور معشوق طالب، ان واردات قلب کی تصویر مصنف کا حقیقت شناس قلم کس خوبصورتی سے کھینچتا ہے :-

"سبحان اللہ، کیا اُلٹی بات ہے کہ معشوق طالب عاشق کا ہو اور عاشق اسکا مطلوب، لیکن نظر تحقیق سے جو غور کرے تو سیدھی لگے، کیونکہ جب تک معشوق کو خواہش عاشق کی ہو اُسکی چاہت اکارت ہے اور کوشش بیفائدہ، آتش طلب کی جو عاشق کے گریبان سے مشتعل ہے فی الحقیقت لگائی ہوئی معشوق کی ہے، ع

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود　　تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

بات بڑھ گئی، قلم کہتا ہے اے شخص بس کر مین نے لکھنے مین بہت ہی کوشش کی اور ہاتھ اپنی سعی کے دعوی کرتے ہین کہ قلم نے کیا کیا ہم نے لکھا، بازو اپنے تردد کا دم مارتا ہے کہ دست و قلم سے کیا ہوا، جو کچھ کیا مین نے کیا، غرض اسی طرح اسباب تحریر کے بڑھے، اور ایک کو ایک پر فوقیت ہوتی گئی، دفعتہً ایک سبب ایسا پایا گیا کہ وہ محتاج کسی سبب کا نہ تھا، پس اے عزیز اگر تو بتاوے کہ فی الحقیقت لکھنے مین کسکی سعی ہے، اور ظاہر مین کسکی تو مین بھی عاشق اور معشوق کی سعی کا جواب دون" (صفحہ ۳۲، ۳۳)

کیا عام مغربی افسانون مین مجاز سے حقیقت کی طرف عطف توجہ کی مثالیں ملتی ہین ؟

(۴) تاج الملوک نے اپنے والد کی سرحد حکومت سے متصل دیوون کی مدد سے ایک جنت نظیر شہر آباد کیا ہے، بادشاہ اپنے سفیر کو دریافت حال کے لئے بھیجتا ہے، تاج الملوک اس خلق و ملاطفت سے گفتگو کرتا ہے کہ بادشاہ کو خود اس اجنبی فرمان روا کے ہان جسے وہ اتنک اپنا حریف سمجھ رہا تھا، بہ طور مہمان آنیکی ترغیب ہوتی ہے، یہان پہنچکر وہ اپنے سعادتمند

فرزند کو پہچانتا ہے، اُسے سینہ سے لگاتا ہے، اور چارون بڑے لڑکون کو جنھون نے ابتک تاج الملوک کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے تھے، سخت سزا دیتا ہے، اس باب کے خاتمہ پر جو رشحات معرفت مصنف کے قلم سے ٹپکے ہین، انکا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"اے عزیز، تیری عزت بادشاہ[5] کے دربار مین تیری خدمت کے موافق ہوگی چاہیئے کہ شاہزادے کے مانند کارشائستہ کرے، تو تیری محبت شاہ کے دل مین موثر ہو اور پیغام اپنی ملاقات کا تجھے بھیجے، بلکہ بیباکانہ آپ ہی تیرے پاس چلا آئے، اور بے اختیار تیرا سر اپنی چھاتی سے لگائے، اگرچہ پہلے دیدار کے لائق نہو، لیکن آخرکار اسی مقام مین آپکو پہنچائے کہ وہان تیرا کوئی شریک نہو سکے، پھر ایسا کام نہ کیجیو کہ شاہزادون کے مانند داغ لعنت اُٹھائے، اور کس و ناکس کے، دبدر رسوا ہو"

ڈکنس و تھیکرے کے شیدائیون کو افسانہ گوئی کے درمیان درمیان یہ درویشانہ صدائین سخت نامانوس اور بے محل معلوم ہوتی ہونگی،

(۵) تاج الملوک کو ایک طلسمی عصا و کلاہ ہاتھ لگ جاتے ہین، جنہین اسے ہر قسم کے گزند سے محفوظ رکھنے کی قوت ہے، وہ ایک خوش منظر چشمہ کے کنارہ انہین علٰحدہ رکھکر غوطہ لگاتا ہے، لیکن جب سر نکالتا ہے تو اپنے تئین عورت پاتا ہے، ایک زمانہ عجیب قسم کے مصائب مین گذرتا ہے، اسکے بعد پھر ایک حوض مین غوطہ لگاتا ہے، اور ابکی جو سر نکالتا ہے تو پھر اپنے تئین صورت اصلی مین پاتا ہے، اب دیکھو کہ ان شعبدہ بازیون کے پس پردہ مصنف کس طرح جمال حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہے،

"اے یاران دہر، حق تعالےٰ نے بنی آدم کے سر پر کرامت کی ٹوپی پہنا کر اور عصمت کا

---

[5] "بادشاہ" سے ظاہر ہے کہ یہان بادشاہ حقیقی مراد ہے،

عصا ہاتھ مین دیکر طلسم گاہ دنیا مین کہ مزرع آخرت ہے، عاقبت کی تکمیل کے لئے
بھیجا ہے، پس انسان کو چاہیئے کہ گل و خار اور آب و سراب خوب پہچانے، ہر ایک
باغ کے پھول کو نہ سونگھے، ہر ایک نہر سے گھڑا نہ بھرے، کہ یہان کانٹے گل سے رنگین اکثر
ہین، اور شراب بصورت آب اِدہر اُدہر ہے،

اے عزیز، اگر گوہر دنیا کے لینے کو چشمۂ جہان مین غوطہ ماریگا، مقرر اپنا کلاہ اور
عصا کھو دیگا۔ یہ حکم اس بات پر ہے کہ طالب دنیا مونث ہین، اور طالب مولیٰ مرد ہین،
تیرا پیکر معانی جو مانند مرد کامل ہے، بصورت زنان ناقص العقل ہو جائیگا، پس اسوقت
شکیبائی کے سوا کچھ چارہ نہین ہے، چاہیئے کہ دم بخود ہو کر پھر دریاے ذکر الٰہی مین غوطہ
مارے، اسکے بعد جو سر اُٹھائیگا، وہی عصا ہاتھ مین اور وہی ٹوپی سر پر دیکھیگا۔" (صفحہ ۵۵)

کیا جو کتاب اس قسم کی تعلیمات سے لبریز ہو، وہ اسی بے وقعتی و تحقیر کی مستحق ہے جو اُسکے
ساتھ برتی جا رہی ہے؟

(۶) تاج الملوک بکاولی کی خالہ زاد بہن کو قید شدید سے نجات دلاتا ہے، جس سے اسکی
مان (بکاولی کی خالہ) قدرتاً اُسکی نہایت ممنون ہو جاتی ہے، اور وہ اپنی بہن جمیلہ خاتون
(والدۂ بکاولی) سے سفارش کرتی ہے کہ بکاولی کو تاج الملوک کے عقد مین دیدیا جائے،
جمیلہ خاتون کہتی ہے کہ انسان اور پری کا کیا جوڑ؟ اسکے جواب مین اسکی بہن شرف جنس
انسانی پر ایک خطبہ دیتی ہے:

"تو سچ کہتی ہے، لطیف کو ہم صحبت کثیف کرنا البتہ دانائی سے بعید ہے، لیکن تو
حضرت انسان کے کمالون سے اگر واقف ہوتی تو ایسے ایسے خیال فاسد دل مین ہرگز
نہ لاتی، سن اے نادان، بشر خلیفہ یزدان ہے، اور اُسکی صنعت بے پایان مین اشرف

وافضل ہے، اُسکے رتبون اور درجون کی انتہا نہین، وہ ایک نہنگ ہے دریا کا بہنے والا
اور ایک قطرہ ہے حقیقت مین دریا، جامع ہے کمالات علم کونی و الٰہی کا یعنی مادیت اور
مجردات کا، اور مجمع ہے مراتب بندگی اور بادشاہی کا، سہ

انسان کی ذات برزخ جامع ہے بیگمان ظل خدا و صورت خلق اسمین ہے عیان

جان، کہ صوفیہ ہر ایک کو عالم ارواح کے نوعون مین سے باری تعالیٰ کے ایک ایک
اسم اور صفت کا مظہر خاص جانتے ہین، اور اس عالم صورت کو کہ حواس ظاہری اور
باطنی سے نسبت رکھتا ہے، اس عالم کا سایہ، پس ہر ایک ذرہ فرد کائنات سے
روشن ایک تجلی ابدی، اور سیراب ایک قطرۂ سرمدی سے ہے، سہ

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست از معرفت کردگار

اس عالم مین انسان کہ سارے افراد کون و فساد اُسکے لازمی ہین، خدا کے سارے اسمون
اور صفتون کا مصدر رہے، اور اُسکی تجلیات خاص کا مقام کلام فضیلت انسان مین
دریائے بے پایان ہے، اسقدر پر اکتفا کیا" (صفحہ ۶۳)

اس عبارت کو اگر شروح مثنوی مولانا روم، یا پھر حدیقۂ سنائی یا تحفۃ الاحرار جامی
مین سے کسی کی جانب منسوب کر دیا جائے تو شاید کسی کو وجہ انکار نہ پیدا ہوسکے؟

(۷) سنگلدیپ کے راجہ کی لڑکی تاج الملوک کے حسن پر عاشق ہوتی ہے، راجہ چاہتا ہی کہ
اسے اسکے عقد مین دیدے، لیکن خود تاج الملوک جسکی آنکھون مین بکاؤلی کی تصویر پھر رہی ہے
اُسے کسی طرح قبول نہین کرتا، راجہ برافروختہ ہوتا ہے، وزیر کسی حکمت سے تاج الملوک کو
گرفتار کر کے قید مین ڈالتا ہے، لیکن یہ اسیری اسکی آیندہ مسرتون کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہی
مشرقی افسانہ نویس اس موقع پر ایک صوفی منش حکیم اخلاق کا لب و لہجہ اختیار کر لیتا ہے

کہتا ہے :-

" سچ ہے کہ جو کوئی حکمت حکیم مطلق کی گوناگون تامل کی نظر سے دیکھے تو کسی چیز کو خالی شر سے نپاوے، اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے، اے عزیز، حق تعالٰے نے عالم ارواح کو بدن سے رخصت دی ہے، پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت مین روح سے ہی، غرضکہ جو فساد اس عالم کون و فساد مین ہو تو اسکی طرف سے جان لیکن شر نہ سمجھ کہ در پردہ وہ خیر ہی کیونکہ وہان شر کی گنجائش نہین" (صفحہ ۷۶)

الٰہیات کی کتابون مین کیا مسئلہ خیر و شر کی اس سے کچھ زاید توضیح مل سکتی ہے ؟

(۸) راجہ کی لڑکی چترا وت اپنے حسن و جمال کی انتہائی تزئین و آرائش کے ساتھ تاج الملوک کے سامنے آتی ہے، لیکن یہ سارے حربے بے اثر رہتے ہین، تاہم چترا وت کا عشق نمائشی نہین، اُسکی محبت بالکل خالص و بے آمیز ہے، وہ کبتک بے اثر رہتی، بالآخر اسکے جذب صادق کا اثر ہوا، اور تاج الملوک با این گریز و احتیاط خود بھی متاثر ہو گیا، کوئی دوسرا افسانہ نویس ہوتا تو اس واقعہ کا ذکر کرکے بلا تامل آگے بڑھجاتا، لیکن ہمارا مصنف اس مقام پر پہنچکر مصنف گلستان بنجاتا ہے، اور سعدی کے لب و لہجہ مین کہتا ہے،

" سُن اے عزیز، رسول مقبول صلعم نے عبادت کو بادشاہ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا عجز سے کہا کہ عبادت تیری جیسی چاہیے، مین نے نہین کی، پھر کسکا منھ ہے کہ اپنی عبادت پہ نازان ہو، بہتر یہی ہے کہ آپکو اسکی محبت کی گھریا مین بیانتک پگھلائے کہ اکسیر کے مانند خاک ہو جائے تا شاہان اکسیر پسند کی آنکھون مین سونے سے زیادہ نظر آئے" (صفحہ ۷۷)

اس واعظانہ و حقیقت سنجانہ انداز بیان پر مغربی افسانہ نویسی اپنے اصول کے لحاظ سے جسقدر بھی حیرت کرے بجا ہو گی،

(۹) تاج الملوک کو چتراوت کے ساتھ نکاح کئے ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے، دونون کا ہر وقت ساتھ رہتا ہے، چتراوت اپنی نوعمری کے ساتھ حسن وجمال مین یکتا ہے، اور تاج الملوک کو اپنے اوپر فریفتہ کرنے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھتی، پھر بھی اسے چتراوت کی طرف مطلق التفات نہین ہوتا، اسلئے کہ اسکی آنکھون مین بکاؤلی بسی ہوئی ہے، مصنف اس واقعہ سے بھی ایک درس معرفت پیدا کرتا ہے،

"اے عزیز، تیرے دل کی آنکھین جب تک اغیار کے حسن کو دیکھنے والی ہین، تجھے یار کی صورت نظر نہین آتی، ہرچند بے پردہ ہو، پہلے خار رغبت اغیار کو دل کی سرزمین سے اکھاڑ کر پھینکدے، پھر گل رخسار یار کو آئینہ دل مین دیکھ لے، اگر تو اپنے گلشن وجود کو بہ نظر تامل دیکھے تو ان مین رنگ وبو کے سوا کچھ نپاوے،" (صفحہ ۸۰)

اگر ان پیہم تصریحات کے بعد بھی قصہ بکاؤلی کا شمار ادنیٰ و مبتذل کتابون مین ہے تو معلوم نہین اعلیٰ مضامین کے لئے کیا معیار رکھنا پڑیگا؟

(۱۰) تصوف والہیات سے قطع نظر کرکے کتاب مین جا بجا عشق مجازی کے واردات و کیفیات نفسی سے متعلق بھی نکات موجود ہین، تاج الملوک کا نوجوان وزیر بہرام، بکاولی کی خالہ زاد بہن روح افزا پر عاشق ہوتا ہے، لیکن خود روح افزا بھی برابر اسکی یاد مین گھلتی رہتی تھی اور بظاہر احوال صورت وصل ناممکن معلوم ہوتی تھی، مصنف اس موقع کو ہاتھ سے نہین جانے دیتا، بلکہ اپنے ناظرین کو اس حقیقت سے روشناس کرتا ہے، کہ

"سچ ہے، جو کوئی دیدۂ غور سے ملاحظہ کرے تو عشق کی بیتابی معشوق مین زیادہ دیکھے یہ وہ گروہ ہے کہ کسی کے گلے مین کمند عشق ڈال کر دور سے اپنے حضور مین کھینچ لے اور کسی کو فلاخن ہجر سے دور پھینکدے،" (صفحہ ۸۲)

اس قسم کے جملہ معترضہ کی مثالین بیشک مغربی لٹریچر مین بھی بکثرت ملتی ہین،

(۱۱) کہین کہین مصنف نے فلسفۂ عشق کے نکات کو اپنی زبان سے نہین بلکہ اشخاص افسانہ (کیریکٹرز) کی زبان سے ظاہر کیا ہے، مثلاً ایک مقام پر قصہ یہ ہے کہ بہرام، شہزادی روح افزا کا عاشق اُسکی مشاطہ بنفشہ کی مدد سے شہزادی کے کمرہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اپنے دردِ دل کے ترجمان بعض اشعار آئینہ کی پشت پر لکھ جاتا ہے، دوسرے روز صبح کو جب شہزادی کی نظر اس آئینہ پر پڑتی ہے تو اسکے دل مین شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ کہین یہ حرکت بہرام کی تو نہین، لیکن اس شبہہ کو ظاہر بھی نہین کر سکتی، آخر اس نے مشاطہ سے مخاطب ہو کر کہا،۔

"اے بنفشہ، جو چیز ہمیشہ ہے وہ کیا ہے، اور جو شے مدام غم کے ساتھ ہے کون شی ہو؟

اس (بنفشہ) نے ہر چند غور کیا، لیکن جواب معقول نہ سوجھا عرض کی کہ اسکا جواب لونڈی کل دیگی، اسوقت معاف کیجئے، یہ کہکر گھر آئی، مگر اس پہیلی کے بوجھنے مین نہایت متفکر تھی، اُسکی گھبرائی صورت بہرام نے دیکھکر پوچھا کہ بوا آج اتنی بیحواس کیون ہو، تب بنفشہ نے سوال روح افزا کا اُسکے سامنے بیان کیا، اور کہا مجھکو اسکے سوا کچھ جواب نہین سوجھتا کہ "اس حکیم مطلق کا نیرنگ دوام ہے، اور شادی غم سے وابستہ مدام ہے" بہرام نے یہ سن کر کہا "اس سوال کا یہ جواب ہرگز نہین، بلکہ یہ ہے کہ جس عاشق کے منھ پر معشوق کے ہاتھ کے طمانچے لگے ہین وہ ہمیشہ سرخرو ہے، اور مدام ناخوشی سے تلخکام وہ ہے کہ جسکا مطلوب محجوب ہے، اور وہ ہر ایک کو اپنا محبوب سمجھتا ہے"۔ (صفحہ ۸۶)

(۱۲) بہرام زنانہ لباس پہنکر روح افزا تک تخلیہ مین پہنچتا ہے، بجز اس صورت کے رسائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی، اور یہی تدبیر بالآخر کامیابی و شادمانی کا مقدمہ ثابت ہوئی، نکتہ سنج مصنف اس بات سے بھی ایک بات پیدا کرتا ہے:۔

"فی الواقع جو عاشق کہ معشوق کا رنگ پکڑتا ہے، معشوق خود اسکا عاشق ہوجاتا ہی چنانچہ پیغمبر خدا صلعم نے بھی اس وضع کا کلام فرمایا ہے، حاصل اسکا یہ ہے کہ خصایل خدا کی پیروی کرو، تا قربت اس سے حاصل ہو" (صفحہ ۸۷)

(۱۳) روح افزا بہرام کو پہچان کے ڈانٹنا شروع کرتی ہے، کہ غیر محرم مرد ہوکر اس نے اُسکی خلوت سرا مین قدم رکھنے کی کیونکر جرارت کی، اور چاہتی ہے کہ اس گستاخی کی اسکو پوری سزا دے، بہرام عقوبت شاہی کے خوف سے بیہوش ہوجاتا ہے، روح افزا اسے قریب الموت خیال کرکے اپنے رُخ گلفام کی خوشبو سونگھا کر اسے ہوش مین لاتی ہے، بہرام جب غش سے آنکھین کہولتا ہے تو اپنے تیئن "جنت نگاہ" و "فردوس گوش" کے عالم مین پاتا ہے، مصنف اس واقعہ سے بھی ایک مختصر درس معرفت پیدا ہی کرلیتا ہے:-

"اے عزیز، اگر اپنے نور عقل کو حکمتون سے زیادہ نہ چمکائیگا، تو تجلی یار سے فائدہ نپائیگا اگر تو یہ ہستی موہوم نہ چھوڑے تو حیات ابدی کب تیرے پاس آئے، جو راہ عشق مین آپ سے نہ گذرا، وہ منزل مقصود مین کب پہنچا" (صفحہ ۸۷)

(۱۴) روح افزا اپنی رسوائی کے خوف سے طلسمی قوت سے مدد لیکر بہرام کو دن بھر قمری کی شکل مین تبدیل رکھتی ہے، اُسکے گلے مین ایک طلسمی لوح ڈالے رکھتی ہے، اور پنجرے کو ہر وقت پیش نظر رکھتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ یہ چرچے سارے پرستان مین ہونے لگتے ہین کہ شب کو ایک آدم زاد کی آمد و رفت روح افزا کے خلوت سرا مین رہتی ہے، عتاب سلطانی نازل ہوتا ہے، اور ہزارہا جاسوس تلاش مین مصروف ہوجاتے ہین جو زمین و آسمان کا گوشہ گوشہ تک چھان ڈالتے ہین لیکن اس پنجرے پر کسی کی نظر نہین پڑتی، اس "مجاز" سے دیکھو، مصنف "حقیقت" کی طرف کیسا موثر عطف توجہ کرتا ہے:-

"اے عزیز، تو عرش پر کسی کے ڈہونڈہنے کا ارادہ رکہتا ہے جو تیرے خانۂ دل مین ہے
اسکی تو تجھے خبر نہین، واہ وا، دور کا دہیان، اور نزدیک آپ سے انجان،

کون ہی گھر مین جب اتنی بھی نہین تجھکو خبر   پھر تو یہ کیا جانے کیا ہی اوج بام چرخ پر

(صفحہ ۷۷)

(۱۵) خاتمہ کے قریب، اسی قمری کی اصلیت کہلنے کے ضمن مین مصنف اپنی تمام مجازطرازیون سے بھی پردہ اٹھا دیتا ہے، اور ارباب بصیرت کو صاف صاف دکہا دیتا ہے کہ طلسم سے مراد طلسم حیات، طایر سے طایر روح، اور قفس سے قفس وجود ہی، وقس علی ہذا، کہتا ہے:-

"اسکی کنہ سمجھ لے اے نادان، بہ سبب علاقہ، روح سبزہ زار دنیا کی سیر کو آتی ہے، جب تک یہ مربع طلسم عناصر اسکے گلے مین پڑا ہے، اور قفس وجود مین طوق بندگی اسکا گلوگیر ہے، چشم ظاہر بین مشت خاک کے سوا کچھ نہین دیکہتی، جس دن یہ طلسم ٹوٹ گیا، کیفیت اسکی کہل جائیگی کہ وہ کون ہے، اور یہ نیرنگ کیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ جب لوگ آئینگے، اس حال سے آگاہ ہونگے، وجود مطلق ایک دریا ہی اور ہر موجود مثل حباب ہے، جب حباب سے ہوا نکل گئی، دریا کے سوا کچھ نہین، پس تامل سے دیکہہ کہ اصل ہستی دریا کی ہے، لیکن فرق مرتبہ کا البتہ ہے، حباب کو کوئی دریا نہ کہیگا اور دریا کو حباب اور کعبہ کو قبلہ کہتے ہین، اور بتخانہ کو کنشت، جہنم کو دوزخ اور جنت کو بہشت،

ہر مرتبہ مین اور ہی حکم وجود ہے   زندیق ہی جو حفظ مراتب کرے نہ کو

واقعی مسئلہ وحدت وجود کا مشکل ترین مسایل ہے، اور بہتیرے اس بحر عمیق مین گر کے مذہب جبری کے بھنور مین جا پڑے، اور اکثر مسلک دہری کے گرداب مین ڈوبے ہادی یہان فضل الہی اور کرم رسالت پناہی کے سوا کوئی نہین" (صفحہ ۸۹)

قصۂ گل بکاولی کا اخلاقی حیثیت سے مشرقی لٹریچر مین کوئی درجہ نہین، اور اگرچہ

تو وہی جو انگریزی لٹریچر مین رینالڈز کے ناولون کا ہے، بااین ہمہ اسکا ایک ایک ورق رینالڈز کے ہنین بلکہ شکسپیر، و ٹسلا کے دفتر تصانیف پر بھاری ہے، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ رومی و غزالی، سعدی و حافظ کے مقابلہ مین لانے کے لئے مغرب کو اپنے کسی فرزند کے نام تلاش کرنے مین کیسی سخت وقت پڑیگی، ایسی حالت مین اگر یورپ مین ڈارون پیدا ہون اور ایشیا مین منصور، تو حیرت نہ کرنا چاہیئے، اُدہر قوت اجتہاد و اکتشاف کا منتہاے کمال یہ ہے کہ "انسان فی الاصل بندر ہے" اور ادہر انتہاے ازخودرفتگی و بدمستی مین بھی یہ صدا نکلتی ہے کہ "انسان فی الاصل خدا ہے"

حقیقت علم

(نمبر۲)

ان دونون کیفیتون کی حقیقت پر بحث کرتے وقت سب سے پہلے ہمین یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حس و تصور مین جو سب سے اہم فرق ہے وہ یہ ہے کہ حس کا شمار ان کیفیات نفسیہ مین ہے جن کا وجود اسوقت ہوتا ہے جب کسی خارجی مہیج سے ہمارا حاسہ متاثر ہوتا ہے بخلاف تصور کے کہ اسکی پیدائش کے لیے کسی خارجی مہیج کے تہیج و تاثیر کی حاجت نہین ہوتی اسی سبب سے ہمنے شروع مضمون مین یہ بات بتادی تھی کہ حسیات و ادراکات کو الگ الگ نوع شمار کرنا چاہیے حسیات کی پیدائش مہیج خارجی سے ہوتی ہے اور تصور کی پیدائش کو الف نفسانی کی اندرونی ترتیب سے

لیکن اس فرق کے علاوہ حس و تصور مین بڑا فرق جو ہے وہ یہ ہے کہ حس کے ذریعہ سے جو ادراک نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ اسقدر قوی اور اسقدر واضح ہوتا ہے کہ نفس کو اوسکا ادراک کرنے مین نہ کسی واسطہ کی حاجت ہوتی ہے اور نہ نفس کو اوسمین کچھ دشواری پیش آتی ہے، بخلاف تصورات کے کہ انکے ذریعہ سے نفس کو جو ادراک حاصل ہوتا ہے وہ محسوسات کی طرح قوی اور واضح نہین ہوتا، یہ بہت صاف بات ہے کہ جب ہم آگ کو چھو کر جلن محسوس کرتے ہین تو یہ جلن کا احساس اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہم بیتاب ہوکر فوراً اپنا ہاتھ آگ پر سے اٹھا لیتے ہین بخلاف اسکے اگر ہم اس جلن کا تصور کرین تو اس تصور سے گو ہکو اس جلن کا ادراک تو ہوجاتا ہے مگر نہ تو اس جلن سے ہمارے کسی جسمانی عضو یا خود نفس کو کوئی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور نہ ہم اس تصور کے ذریعہ سے اس تکلیف کا پورا اندازہ کرسکتے ہین جو آگ کو چھوتے وقت ہکو ہوئی تھی اسی طرح مثلاً اگر ہم غصہ کرین اور پھر حالت سکون مین غصہ کی اس کیفیت کا تصور

کرین تو ان دونون حالتون مین ہمکو باعتبار شدت وضعف بڑا محسوس فرق ہوتا ہے گو یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے تصور مین اپنے حس کی پوری پوری نقل اتار لین لیکن باوجود سخت کوشش کے یہ ناممکن ہے کہ اصل کو نقل سے شدت وضعف مین کوئی معمولی مناسبت پیدا ہو، ہان البتہ اگر نظام دماغی مین کسی خاص سبب سے اختلال پیدا ہو گیا ہے تو اسوقت یہ بیشک ممکن ہے کہ انسان اپنے تصور سے بھی اسی شدت کے ساتھ اثر پذیر ہو جس شدت سے کہ وہ اپنے حس سے اثر پذیر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگون کے نظام دماغی مین اختلال پیدا ہو جاتا ہے وہ اکثر ایک معمولی تصور سے بھی ہیجان مین آجاتے ہین بلکہ بعض اوقات یہ ہیجان شدت وقوت مین اس ہیجان سے بڑہا ہوا ہوتا ہے جو اصلی واقعہ سے انکی طبیعت مین پیدا ہوا تھا۔

ان دو فرقون کے علاوہ حس وتصور مین ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ حس حاسہ کے سامنے سے شئی خارجی کے ہٹتے ہی معدوم ہو جاتا ہے مگر تصور اسکے خلاف مدتون باقی رہتا ہے بلکہ بعض اوقات تصور کی شدت اثر مین اسکی مدت قیام سے نمایان فرق پیدا ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ تصورات جو دیر پا ہوتے ہین اپنی مدت قیام کی وجہ سے زیادہ شدید الاثر ہو جاتے ہین یہی وجہ ہے کہ زیادہ دیر تک باقی رہنے والے تصورات سے انسان کی جسمانی اور دماغی تندرستی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔

غرض حس وتصور کے باہمی فرق حسب ذیل نوعیت کے ہوتے ہین جنکو ہم دفعات ذیل مین ترتیب دیسکتے ہین۔

(۱) اختلاف نوعیت۔ یعنی یہ کہ حس ایک خاص نوع کے ادراک کا نام ہے اور تصور ایک دوسری نوع کا ادراک ہے جو حس سے مختلف ہے۔

کہتا ہے :-

"سچ ہے کہ جو کوئی حکمت حکیم مطلق کی گوناگون تامل کی نظر سے دیکھے تو کسی چیز کو خالی شر سے نپاوے، اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے، اے عزیز، حق تعالے نے عالم ارواح کو بدن سے رخصت دی ہے، پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت مین روح سے ہی، غرضکہ جو فساد اس عالم کون وفساد مین ہو تو اسکی طرف سے جان لیکن شر نہ سمجھ کہ درپردہ وہ خیر ہی کیونکہ وہان شر کی گنجائش نہین" (صفحہ ۷۶)

الٰہیات کی کتابون مین کیا مسئلۂ خیر وشر کی اس سے کچھ زاید توضیح مل سکتی ہے ؟

(۸) راجہ کی لڑکی چترادت اپنے حسن وجمال کی انتہائی تزئین وآرائش کے ساتھ تاج الملوک کے سامنے آتی ہے، لیکن یہ سارے حربے بے اثر رہتے ہین، تاہم چترادت کا عشق نمائشی نہین، اُسکی محبت بالکل خالص وبے آمیز ہے، وہ کبتک بے اثر رہتی، بالآخر اسکے جذب صادق کا اثر ہوا، اور تاج الملوک یا ابن گریز داحتیاطاً خود بھی متاثر ہو گیا، کوئی دوسرا افسانہ نویس ہوتا تو اس واقعہ کا ذکر کرکے بلا تامل آگے بڑھ جاتا، لیکن ہمارا مصنف اس مقام پر پہنچکر مصنف گلستان بنجاتا ہے، اور سعدی کے لب ولہجہ مین کہتا ہے،

"سُن اے عزیز، رسول مقبول صلعم نے عبادت کو بادشاہ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا عجز سے کہا کہ عبادت تیری جیسی چاہیئے، مین نے نہین کی، پھر کسکا منھ ہے کہ اپنی عبادت پہ نازان ہو، بہتر یہی ہے کہ آپکو اسکی محبت کی گھریا مین بیا نتک پگھلائے کہ اکسیر کے مانند خاک ہو جائے تا شاہان اکسیر پسند کی آنکھون مین سونے سے زیادہ نظر آئے" (صفحہ ۷۷)

اس واعظانہ وحقیقت سنجانہ انداز بیان پر مغربی افسانہ نویسی اپنے اصول کے لحاظ سے جسقدر بھی حیرت کرے بجا ہو گی،

لیکن اس لاتناہی کے علاوہ تصورات مین یہ بھی ایک عجیب صفت پائی جاتی ہو
کہ انکی قوت بے پناہ اور زبردست ہوا کرتی ہے یعنی تصور ایک ایسی طاقت ہو جو عجیب سے
عجیب اور تناقض سے تناقض اشیار کو پیدا کرسکتی ہے، وہ ہمکو ایک دم زمین سے آسمان
پر چڑھا لیجا سکتی ہے، دم کے دم مین ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے لامکان اور عالم ملکوت
کی سیر کرسکتے ہین۔ تحت الثری کی بے پایان پستی اور فضا کی لاتناہی بلندی تصور کے
آگے ہیچ ہین، صرف اسیقدر نہین بلکہ ہم تصور کے ذریعہ سے عالم کے اوس حصہ تک بھی پہونچسکتے
ہین جہان قانون قدرت کا بھی گذر نہین ہوسکتا اور جہان کارخانۂ قدرت تتر بتر نظر آتا ہے
پھر اسکے علاوہ ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے خود اس عالم مین بھی عجیب عجیب تصرفات کرسکتے
ہین تصور کے تصرف کی ایک سادہ مثال جس سے شاید کسی کو انکار نہ ہو یہ ہے کہ ہم اپنے
تصور کے ذریعہ سے اپنی جسمانی بیماریون کو بعض اوقات دفع کرسکتے اور بعض اوقات
اپنے تئین بیمار ڈال سکتے ہین تصور کا تصرف ہماری جسمانی حالت پر اکثر ہوا کرتا ہے
رعب وخوف اور دیگر کیفیات نفسیہ کی پیدائش کے وقت ہمارے جسم مین جو بعض تغیرات
پیدا ہوجاتے ہین اونکی توجیہ تصور کے تصرف کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے؟
غرض ہماری ذہنی دنیا بلکہ ہماری حیات کا ایک ایک لمحہ تصور کے تصرفات کی شہادت دیتا ہے
یہانتک کہ ہماری مسرت اور ہماری الم مین بھی ہمارے تصور کو بڑی مداخلت ہوتی ہے مناظر
کائنات اور عالم کی بوقلمونی انسان کے تصور پر اپنا اثر کرتی ہے اور اس اثر کی وجہ سے
ہمارے تصور مین بھی بوقلمونی پیدا ہوجاتی ہے ابھی ہم رنجیدہ تھے کہ ہمارے سامنے ایک
ایسا واقعہ گذرا جسپر ہم کھلکھلا کر ہنس پڑے اسطرح کے واقعات ہماری زندگی مین اکثر پیش
آتے ہین لیکن یہ صرف اس واقعہ کا ایک پہلو ہے، حقیقت یہ ہے کہ جسطرح واقعات عالم

ہمارے تصور پر اثر کرتے ہین اسیطرح دوسرا جوابی اثر ہمارے تصور کا بھی واقعات عالم پر
ہوتا ہے یہ ہمارے تصور ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ ہم جس رنگ مین واقعات کو دیکھتے ہین
ان واقعات سے اسی قسم کا اثر ہمارے نفس پر مترتب ہوتا ہے مسرت والم دراصل نفسانی
کیفیتین ہین عالم کی کوئی چیز نہ اپنے اندر سامان مسرت پنہان رکھتی ہے اور نہ سامان الم یہ
صرف ہمارا تصور ہی ہے جو عالم کی اشیار کو ان دو مختلف رنگون مین ہمارے سامنے پیش کیا
کرتا ہے ہم جس چیز سے جو اثر حاصل کرینگے اسی اثر کے رنگ مین ہمکو وہ چیز رنگی ہوئی نظر
آئیگی پس عالم کی بوقلمونی اور کائنات کے متنوع حالات کے اندر زندگی بسر کرتے ہوے
انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے تصور پر قابو رکھے اور اپنے تصور کو مطلق العنان نہ چھوڑے
انسان اپنی سعادت اپنے باہر ناحق ڈھونڈھتا ہے حالانکہ اسکی سعادت خود اس کے اندر
موجود ہے انسان اپنی راحت اور عیش کے سامان دنیا کی چیزون مین ناحق تلاش کرتا ہے
حالانکہ تمام حظوظ و آلام اور تمام نیکیون اور برائیون کا سرچشمہ خود انسان کا تصور ہے
غرض تصور ایک عجیب طاقت ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہے دنیا کی تمام چیزین
اس طاقت کے ذریعہ سے انسان کے قبضہ مین آجاتی ہین اور انسان کی زندگی کا ہر لمحہ
تصور کی ہمہ گیری اور اسکی عالمگیر وسعت و قوت کی شہادت دیتا ہے انسان کے ان
روزمرہ حالات کے علاوہ انسان کی دماغی ترقی مین بھی تصور کا بڑا اثر ہوتا ہے تم ایک
ایسے عالم کا اپنے ذہن مین تصور کرو جو ارضی و سماوی اشیار کے حالات و خواص کا علم
رکھتا ہے اور اپنے اس علم سے خلق اللہ کو نفع پہونچاتا ہے پھر اسکے مقابل تم افریقہ کے
اس وحشی کو دیکھو جسکا ذہن اپنے آس پاس کی چیزون سے آگے نہین بڑھ سکا ہے ان
دونون مین تمکو نمایان فرق نظر آئیگا پھر اسکے علاوہ اگر تصور کی طاقت انسان کے قبضہ

مین نہوتی تو غالباً انسان تہذیب و تمدن مین اتنی عظیم الشان ترقی کبھی نہ حاصل کرسکتا جو
آج اسنے حاصل کرلی ہے دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہین جسمین تخیل کی حاجت نہ پڑتی ہو
شاعری، لٹریچر، فنون لطیفہ، تاریخ، فسانہ نگاری، مذہبی ترغیب و ترہیب، منطق، فلسفہ،
سائنس، کیمسٹری، علم النباتات، علم طب، غرض دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہین جو تصور و
تخیل سے بے نیاز ہو عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ سائنس و فلسفہ یعنی علوم ذہنیہ تخیل سے بے نیاز
ہین اور تخیل کی حاجت صرف شاعری اور فسانہ نگاری مین ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے
کہ اگر ارسطو قوت تخیل سے کام نہ لیتا تو وہ منطق کے اصول کبھی مرتب نہین کرسکتا تھا
سر اسحٰق نیوٹن کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز وہ اپنے باغ مین سیر کررہا تھا اوس نے
دیکھا کہ ایک پھل ایک درخت سے ٹوٹ کر زمین پر آرہا بظاہر کچھ یہ واقعہ عجیب نہ تھا لیکن
فوراً اسکے ذہن مین یہ واقعہ دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ تمام چیزین زمین
کی جانب مائل ہوتی ہین ایک ڈھیلے کو اگر تم اچھالو تو وہ اوپر جانے کے بجاے زمین پر
آرہے گا یہ خیال آتے ہی اسنے فوراً جذب و کشش کے مسئلہ کی تحقیقات شروع کردی دراصل
یہ تخیل کا اثر تھا جسکے باعث اسکے ذہن کو ایک معمولی جزئی واقعہ کے دیکھنے سے اس حیرت انگیز
مسئلہ کی جانب تبادر ہوا جسنے طبعیات مین انقلاب پیدا کردیا حاصل یہ کہ تصور کی قوت
انسان کی نفسانی اور جسمانی زندگی مین حیرت انگیز اثر کرتی ہے اور یہی قوت ہے جو درحقیقت
استدلال، نظر و فکر، استقرا، اور تجربہ کی بنا ہے۔ اور اس قوت سے انسان کبھی بے نیا
نہین ہوسکتا۔

لیکن اس ساری تقریر کا تعلق صرف اس حقیقت کے اثباتی پہلو کے ساتھ ہے اور
تاوقتیکہ ہم اس حقیقت کے منفیانہ پہلو پر بھی نظر نہ ڈال لین اسوقت تک تصور کی وسعت کے

بارے مین ہمارا فیصلہ نامکمل رہیگا حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی شی غیر متناہی نہین ہوسکتی اور کارخانہ قدرت مین لاتناہی کی کوئی مثال نظر نہین آتی اور اس بنا پر باوجود تصور کی اتنی زبردست قوت کی یہ ضروری ہے کہ اسکی کوئی حد وانتہا بھی ہو اس مسئلہ کے منفیانہ پہلو سے اسی حد وانتہا کا پتہ لگتا ہے اور اس لیے ہمین اس حقیقت کے دونون پہلوؤن پر نظر ڈالنا چاہیے تاکہ واقعہ کے دونون رخ ہماری نگاہ کے سامنے آجائین۔

حقیقت یہ ہے کہ گو ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے ان دیکھی چیزونکو دیکھتے اور ان گنت چیزونکو پیدا کرلیتے ہین لیکن تصور کی اتنی وسعت و ہمہ گیری کا خیال ہی مبالغہ سے خالی نہین ہے اگرچہ ایسی بہت سی چیزین ہین جنکو نہ ہمنے کبھی دیکھا اور نہ کبھی سنا ہے اور باوجود اسکے ہم برابر انکا تصور کرتے ہین ہم نے لنڈن گو خود نہین دیکھا مگر اپنے ذہن مین ان واقعات وحالات کی بنا پر جو ہمنے کتابون مین پڑھے اور دوسرون سے سنے ہین اسکا تصور کرسکتے ہین لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر زیادہ غور سے دیکھو تو نظر آئیگا کہ ہمارے تمام تصورات کی بنا ہمارے کسی نہ کسی حاسہ کی کسی نہ کسی شہادت پر ہوا کرتی ہے اور ایسی چیزین جو خود ہمارے یا ہمارے ہی ایسے کسی دوسرے ذی حس دماغ کے تجربۂ حسی مین نہین آتین ان کا ہم تصور بھی نہین کرسکتے ہین چھوٹے بچے یا ان لوگون کو دیکھو جنہین لذت جماع کا تجربۂ حسی کبھی نہین ہوا انکے ذہن مین کبھی اسکا ادنیٰ تصور بھی پیدا نہین ہوتا۔ یہ راقم حروف کا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ اسکے ذہن مین کبھی ان چیزون کا تصور نہین پیدا ہوتا جو اسکے تجربۂ حسی (جسمین سماعت بصارت اور تمام حواس کا تجربہ شامل ہے) کے تحت مین کبھی نہین آئین یہ نظریہ چونکہ معرکۃ الآرا ہے اسلیے اپنے باطن کی شہادت اور مطالعۂ ذہن سے قطع نظر کرکے ہم مندرجۂ ذیل دلائل بھی اپنے دعوی کے ثبوت مین پیش کرتے ہین۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ انسان کے ذہن مین کبھی

اوس چیز کا تصور نہین پیدا ہو سکتا جسکا تجربۂ حسی اوسکو کبھی نہین ہوا ہے اس دعوی پر ہمارے پاس پہلی دلیل یہ ہے کہ

(۱) انسان کے جتنے تصورات ہوتے ہین بسائط سے لیکر مرکب اور پیچیدہ تصورات تک ان سب کی تحلیل اگر کیجائے تو انکی انتہا حسیات پر ہوتی ہے اور ہمکو انکی تحلیل کرنے سے نظر آتا ہے کہ ان تصورات کی پیدائش کی باعث چند حسی کیفیات نفسیہ ہین جو پہلے ذہن مین پیدا ہو چکی ہین اس نفسانی اصول کی ایک سادہ مثال ہم نے کیفیت حس کے تفریعات کے ضمن مین یہ دی تہی کہ مثلاً ایک کلیہ یہ ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے ظاہر ہے کہ یہ علم انسان کو کسی حاسہ سے حاصل نہین ہوتا یہ علم نہ ہمنے قوت باصرہ سے حاصل کیا ہے اور نہ قوت سامعہ اور نہ کسی اور حاسہ سے اور اس بنا پر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ علم اپنی پیدائش مین حسیات ماسبق کا محتاج نہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس علم کی بنا بہی بسیط احساسات پر ہے اور اگر یہ احساسات ہمین نہ حاصل ہو چکے ہوتے تو یہ علم ہمکو کبھی نہین حاصل ہو سکتا تھا دیکھو ہمارا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ ہمنے کبھی شیرینی کو تلخی کے ساتھ، پستی کو بلندی کے ساتھ، خوشبو کو بدبو کے ساتھ، اور سیاہ رنگ کو سپید رنگ کے ساتھ، جمع ہوتے نہین دیکھا اور ہمارے تجربۂ حسی مین کبھی یہ بات نہین آئی کہ وہ دو متبائن کیفیتین جنکا ادراک ہمین مختلف حواس سے ہوتا ہے یکجا جمع ہوتی ہون اس بنا پر ہم نے ان مختلف حسیات اور تجربات کو ایک کلیہ کے تحت مین لاکر ان سب کیفیات کے لیے بحیثیت مجموعی یہ حکم ثابت کر دیا کہ اجتماع ضدین محال ہے۔ اسیطرح مثلاً اقلیدس کے جتنے علوم متعارفہ ہین وہ بھی تحلیل ہو کر حسیات ہی پر آکر ٹھہرتے ہین مثلاً یہ ایک علوم متعارفہ ہے کہ ہر کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے اس قضیہ کے متعلق بہی یہ خیال ہوتا ہے کہ اسکا ادراک کسی حاسہ سے نہین ہوتا حالانکہ واقعہ یہ ہے

کہ اس قضیہ مین کل کے لیے اعظمیت کا جو حکم ہمنے ثابت کیا ہے وہ درحقیقت کل کے تصور کا ایک جز ہے کل کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو جز سے بڑا ہو پس دراصل اعظمیت کل کی حقیقت سے خارج نہین ہے اور کل و جز کا تصور ہمکو اپنے تجربہ حسی کی بنا پر ہوا ہے وہ دو خطوط مستقیمہ جنمین سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو ہم اپنے سامنے کسی سطح پر کھینچ کر کل کی اعظمیت اور جز کی اصغریت کا تجربہ حسی ہر وقت کر سکتے ہین اور اس قسم کی چھوٹی بڑی چیزین جو ہمارے ذہن مین اس تصور کی پیدائش کی باعث ہوتی ہین انکا تجربہ حسی ہمین اکثر اپنی روزانہ زندگی مین ہوتا رہتا ہے۔

اسی طرح وہ تمام امور غائبہ جنکا تجربہ حسی بظاہر ہمکو اپنی روزانہ زندگی مین نہین ہوتا انپر بہی ہم محض اسیوجہ سے ایمان رکھتے ہین کہ ہمین انکا خود یا انکے نظیر کا تجربہ کسی نہ کسی رنگ مین اپنی روزانہ زندگی مین ہوتا رہتا ہے اور اگر ہمین انکا تجربہ نہ ہوا ہوتا تو کبھی انکا تصور ہمارے ذہن مین نہین پیدا ہو سکتا تہا ان تصورات کی بھی تحلیل جبوقت کی جاتی ہے تو انکی بھی انتہا تجربہ حسی پر ہوتی ہے خدا کی ذات وصفات پر ہم اسوجہ سے ایمان رکھتے ہین کہ ان صفات کو ہم خود اپنے اندر پاتے ہین اور اسی مثال اور نمونہ کو پیش نظر رکھکر ہم ایک ایسی ذات کا تصور کرتے ہین جو تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے مثلاً ہم کہتے ہین کہ خدا قدیر ہے یہ خیال ہمارے ذہن مین کیون پیدا ہوتا ہے محض اسلیے کہ ہم خود اپنے اندر قدرت کا مشاہدہ کرتے ہین اور اپنے تئین اس صفت سے متصف پاتے ہین اور قدرت کے اسی ناکمل نمونہ کو پیش نظر رکھکر ہم ایک ایسی ذات کا تصور کرتے ہین جسکی قدرت ہم سے ارفع اور بالاتر ہوتی ہے حاصل یہ کہ ہم مثلاً خدا کے اوصاف پر محض اسلیے ایمان رکھتے ہین کہ ان صفات کے ادنیٰ ناکمل نمونے کا ہم خود اپنی ذات کے اندر

مشاہدہ کرتے ہین اور اس ناکمل نمونے کے مشاہدہ سے ہمارے ذہن مین مکمل اوصاف کا تصور پیدا ہوتا ہے لیکن اگر ہم ان اوصاف کا اپنی ذات کے اندر مشاہدہ نکرتے ہوتے تو ایک ایسی ان دیکھی ذات کا تصور جو تمام اوصاف کی جامع ہو ہمارے ذہن مین کبھی نہ پیدا ہوتا یہی تمام مثالین ہین جنسے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بسیط تصورات سے لیکر مرکب تصورات تک کبھی ہمارے ذہن مین اسوقت تک پیدا نہین ہوسکتے جبتک وجود خارجی مین کسی نہ کسی رنگ مین انکا تجربۂ حسی ہمکو نہ ہوا ہو لیکن ان مثالون کے علاوہ ادراکات کی بعض مثالین ایسی ہین جنکے متعلق بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکی تحلیل کرنیسے انکی انتہا حسیات پر نہین ہوتی اور جو بظاہر اس کلیہ سے مستثنیٰ نظر آتی ہین کہ تمام تصورات اپنی پیدائش مین اپنے احساسات ماسبق کے محتاج ہوتے ہین انہین مثالونکو دیکھکر بعض فلاسفہ یہ کہنے لگے ہین کہ بعض اشیا ایسی ہین جنکا ادراک ہمین اپنے حواس سے نہین ہوتا بلکہ یہ ادراکات ہمکو خدا کی طرف سے عطا ہوتے ہین اس قسم کے ادراکات کی تحدید فلاسفہ نے کلیت اور وجوب کے ادراکات مین کی ہے یعنی وہ یہ کہتے ہین کہ اپنی روزانہ زندگی مین ہمارے حاسہ کے سامنے سے کبھی وجوب اور کلیت کی مثالین نہین گذرتین اور اس بنا پر وجوب وکلیت کے ادراکات ان فلاسفہ کے نزدیک تجربۂ حسی سے بالا اور محض خدا کے عطا کردہ ہین۔ (باقی آیندہ)

سلطنت اسلام کا خراج

انتہائے عروج کے زمانہ مین

(از پروفیسر جمیل الرحمن ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

کسی سلطنت کے محصول اراضی (خراج) کے اعداد وشمار اگر معلوم ہوسکین توان سے دو باتین حاصل ہوتی ہین۔ اول تواس بات کا تقریبًا صحیح اندازہ لگ جاتا ہے کہ سلطنت کے ذرائع آمدنی کیا تھے اور دوسرے اس سے ملک کی زراعتی حالت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ان دونون باتون کے معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی خوشحالی یا مفلسی کا حال کھلجاتا ہے کسی قوم کے ذرائع آمدنی اوراسکے کارنامون کا دار ومدار تمامتر اسکی آزادی پر ہوتا ہے۔اگر ہم کو کسی ملک کے مختلف زمانے کے محاصل اراضی کے اعداد وشمار کا پتہ لگ سکے توہم نہایت آسانی سے آئی حکومت کی پالیسی کا اندازہ لگا سکتے ہین۔کہ آیا انکے حکمرانون نے ملک کی فلاح وبہبودی مین اتنا حصہ لیا جتنا کہ لینا چاہیے تھا یا نہین۔کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ باوجود اسکے کہ سلطنت بالکل برباد ہوچکی ہو۔شاہی دربار کے تزک واحتشام مین کوئی فرق نہین پڑتا۔اورچونکہ مورخ عام طور پر ملک کی خوشحالی یا افلاس کا اندازہ شاہی دربار سے کیا کرتے ہین۔اس لیے ہمیشہ غلطی ہوتی ہے۔اور اس بات کا صحیح اندازہ نہین لگ سکتا۔لوئی چہاردہم شاہ فرانس کے زمانے مین ایسی ہی غلطی ہوئی تھی،

ہمارے خیال مین یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ ہم خلافت عباسیہ کے خراج کی اہمیت کو ظاہر کرین۔انکی خلافت زمانۂ وسطیٰ اور زمانۂ جدید کے درمیان کا وقت ہے۔اور اسی وجہ سے انکے خراج سے ہم کو یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ ممالک جو آجکل بالکل ویران اور برباد

پڑے ہوئے ہین۔ ان کے زمانے مین کس درجہ شاداب اور سرسبز تھے۔ اور اگر کوشش کیجائے تو پھر ویسے ہی سرسبز اور شاداب ہوسکتے ہین،

عربون نے سلطنت قائم کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محاصل سلطنت کی طرف خاص توجہ کی اور اسکو تقریبًا علم ادب کا ایک حصہ بنادیا۔ دوسری صدی ہجری کے آخر یا تیسری صدی کے شروع ہی مین مختلف بڑے بڑے شہرون کے متعلق ایسی کتابین موجود تھین جو گائڈ کا کام دے سکین۔ ان مین ان شہرون کے اور عجائبات کے علاوہ ان کے محاصل اراضی۔ کارخانجات۔ پیداوار۔ جہازون کی آمد ورفت وغیرہ کا مکمل حال لکھا جاتا تھا اس قسم کی ایک کتاب (کتاب البصرۃ) عمر[۱] ابن شَبَّہ نے بصرہ کے متعلق لکھی تھی۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ ایسے گائڈ مکہ اور کوفہ کے متعلق بھی دستیاب ہوتے تھے۔ اور مشرق و مغرب مین عام طور پر لوگ انکو استعمال کرتے تھے۔

حضرت سرور کائنات کی وفات کے بعد جب عربون نے اپنے ریگستانون سے نکلکر بیرونی ممالک پر فوجکشی شروع کی تو وہ حملہ کرنے سے پہلے ہمیشہ اپنے دشمنون کے سامنے تین شرطین پیش کیا کرتے تھے۔ (۱) یہ کہ مسلمان ہوجائین۔ اس صورت مین انکے حقوق عربونکے برابر ہوجاتے تھے۔ اور ہر قسم کی تفریق اُٹھ جاتی تھی۔ (۲) یا جزیہ اور خراج دینا قبول کرین یعنی بغیر لڑے اطاعت قبول کرلین۔ اور اگر یہ بھی منظور نہو تو (۳) لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوجائین۔ تیسری حالت مین تمام مفتوحہ آبادی اور انکا مال و متاع مسلمانون کی غنیمت شمار ہوتا تھا۔ اور وہ انکے مالک ہوجاتے تھے۔ مگر عام طور پر ان مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا بُرا سلوک نہین کیا جاتا تھا جس کے کہ وہ مستحق تھے۔ ان کے مردون کو قتل نہ کیا جاتا تھا۔ اور

[۱] کتاب المسالک الممالک۔ لابی القاسم ابن حوقل۔ مطبوعہ لیڈن، صفحہ ۱۶۲ ۱۸۷۲ء

انکی عورتین اور بچے آزاد رہتے تھے، وہ مسلمانون کے ذمی بنجاتے تھے، بشرطیکہ وہ جزیہ اور خراج برابر ادا کرتے رہین۔ ان کی مقدار کا فیصلہ عام طور پر ہر ایک مفتوحہ علاقے کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہوا کرتا تھا۔ اور فیصلہ کے بعد اس مقدار مین کوئی تغیر و تبدل نہین ہوسکتا تھا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے مین جب سواد کا علاقہ فتح ہوا تو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اس کے خراج کا انتظام کیا جاے۔ چنانچہ جو انتظام حضرت عمرؓ نے اس علاقے کے خراج کا کیا وہی آیندہ دوسرے بادشاہون کے لیے نمونہ کا کام دیتا رہا۔ حضرت عمرؓ سے اصرار کیا گیا کہ سواد کے علاقے کو مسلمانون کی فاتح فوج مین اور مال غنیمت کی طرح تقسیم کر دین مگر انھون نے ایسا کرنیسے انکار کیا اور کہا کہ "اگر مین اس علاقے کو اسوقت تقسیم کر دون تو مسلمانون کی آیندہ نسلون کی حق تلفی ہوگی۔ اور تم لوگ فارغ البال ہوجانے کی وجہ سے جہاد مین حصہ نہ لوگے لیکن اگر مین یہ علاقہ ان ہی لوگونکے ہاتھ مین چھوڑ دون۔ تو ہماری سرحد دشمنون کے حملہ سے محفوظ رہیگی۔ اور ہمکو سامان حرب اور رسد برابر وصول ہوتی رہینگی، اسی بنا پر انھون نے تمام زمین کو اسکے پرانے مالکون کے ہاتھ مین چھوڑ دیا اور خراج کا انتظام کیا۔

تمام سواد کے علاقے کی مردم شماری کی گئی اور کل (۵۰۰۰۰۰)[۱] شخص جن مین بچے اور عورتین شامل نہ تھین ایسے نکلے جنپر جزیہ لگایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ دولتمندونپر بحساب (۴۸) درہم فی کس سالانہ۔ متوسط الحال لوگون پر (۲۴) درہم اور غربا پر (۱۲) درہم جزیہ لگایا گیا۔ سواد[۲] کی باقاعدہ پیمایش کی گئی۔ اسکا طول علث سے عبادان تک

---

[۱] ابن حوقل۔ صفحہ ۱۵۵۔ کتاب المسالک والممالک لابن خرداذبہ مصححہ ڈی غویہ۔ لیڈن ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۴

[۲] ابن خرداذبہ صفحہ ۱۴۔ ابن حوقل صفحہ ۱۵۶ (نوٹ)

(۱۲۵) فرسنگ اور عرض حُلوان سے عُذَیب تک (۸۰) فرسنگ تہا۔اس طرح اس علاقے کا رقبہ (۳۶۰۰۰۰۰) جریب تہا۔ہر جریب پر جس مین گندم کاشت ہو (۴) درہم خراج لگایا گیا جو پر فی جریب (۲) درہم، کہجور پر (۸) درہم، ایسے باغون پر جنکی زمین کاشت نہوتی ہو (۶) درہم فی جریب اور دیگر سبز میوے اور ترکاری پر (۶) درہم فی جریب خراج مقرر کیا گیا۔ گہاس پر اور ایسی چیزون پر جو جلد خراب ہو جائین خراج نہین لگایا جاتا تہا۔ دیگر اشیاء پر بہی اسی وقت خراج لگایا جاتا تہا جبکہ زمین کی پیداوار کم از کم (۱۸) سیر ہو۔ اگر زمین قابل کاشت نہو تو مالک زمین خراج ادا نہ کرتا تہا۔ اگر آب پاشی بذریعۂ انہار کی گئی ہو تو نصف خراج لیا جاتا تہا۔

یہ تھے مختصرًا وہ اصول جو حضرت عمرؓ نے سواد کے لیے مقرر کیے۔اور چونکہ آیندہ ان ہی اصولون پر عملدرآمد ہوتا رہا۔اس لیے انپر غور کرنے سے آئندہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکومت کو کسی قسم کا ٹیکس ادا نہ کرتے تھے۔بلکہ صرف زکوٰۃ اور مال کی درآمد اور برآمد پر محصول ادا کرتے تھے۔جو عام طور پر قیمت کا چالیسوان حصہ ہوتا تہا یہ مال مسلمان قیدیون کو آزادی دلانے۔غرباء کی مدد۔سڑکون کی مرمت۔اور ابناء السبیل کے زادراہ کے انتظام کرنے مین کام آتا تہا۔خمس کا تیسرا حصہ بہی اسی طرح صرف ہوتا تہا اور باقی ماندہ دو حصہ خلیفہ کا حق سمجھا جاتا تہا۔

حکومت اور فوج کا تمام خرچ ذمی برداشت کرتے تھے۔فوج کے سپاہیون کو باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی تہی بلکہ مال غنیمت کے ایک حصہ کے وہ حقدار سمجھے جاتے تھے۔اور اسکے علاوہ وہ زمینین جو مال غنیمت سمجھی جاتی تہین ان مین تقسیم کردی جاتی تہین۔ یہ زمینین قطائع کہلاتی تہین۔مگران تمام باتون کے باوجود ذمی زیادہ سے زیادہ ٹیکس کی رقم صرف

خراج ہی ادا کرتے تھے۔ جو بعض اوقات پیداوار (۵۰) فی صدی حصہ ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے اس تمام مالی انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو مسلمان دیگر فکرون سے آزاد ہو کر تمام تر جنگ و جدل مین مشغول ہو گئے۔ اور دوسری طرف خلفاء فتوحات کی طرف مائل ہوئے کیونکہ یہی ایک صورت تھی جس سے وہ اپنے خراج اور آمدنی ایزاد کر سکتے تھے۔ مگر فوج مین زمینون کی تقسیم اور جزیہ کی رقم کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانون مین عام طور پر سستی اور کاہلی پیدا ہو گئی۔ اور خلفاء جو پہلے محض عامل و ناظر تھے بالکل خود مختار ہو گئے۔ انہون نے آخر مین صدقات اور زکوٰۃ کو بھی اپنا مال سمجھ لیا۔ اور مسلمانون اور ذمیون مین محاصل کا فرق اٹھ گیا۔ اس وقت سے تمام محاصل خواہ وہ خراج ہو۔ یا دیگر ذرائع سے وصول ہوے ہون جبایہ کہلانے لگے۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے "جون جون عیش و عشرت بڑھتی گئی۔ حکومت اور اسکے ملازمین کی ضرورتین زیادہ ہوتی گئین۔ مگر کام کرنے کا سلیقہ جاتا رہا۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہوا کہ زیادہ آدمی نوکر رکھے جائین۔ اور انکو معقول تنخواہین دیجائین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محاصل بڑھانے پڑے۔ یہان تک کہ زمین کے مالک اور انکے کاشتکار انہین ادا نہ کر سکے جس کی وجہ سے امن و امان مین ہمیشہ فتور پڑا رہا" بقول ابن خلدون مامون کے زمانے ہی مین خراج اور صدقات کا فرق جاتا رہا تھا۔ اور تمام محصول کو جبایہ ہی کہنے لگے تھے۔

اب ہم سواد کے خراج کے اعداد و شمار نقل کرتے ہین۔ یہ اعداد[۱] ۲۰۴ھ کے دیوان الخراج سے ماخوذ ہین۔ یہی وہ تاریخ ہے جسکے اعداد بالتفصیل ہم کو معلوم ہین۔ کیونکہ

---

[۱] نبذ من کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ لابی الفرج قدامۃ بن جعفر الکاتب البغدادی مصححہ ڈی غویہ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۹ء۔ صفحہ ۲۳۶

اس سے پہلے اعداد امین الرشید کے قتل کے وقت ۱۹۸ھ مین بغداد کے فتنۂ وفساد مین جلا دیے گئے ان اعداد سے اس علاقے کی خوشحالی اور شادابی پورے طور پر واضح ہوجائیگی،

سواد - الجانب الغربی

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبارہائے گندم	کُر گندم لہ	کُر جو	مقدار سکہ (درہم)	کیفیت
انبار عہ	۵	۲۵۰	۲۲۰۰	۱۴۰۰	۱۵۰۰۰۰	گندم (۱۱۸۰۰) کر۔ جو (۶۴۰۰) کر سکہ (۴۰۰۰۰۰) درہم عسہ
مَسکِن عہ عسہ	۶	۱۵۰	۳۰۰۰	۱۰۰۰	۱۵۰۰۰۰	
قَطرَبُّل عہ	۱۰	۲۲۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰۰۰۰	گندم (۲۰۰۰) کُر عسہ
بادُورَیا	۱۴	۴۲۰	۳۵۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰۰۰۰۰	(۳۰۰۰۰۰) درہم عسہ
بَہُرَسیر	۱۰	۲۴۰	۱۹۰۰	۱۷۰۰	۱۵۰۰۰۰	(۱۷۰۰) کر گندم عسہ
رُومَقان عہ عسہ	۱۰	۲۴۰	۳۳۰۰	۳۳۰۰	۲۵۰۰۰۰	
کُوثی	۹	۲۱۰	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۱۵۰۰۰۰	(۳۵۰۰۰۰) درہم عسہ
نہر دُرقیط عہ عسہ	۸	۱۲۵	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۲۰۰۰۰۰	
نہر جَوبَر	۱۰	۲۲۷	۱۷۰۰	۶۰۰۰	۱۵۰۰۰۰	کر گندم (۱۵۰۰) عسہ
کورۃ الزوابی عہ عسہ	(دہ ۱۲ اضلاع (۱۲) گاؤن)	۲۴۴	۱۴۰۰	۷۲۰۰	۲۵۰۰۰۰	
بابل اور خُطرنیۃ عہ عسہ	۱۶	۳۷۸	۳۰۰۰	۵۰۰۰	۳۵۰۰۰۰	
فَلُّوجۃ العلیا عہ عسہ	۱۵	۲۴۰	۵۰۰	۵۰۰	۷۰۰۰۰	

لہ کُر غلہ کا ایک پیمانہ تہا اور عراق مین استعمال ہوتا تہا۔ ایک کُر (۱۰۰) صاع کے برابر ہوتا تہا۔

عہ ابن خرازبہ۔ صفحہ ۸ الخ + عسہ کتاب الخراج ۔ لقدامۃ ابن جعفر صفحہ ۲۳۷ الخ +

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبارہائے گندم	کر گندم	کر جو	مقدار سکہ درہم	کیفیت
فلوجۃ السفلی عہ	۶	۷۲	۲۰۰۰	۳۰۰۰	۲۸۰۰۰۰	
نہرین عہ	۳	۱۸۱	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰	
عین التمر عہ	۳	۱۴	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰	
جُبّۃ والبداۃ عہ	۸	۷۱	۱۲۰۰	۱۶۰۰	۱۵۰۰۰۰۰	کر گندم (۱۵۰۰) عہ
سورا و بربیسما عہ	۱۰	۲۶۵	۷۰۰	۲۴۰۰	۱۰۰۰۰۰۰	(۱۵۰۰) کر گندم - (۱۶۰۰) کر جو - (۲۵۰۰۰۰) درہم عہ
باروسما عہ نہر الملک عہ	۱۰	۲۶۴	۱۵۰۰	۴۵۰۰	۲۵۰۰۰۰	
السیلحین و الوقوف لہ	+	+	۵۰۰	۵۵۰۰	۵۰۱۰۰	
فرات بادقلی عہ	۱۶	۲۷۱	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۹۰۰۰۰۰	(۶۲۰۰۰) درہم عہ
سیلحین عہ	+	۳۴	۱۰۰۰	۱۷۰۰	۱۴۰۰۰۰	(۱۵۰۰) کر جو عہ
روزمستان ہرمزجرد	+	+	۵۰۰	۵۰۰۰	۱۰۰۰۰	(۲۰۰۰۰) درہم عہ
نستر عہ	۷	۱۷۳	۱۲۵۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	(۲۲۰۰) کر گندم عہ
ایغار یقطین عہ	+	+	۱۲۰۰ عہ	۲۰۰۰ عہ	۴۰۴۰۰۰	(۲۰۴۸۰۰) درہم عہ
کسکر عہ ۲ہ	+	+	۳۰۰۰	۲۰۰۰۰	۲۰۰۰۰۰	(۲۷۰۰۰۰) درہم عہ

لہ یہ بہت سے جائدادین ہین۔ جو مختلف علاقجات سے لیکر ایک علاقہ مین جمع کر دی گئی تھین بہ ہیئت مجموعی یہ دو علاقون کے رقبے سے بھی بڑی تھین (ابن خردا ذبہ صفحہ ۱۱)

۲ہ اس مین نہر الصلۃ۔ تبرقۃ اور ریّان شامل تھے۔ اسکی محاصل کی مقدار جس مین خراج اور تمام دیگر محاصل ہین (۷۰۰۰۰۰۰) درہم تھی۔ (ابن خردا ذبہ صفحہ ۱۲)

سواد جانب الغربی

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبارہا	کُر گندم	کُر جو	مقدار سکہ (درہم)	کیفیت
بُزُرجسابُور عہ	۹	۲۶۳	۲۵۰۰	۲۲۰۰	۳۰۰۰۰	.
رَاذانَین عہ	۱۶	۳۶۲	۴۸۰۰	۴۸۰۰	۱۲۰۰۰۰	
نہر بُوق عہ	+	+	۲۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
کَلواذَی نہر بِین	۳	۳۴	۱۶۰۰	۱۵۰۰	۳۳۰۰۰۰	
جازِر عہ / مدینۃ العتیقہ	۷	۱۱۶	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۱۴۰۰۰۰	(۲۴۰۰۰۰) درہم عہ
رُوستقُباذ	+	+	۱۰۰۰	۱۴۰۰	۱۷۰۰۰۰	(۲۴۶۰۰۰) درہم عہ
مَصُروز / سِلسِل	+	+	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۲۵۰۰۰۰	(۱۵۰۰) کرجو- اور (۱۵۰۰۰) درہم عہ
جَلُولا / جَلُلتا عہ	۵	۷۶	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
زَنیبَین عہ	۴	۲۳۰	۷۰۰	۱۳۰۰	۴۰۰۰۰	(۱۹۰) کُر گندم عہ
دَسکَرۃ عہ	۷	۴۴	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۷۰۰۰۰	(۱۸۰۰) کر گندم (۱۴۰۰) کرجو (۶۰۰۰۰) درہم عہ
بَرازالرُوز	۷	۸۶	۳۰۰۰	۵۵۰۰	۱۲۰۰۰۰	(۵۱۰۰) کرجو عہ
بَندَنیجین	۵	۵۴	۶۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰	(۳۵۰۰۰) درہم عہ
بادَرایا / باکُسایا عہ	۷	۲۰۷	۴۷۰۰	۵۰۰۰	۳۳۰۰۰۰	

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبارہائے گندم	کر گندم	کر جو	مقدار سکہ درہم	کیفیت
کورۃ استان[عه] شاذ فیروز	+	+	+	+	١٨٠٠٠٠٠	
نصروانات:-						
نصروان الاعلیٰ[عه عه]			٢٧٠٠	١٨٠٠	٣٥٠٠٠٠	
نصروان الاوسط	٢١	٣٨٠	١٠٠٠	٥٠٠	١٠٠٠٠٠	
نصروان الاسفل			١٠٠٠	١٢٠٠	١٥٠٠٠٠	

قباذ ابن فیروز نے اپنے ایام حکومت مین سواد سے (١٥٠٠٠٠٠٠) درہم وصول کئے تھے حضرت عمرؓ ابن خطاب نے (١٢٠٠٠٠٠٠٠) درہم۔ حضرت عمرؒ ابن عبدالعزیز نے (١٢٤٠٠٠٠٠) درہم اور ابن ہُبیرۃ نے (١٠٠٠٠٠٠٠) درہم خراج وصول کیا۔ حجاج ابن یوسف نے (١٨٠٠٠٠٠٠) درہم وصول کیے۔ اس تعداد مین[عه] (١٠٠٠٠٠٠٠) درہم شامل نہین جواسنے ظلم سے جمع کیے تھے اہل سواد نے گاؤکشی کو بالکل ممنوع قرار دیدیا تھا۔ تاکہ زراعت مین ترقی ہوسکے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

شَکَوْنَا اِلَیْہِ خَرَابَ السَّوَادِ فَحَرَّمَ جَهْلًا لُحُوْمَ البَقَر[١]

٢١٢ھ مین ابوالعباس عبداللہ بن طاہر کو خراسان سے حسب ذیل خراج وصول ہوا۔ (٤٤٨٤٦٠٠٠) درہم نقد۔ سواری کے جانور (١٣) عدد۔ (٣٠٠٠) بکریان۔ (٢٠٠٠) قیدی جنکی قیمت (٦٠٠٠٠٠) درہم تھی۔ (١١٨٧) عدد کپڑے (١٣٠٠) عدد لوہے کے صندوق اور چادرین[٢]۔

---

١ ابن خرداذبہ صفحہ ١٤، ١٥۔ ٢ ابن خرداذبہ صفحہ ٣٩۔ تفصیل کے لیے دیکھو ابن خرداذبہ صفحہ ٣٤-٣٨۔

ابن حوقل نے واسط کے شہر کا خراج بحوالۂ دیوان الخراج ۳۵۰ھ مین (۶۰۰۰۰۰۰) درہم بیان کیا ہے۔ اور کوفہ کا (۳۰۰۰۰۰۰) درہم[1]۔ کرمان کے محاصل کی مقدار ۳۵۰ھ مین (۵۰۰۰۰۰۰) درہم تھی[2]۔ حمص کا خراج (۲۳۰۰۰۰۰) درہم تھا[3]۔

آخر مین ہم تمام سلطنت کے خراج صوبہ وار درج کرتے ہین۔ اس سے اس زمانے کے تمول اور خوشحالی کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

صوبہ	خراج
سواد	(۱۳۰۲۰۰۰۰۰) درہم
اھواز	(۲۳۰۰۰۰۰۰) درہم
فارس	(۲۴۰۰۰۰۰۰) درہم
کرمان	(۶۰۰۰۰۰۰) درہم
مکران	(۱۰۰۰۰۰۰) درہم
اصبہان	(۱۰۵۰۰۰۰۰) درہم
سجستان	(۱۰۰۰۰۰۰) درہم
خراسان	(۳۷۰۰۰۰۰۰) درہم
حلوان	(۹۰۰۰۰۰۰۰) درہم
ماہ الکوفہ	(۵۰۰۰۰۰۰) درہم
ماہ البصرۃ	(۴۸۰۰۰۰۰) درہم
ھمذان	(۱۷۰۰۰۰۰) درہم
ماسبذان	(۱۲۰۰۰۰۰) درہم

[1] ابن حوقل صفحہ ۱۶۲ و صفحہ ۱۶۳۔ [2] ابن حوقل صفحہ ۲۲۶۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۲۴۹

مہرجان قذق	(۱۱۰۰۰۰۰)	درہم
الایغارئین	(۲۸۰۰۰۰۰)	درہم
قُم وقاسان	(۳۰۰۰۰۰۰)	درہم
آذربائیجان	(۴۵۰۰۰۰۰)	درہم
رے ودماوند	(۲۰۰۸۰۰۰۰)	درہم
قزوین وزنجان وابہا	(۱۸۲۸۰۰۰)	درہم
قُومس	(۱۱۵۰۰۰۰)	درہم
جرجان	(۴۰۰۰۰۰۰)	درہم
طبرستان	(۴۲۸۰۷۰۰)	درہم
تکریت وطیرہان وسنّ والبوازیج	(۹۰۰۰۰۰)	درہم
شہرزور والصامغان	(۲۷۵۰۰۰۰)	درہم
الموصل	(۶۳۰۰۰۰۰)	درہم
قردی وبزبدی	(۳۲۰۰۰۰۰)	درہم
دیار ربیعة	(۹۶۳۵۰۰۰)	درہم
ارزن ومیّافارقین	(۴۲۰۰۰۰۰)	درہم
طَرُون	(۱۰۰۰۰۰)	درہم
آرمینیة	(۴۰۰۰۰۰۰)	درہم
آمد	(۲۰۰۰۰۰۰)	درہم

دیارمضر	(۶۰۰۰۰۰)	درہم
اعمال طریق الفرات	(۲۹۰۰۰۰۰)	درہم
قنسرین والعواصم	(۳۶۰۰۰۰)	درہم
حمص	(۲۱۸۰۰۰)	درہم
دمشق	(۱۱۰۰۰۰)	درہم
اردن	(۱۰۹۰۰۰)	درہم
فلسطین	(۲۵۹۰۰۰)	درہم
مصر والاسکندریۃ	(۲۵۰۰۰۰۰)	درہم
الحرمین	(۱۰۰۰۰۰)	درہم
الیمن	(۶۰۰۰۰۰)	درہم
الیمامۃ والبحرین	(۵۱۰۰۰۰)	درہم
عمان	(۳۰۰۰۰۰)	درہم

مدینۃ السلام بغداد کے ذمیون کا جزیہ جسکی مقدار (۲۰۰۰۰۰) درہم تھی عراق کے خراج مین شامل تھا[1]۔ کہتے ہین کہ کسرٰے ابرویز نے اپنی حکومت کے اٹھاروین سال تمام سلطنت کے خراج کو شمار کیا۔ اسکی مقدار (۷۲۰۰۰) مثقال سونا (؟) اور (۶۰۰۰۰۰۰۰) درہم تھی[2]۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۴۹-۲۵۱ ۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۲ ۔

دین فطرت
یا
دین حنیف

(از مولانا عبد السلام ندوی)

آج جو لوگ مادیت کے نشے مین چور ہین، ان مین بعض نے تو سرے سے مذہبی عقاید و اعمال کا انکار کر دیا ہے، اور بعض نے آیات قرآنیہ کو کہینچ تان کر جدید سائنس و فلسفہ کے مطابق کرنیکی کوشش کی ہے، اور معقول و منقول کی اس تطبیق سے جو مذہب پیدا ہوا ہے اسکا نام فطری مذہب رکہا ہے، لیکن کیا درحقیقت اسی کا نام فطری مذہب ہے،؟ اگر اسلام یا اور کوئی مذہب سائنس اور فلسفہ کے مخالف نہین ہے، تو کیا صرف اس تطبیق و توفیق کی بنا پر اسکو فطری مذہب کا لقب دیا جا سکتا ہے ؟ یا مذہب کی فطرت سائنس کی فطرت سے مختلف ہے، اور اس اختلاف کی بنا پر ایک مذہب کو فطری یا غیر فطری کہا جا سکتا ہے ؟

اس سے تو کسیکو انکار نہین ہو سکتا کہ مذہب اور سائنس دونون کا دائرہ الگ الگ ہے مذہب صرف انسان کے عقاید و اعمال کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اور سائنس کو کسی کے عقاید و اعمال سے بحث نہین ہوتی بلکہ وہ صرف اشیاء کی حقیقت اور ان کے افعال و خواص سے بحث کرتا ہے، اسکو اس سے غرض نہین کہ اس سے دنیا کو کیا نفع و نقصان پہنچیگا، لیکن کوئی مذہب انسان کے نفع و ضرر کو نظرانداز نہین کر سکتا، اِسلئے مذہب کی فطرت سائنس کے قانون قدرت سے بالکل مختلف ہے، اِسلئے مذہب کے دائرے مین رہ کر

مادیت اور روحانیت مین جو جنگ ہو سکتی ہے وہ سائنس اور مذہب کی جنگ سے بالکل مختلف ہوگی، سائنس اور مذہب مین اگر باہم مصالحت ہو جائے، اور سائنس کے تمام تازہ ترین انکشافات کے اصول قرآن مجید سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے نکال لئے جائین تو جو لوگ مادیت کے نشہ مین چور ہوکر فطری مذہب کی تلاش مین سرگرم ہین، انکو اپنی کھوئی ہوئی دولت ملجائیگی، لیکن درحقیقت یہ فطری مذہب نہین ہے، بلکہ فطری مذہب وہ ہے جسکا خاکہ حکماے جدید نے ان الفاظ مین کھینچا ہے،

"ثواب آخرت کے یہ معنی ہین کہ انسان قانون کا پابند ہو، لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت مین مضمر ہین، بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہین؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا، اچھے کام کرنا، وطن کی محبت، عمل اور اخلاص ہی فطری مذہب ہے اور یہی فطری عبادت ہے، یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہین، عقاید یہ ہین ایک قادر مطلق کا یقین جو ہر چیز پر قادر ہے جسکو کوئی شے بدل نہین سکتی، اور جسکے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہین[۱]"

موجودہ مادہ پرستی کے دور مین اگرچہ اس فطری مذہب کے خاکے مین بھی روحانیت کی رنگ آمیزیان نظر آتی ہین، لیکن دنیا پر فریب وہ روحانیت کا ایک دور البتہ بھی گذرا ہے جسمین یہ مذہب خالص مادی مذہب سمجھا جاتا تھا، لیکن خدا نے اسی روحانیت آمیز مادیت کا نام فطرت رکھا - اور پیغمبر اسلام کو حکم دیا -

فاقم وجھک للدین حنیفاً فطرۃ اللہ	اپنا منھ ہر طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر دو یہ
التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ	خدا کی وہ فطرت ہے جسپر تمام دنیا کو پیدا کیا ہے

---

[۱] الکلام صفحہ ۲۴ و ۲۵ ماخوذ از تطبیق صفحہ ۳۰،

ذلك الدين القيم ولكن اکثر الناس	خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین ہوسکتی یہ سیدھا
لا یعلمون،	دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہین جانتے،

جو لوگ مذہبی تاریخ سے ناواقف ہین وہ اس فطرت کو قانون قدرت کا مرادف سمجھتے ہین، اور اسی غلط فہمی کی بنا پر تطبیق معقول و منقول کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہین لیکن درحقیقت وہ کسی قانون، کسی اصطلاح، اور کسی فلسفہ کی مرادف نہین ہے، بلکہ صابی مذہب کی حریف اور اسکی مدمقابل ہے، جس کی بنیاد کسب پر قائم ہے، یعنی یہ کہ انسان صرف مجاہدہ، مراقبہ اور ریاضت شاقہ کے ذریعہ سے وہ روحانی کمالات حاصل کرسکتا ہی جو اسکو خدا تک پہنچا سکتے ہین، لیکن دین قیم نے اسکا ذریعہ صرف تکمیل فطرت کو قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانی ملل و نحل مین لکھتے ہین[1]،

وانما مدار مذهبهم على التعصب للروحانيين	صابئین کے مذہب کا دارومدار روحانئین کی
كما ان مدار مذهب الحنفاء هو التعصب	حمایت پر ہی، جیسا کہ حنفا کے مذہب کا دارمدار جسمانی
للبشر الجسمانيين والصابئة تدعى	آدمیون کی حمایت پر ہے، صابئیت کا دعوی ہے کہ
ان مذهبنا هو الاكتساب الحنفاء تدعى	ہمارا مذہب کسب ہے، اور حنفا دعوی کرتے ہین کہ
ان مذهبنا هو الفطرة فدعوة الصابئة	ہمارا مذہب فطرت ہے، پس صابئیت کی دعوت
الى الاكتساب دعوة الحنفاء الى الفطرة	اکتساب کی طرف ہی، اور حنفاء کی دعوت فطرت کی طرف،

صابی مذہب نے اکتساب کی جو دعوت دی ہی وہ اس روحانی اصول پر مبنی ہے کہ

(۱) خدا چونکہ بالکل مجرد عن المادہ ہے، اسلئے انسان اس مادیت کے ساتھ اوس تک رسائی نہین حاصل کرسکتا، جو لوگ نبوت کے مدعی ہین، وہ بھی مادی حیثیت سے عام انسانون سے

[1] ملل و نحل جلد دوم صفحہ ۹۵،

بالاتر نہین ہین، سب لوگ جو کہاتے ہین وہی وہ بھی کہاتے ہین، سب لوگ جو پیتے ہین وہی وہ بھی پیتے ہین، جیسی شکل وصورت تمام دنیا کی ہوتی ہے ویسی ہی اُنکی بھی ہوتی ہے، غرض وہ کسی طریقہ سے انسان اور خدا کے درمیان واسطہ نہین بن سکتے،

(۲) البتہ خدا اور انسان کے درمیان روحانیات کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہے جسکو اگر واسطہ بنایا جائے تو خدا تک رسائی ہو سکتی ہے،

(۳) لیکن جب تک سخت سے سخت ریاضتین نہ کیجائین، متصل روزے نہ رکھے جائین، قربانیان نہ کیجائین، عود و عنبر نہ سُلگائے جائین، رہبانیت نہ اختیار کیجائے، مرغوبات ولذات سے ہاتھ نہ اُٹھالیا جائے ہم مین وہ روحانی استعداد نہین پیدا ہو سکتی جسکے ذریعہ سے ہم اُن روحانیات سے مناسبت پیدا کر سکین جو ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ کا کام دے سکتے ہین،

لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ نتائج کے لحاظ سے یہ روحانی مذہب خالص مادّی قالب مین ڈھل گیا، صابئین نے غیر مجسم روحانیت کا جو عقیدہ قائم کیا اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے فطری روحانیت یعنی نبوت کا کُلیتہً انکار کردیا،

حضرت نوح ہی کے زمانہ سے ہمارے کانون مین کفار کی جو یہ آواز آتی ہے کہ ہم اپنے ہی جیسے آدمی کا اتباع نہین کرتے، وہ بھی صابئیت ہی کی آواز ہے، لیکن اسی کے ساتھ انھون نے جن روحانیات کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بنایا تھا، مادیات کو ان کا مظہر قرار دیا، اسلئے بت پرستی کا ایک عام سلسلہ قائم ہو گیا، جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک قائم رہا، صابی مذہب کی سب سے زیادہ گرم بازاری حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ مین تھی، اور وہی زمانہ بت پرستی کے عروج کا زمانہ بھی تھا لیکن دین قیم اور دین فطرت نے صرف تکمیل فطرت پر اپنی بنیاد رکھی جو

اگرچہ مادیت سے ممزوج تھی لیکن اُسکا روحانی نتیجہ یہ نکلا کہ

(۱) روحانیت کا جو واسطہ لازمی طور پر بت پرستی کی طرف منجر ہوجاتا تھا بالکل اُڑگیا، اور دین قیم خالص موحدانہ مذہب بنگیا،

(۲) تکمیل فطرت کے مدارج کے لحاظ سے انسانون کے مختلف طبقے قرار پائے اور ان مین جو طبقہ سب سے بلند تر تھا اُسکو نبوت کا شرف حاصل ہوا، اور وہ خدا او عام انسانون کے درمیان واسطہ قرار پایا،

(۳) عملی طور پر صابی مذہب نے کسب روحانیت کے جو طریقے مقرر کئے تھے، وہ نہایت سخت تھے، اِسلئے ہر شخص اس سے عہدہ برا نہین ہوسکتا تھا، لیکن یہ فطرت جسپر دین حنیف دین قیم، اور دین ابراہیمی کی بنیاد قائم ہے، نہایت آسان چیز ہے، اِسلئے خدا نے اس فطری مذہب کو دین قیم یعنی سیدھا سادھا دین کہا ہے، صابئین کو خدا تک پہنچنے کے لئے سخت مجاہدہ، مراقبہ اور ریاضت شاقہ کی ضرورت ہوتی تھی، لیکن دین حنیف نے جس فطرت کو اسکا ذریعہ بنایا، وہ صرف چند اخلاقی، مذہبی اور تمدنی اصول سے مرکب ہے، جو شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان کے مطابق حسب ذیل ہین،

(۱) طہارت و نظافت، یہی وجہ ہے کہ جو دس طہارتین حدیث شریف مین مذکور ہین، یعنی مسواک کرنا، ناک مین پانی ڈالنا، ناخن ترشوانا وغیرہ، انکو خصال فطرت کہا جاتا ہی اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہین، جو دین فطرت یعنی دین حنیف کے بانی ہین،

(۲) اخبات، یعنی خدا کی صفات کاملہ کا تصور کرکے اُسکے سامنے عجز و الحاح کرنا،

(۳) سماحت یعنی نفس مین ایک ایسی کیفیت کا پیدا ہوجانا جو انسان کو قوائے شہوانیہ کی

اطاعت سے روک دے،

(۴) عدالت، یعنی نفس مین ایک ایسے ملکہ کا پیدا ہو جانا جس سے انسان ایسے کام کر سکے جو تمدن کے لئے مفید ہون،

چنانچہ ان اصول کے ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہین،

والحالۃ المرکبۃ منہا تسمی بالفطرۃ[۱] ان سے جو حالت مرکب ہوتی ہے اسکا نام فطرت ہے

اسلام اسی فطرت کی تکمیل کے لئے دنیا مین آیا تھا، اسلئے اس نے اپنے آپکو فطری اور صابی مذہب کو جو بت پرستی کی صورت مین ہر جگہ موجود تھا غیر فطری مذہب کا خطاب دیا، اسلام کا مقابلہ دنیا کے تمام مذاہب کے ساتھ تھا، فلسفہ اور سائنس کے ساتھ نہ تھا اسلئے یہ غلطی ہے کہ سائنس و فلسفہ کی مطابقت و عدم مطابقت کی بنا پر اسکو فطری یا غیر فطری مذہب قرار دیا جائے سائنس اور مذہب دونون کی دنیا الگ الگ ہے، اسلئے دونون کی فطرت بھی مختلف ہے، سائنس کی فطرت دنیا کے ذرّے ذرّے مین موجود ہے، لیکن مذہب کی فطرت کا مظہر نفس انسانی کے سوا اور کچھ نہین ہو سکتا،

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۴۵،

تلخیص وتبصرہ

بہاء اللہ

(از مسٹر پریتم سنگھ ایم، اے)

اس بہائی تحریک مین جسکا بانی باب تہا، مرکزی شخصیت بہاء اللہ کی ہے، بہاء اللہ کا اصلی نام مرزا حسین علی تہا، اسکے والدین ایران کے دار السلطنت طہران کے متمول باشندے تھے، اور والد وزیر حکومت تھے، بہاء اللہ کا سال پیدائش ۱۸۱۷ء تاریخ عالم مین ایک یادگار سنہ رہیگا، بہاء اللہ کو مرزا علی محمد باب، بانی مذہب بابیہ کے اولین متبعین مین ہونے کا شرف حاصل ہے، افسوس ہے کہ اسکی ابتدائی زندگی کے حالات موجود نہین، سب سے پہلے اُن کا نام بحیثیت بابی ہونے کے منظر عام پر اسوقت آتا ہے، جب ۱۸۵۲ء مین ایک بابی بمقام تبریز باب کی شہادت کے انتقام مین شاہ ناصر الدین والی ایران کے اقدام قتل کا مرتکب ہوا تہا اس جرم کے پاداش مین بابیون کو شدید مصائب برداشت کرنے پڑے، اور اگرچہ بہاؤ اللہ کے متعلق یہ ثابت ہوگیا، کہ ان کا اس سازش سے کوئی تعلق نہ تہا، اور چار مہینہ کی اسیری کے بعد اُنہین رہائی بہی حاصل ہو گئی تہی، تاہم مصالح ملکی کے لحاظ سے اُنہین بغداد جلاوطن ہونا پڑا اسوقت انکی عمر ۳۶ سال کی تہی، یہان اُن کا قیام دو سال تک رہا، اس مدت مین وہ برابر کلام حق کی تبلیغ کرتے رہے، اور اسکے بعد علاقہ کردستان کے کوہ سلیمانیہ کے غارون مین خلوت گزین ہوگئے، اس زمانۂ عزلت کے متعلق بعد کو وہ اپنی، ایک عزیزہ کو ان الفاظ مین تحریر کرتے ہین:۔

"مین نے اپنی صحبت صرف جنگلی پرندون اور صحرائی درندون کے ساتھ رکھی، اور اس مادی دنیا سے مثل ایک برق روحانی کے گذر گیا، اسکے بعد کم وبیش دو سال تک مین ہر وقت یادِ الٰہی مین مشغول رہا، اور ماسواسے آنکھین بند رکھین"

۱۸۵۶ء مین احباب داعزہ کے اصرار سے وہ بغداد کو واپس آئے، انگریزی حکومت نے انکو دعوت دی کہ وہ ہندوستان مین بطور انگریزی رعایا کے رہ سکتے ہین، لیکن بہاء اللہ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا، اور اپنی بود وباش کے لئے ترکی علاقون کو ترجیح دی،

علماء شیعہ جس طرح باب کے دشمن تھے، اسی طرح بہاء اللہ کے بھی دشمن ہوگئے اور انھون نے انکی تحریک کے برخلاف بغداد مین ایک شورش برپا کردی، ترکی حکومت کے سامنے بہاء اللہ کا روز افزون اقتدار ایک خطرناک شکل مین پیش کیا گیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۳ء مین بہاء اللہ کو قسطنطنیہ مین طلب کیا گیا، اسوقت انکی عمر ۴۷ سال کی تھی، اور بغداد مین گیارہ سال تک قیام رہ چکا تھا،

قسطنطنیہ مین حکومت ترکی کے مہمان کی حیثیت سے بہاء اللہ کا قیام چار مہینہ تک رہا، اس اثنا مین بعض ذی اثر حکام کی سازشون سے جدید حکم یہ صادر کیا گیا کہ بہاء اللہ کو اڈریانوپل منتقل کیا جائے، چنانچہ اسی ۱۸۶۳ء مین بہاء اللہ کو مع اپنے رفقاء کے اڈریانوپل منتقل ہونا پڑا، یہین آکر انھون نے اول اول اپنے پیامات ربانی کی باضابطہ اشاعت شروع کی جسمین "اس" کے ظہور کی خبر تھی جسکی بشارت باب کے بیان مین آچکی تھی، گویا باب، مسیح بہائیت کے لئے بمنزلہ یوحنا حواری کے تھے، اسی وقت سے بہاء اللہ اور صبح ازل کے درمیان اختلاف کی بنیاد پڑی جو باب کا سوتیلا بھائی، اور اکثرون کے نزدیک اُسکا صحیح خلیفہ تھا، ترکی حکومت نے اس تفیض کا فیصلہ یون کیا کہ فریقین کو ایک دوسرے

علٰحدہ کردیا، اور بہاء اللہ کو عکہ اور صبح ازل کو قبرس مین جلا وطن کر دیا، اور چونکہ اس حکم کا مقصد جماعت مین انتشار پیدا کرنا تھا، اسلئے متبعین کے ایک حصہ کو سوڈان اور ایک کو خرطوم جلا وطن ہونا پڑا، بہتون نے اپنے ہاتھ سے خودکشی کر لی، بہتون کو قتل کر دیا گیا اور بابیون پر ظلم و تعدی کی کوئی انتہا نہ رہی، (ان مظالم کی تفصیل مرزا جواد کی تاریخ مین ملیگی جسکا انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن نے اپنی جدید تصنیف "بابی ریلیجن" مین شامل کیا ہے)

بہاء اللہ کی عمر ۵۲ سال کی تھی، جب انہین عکہ کے قید خانہ مین قید کیا گیا، اور اسوقت سے لیکر ۱۸۹۲ء تک یعنی پورے ۲۴ سال کی مدت قید خانہ ہی مین گذری، اور اسی قید خانہ ہی سے وہ پیام ربانی کی تبلیغ کرتے رہے، سلاطین و والیان ملک کے نام خطوط و مکاتیب جنمین انہین حق شناسی پر توجہ دلائی گئی ہے، یہین سے لکھے گئے تھے، بہاء اللہ کے مجموعۂ تصانیف کا نام "کتاب الاقدس" ہے، جو بہائی مذہب کے حسب اعتقاد الہامی کتاب ہے، اور جس مین بہائیون کیلئے واجب العمل احکام درج ہین، ذیل مین چند اقتباسات درج کئے جاتے ہین، جن سے اس اعلیٰ تعلیم کا اندازہ ہوگا جو بہاء اللہ نے متلاشی حق دنیا کے سامنے پیش کی ہے، بہائیت کی الٰہیات پر گفتگو کرنا سردست میرا مقصود نہین، تاہم میرا یقین ہے کہ اس زمانہ مین بہاء اللہ کا فلسفہ منجملہ بہترین فلسفون کے ہے، اور ایسا فلسفہ جو سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ قابل عمل ہے، اقوال ذیل ملاحظہ ہون،

(۱) ہر مذہب و ملت کے اشخاص کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آؤ،

(۲) تم سب ایک ہی درخت کے پھل، اور ایک ہی شاخ کی پتیان ہو، اپنے محب وطن ہونے پر فخر کی کوئی بات نہین، البتہ محب عالم ہونے پر ہے،

(۳) اے باشندگان ارض! خدا کے مذہب کو منافرت کا حیلہ نہ بناؤ، خدا کی قسم، خدا کا

دین و مذہب ارتباط و اتحاد کے لئے آیا ہے نہ کہ نفاق و اختلاف کے لئے،

(۴) مار پیٹ، جنگ وجدل، قتل وغارت، جنگلی درندون کے افعال ہین جو ظلم وجہالت کے غارون مین رہتے ہین، خدا کے برگزیدہ بندے ان چیزون سے پاک اور ارفع ہوتے ہین،

(۵) مذہب کی تقویت اعمال سے ہوتی ہے، اور فضایل اُسکے معین ہوتے ہین، اے ہما پر ایمان لانے والو! فضیلت (نیکی) پر مضبوطی سے قائم رہو،

(۶) انسان کی فضیلت یہ ہے کہ وہ خدمتِ خلق وتزکیہ نفس مین مشغول رہے نہ کہ عیش وعشرت اور زر ومال مین۔

(۷) اپنی نظرون کو پاکباز، اپنے ہاتھون کو باامانت، اپنی زبان کو صداقت شعار، اور اپنے قلب کو ایمان دار رکھو،

(۸) اگر کوئی متلاشی، سلطان ازل کے راستہ کو قطع کرنا، اور اُسکی تلاش وتحقیق کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ پہلے اپنے قلب کو صاف وطاہر کرے، کہ اسی تخت پر معشوق حقیقی جلوہ آرا ہوتا ہی،

(۹) اے خدا پر ایمان لانے والو! خدا کا کلام مثل درخت کے ہے، اُسکی تخم ریزی قلوب انسانی کے تختہ پر ہونا چاہیئے، اور اُسکی آبیاری ذکر وفکر کے دریا سے ہونا چاہیئے تا کہ اُسکی جڑین مضبوط ہوجائین اور اسکی شاخین آسمان تک پہنچ جائین،

(۱۰) میرے تمام اعضا اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہین کہ وحدہ لاشریک موجو اور جن پر اس نے انکشاف حق کردیا ہے، اور جنہین اس نے ہدایت خلق کے لئے بھیجا ہے، وہ اُسکے مظاہر اور عالمِ مخلوقات مین اُسکی وحی کے حامل ہین،

(۱۱) اے باشندگان ارض: خدا کے مذہب کو آپس مین اختلاف کا آلہ نہ بناؤ، الحق! مذہب دنیا کو متحد کرنے کے لئے آیا ہے،

علٰحدہ کر دیا، اور بہاء اللہ کو عکہ اور صبح ازل کو قبرس مین جلا وطن کر دیا، اور چونکہ اس حکم کا مقصد جماعت مین انتشار پیدا کرنا تھا، اسلئے متبعین کے ایک حصہ کو سوڈان اور ایک کو خرطوم جلا وطن ہونا پڑا، بہتون نے اپنے ہاتھ سے خودکشی کر لی، بہتون کو قتل کر دیا گیا اور بابیون پر ظلم و تعدی کی کوئی انتہا نہ ہی، (ان مظالم کی تفصیل مرزا جواد کی تاریخ مین ملیگی جبکا انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن نے اپنی جدید تصنیف "بابی ریلیجن" مین شامل کیا ہے)

بہاء اللہ کی عمر ۵۲ سال کی تھی، جب انہین عکہ کے قید خانہ مین قید کیا گیا، اور اسوقت سے لیکر ۱۸۹۲ء تک یعنی پورے ۲۴ سال کی مدت قید خانہ ہی مین گذری، اور اُسی قید خانہ ہی سے وہ پیام ربانی کی تبلیغ کرتے رہے، سلاطین و والیان ملک کے نام خطوط و مکاتیب جنمین انہین حق شناسی پر توجہ دلائی گئی ہے، یہین سے لکھے گئے تھے، بہاء اللہ کے مجموعۂ تصانیف کا نام "کتاب الاقدس" ہے، جو بہائی مذہب کے حسب اعتقاد الہامی کتاب ہے، اور جس مین بہائیون کیلئے واجب العمل احکام درج ہین، ذیل مین چند اقتباسات درج کئے جاتے ہین، جن سے اس اعلیٰ تعلیم کا اندازہ ہوگا جو بہاء اللہ نے متلاشی حق دنیا کے سامنے پیش کی ہے، بہائیت کی الٰہیات پر گفتگو کرنا سر دست میرا مقصود نہین، تاہم میرا یقین ہے کہ اس زمانہ مین بہاء اللہ کا فلسفہ منجملہ بہترین فلسفون کے ہے، اور ایسا فلسفہ جو سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ قابل عمل ہے، اقوال ذیل ملاحظہ ہون،

(۱) ہر مذہب و ملت کے اشخاص کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آؤ،

(۲) تم سب ایک ہی درخت کے پھل، اور ایک ہی شاخ کی پتیان ہو، اپنے محب وطن ہونے پر فخر کی کوئی بات نہین، البتہ محب عالم ہونے پر ہے،

(۳) اے باشندگان ارض! خدا کے مذہب کو منافرت کا حیلہ نہ بناؤ، خدا کی قسم، خدا کا

فرقۂ یزیدیہ

پانیر کا مخصوص مراسلہ نگار عراق عرب سے ایک فرقہ کا حال لکھتا ہے جو شیطان کی پرستش کرتا ہے، مضمون نگار کی روایت ہے کہ اس فرقہ کا نام یزیدی ہے، اور یہ عربون اور کردون کی مخلوط نسل سے مرکب ہے، اُنکی تعداد ۶۰ ہزار ہے، اور ان مین سے اکثر کا مسکن جبل سنجر ہے، جو دجلہ کے پورب موصل کے مقابل واقع ہے، انکی کچھ تعداد حلب، دیار بکر، طفلس، وطہران مین بھی موجود ہے، اُنکی زبان کردی زبان کی ایک شاخ ہے، بلحاظ عادات وخصائل، یہ لوگ بڑے جفاکش، باہمت، پاکباز و مہمان نواز ہین، لیکن ساتھ ہی بالکل جاہل بھی ہین، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تعلیم اُن کے مذہب مین قطعاً ممنوع ہے، حکومت کے جبر وتعدی سے انکی جماعت روز بروز گھٹتی جاتی ہے، چنانچہ ۱۸۹۲ء مین یہ کئی ہزار کی تعداد مین قتل ہو چکے ہین،

ان کا مذہب در اصل قدیم طرز کی اعجوبہ پرستی کا مظہر ہے، جسمین مسیحیت، یہودیت، و اسلام تینون کے عناصر شامل ہین، اُنکا عقیدہ یہ ہے کہ سب سے بڑی قوتین دو ہین، ملک طاؤس، اور ملک عیسیٰ، جنمین سے اول الذکر اہرمن (شیطان) اور آخر الذکر یزدان (خدا) کے مرادف ہے، ان مین سے ہر قوت کی مدت حکومت دس ہزار سال تک رہتی ہے لیکن آجکل چونکہ شیطان کا دورِ حکومت ہے، لہذا اُسی کی عبادت واجب ہے،

شیطان کی مدت حکومت کے چار ہزار سال گذر چکے ہین، اور چھ ہزار سال باقی رہ گئے ہین، اس مدت کے اختتام پر عیسیٰ کا ظہور ہوگا، جو شیطان کو جہنم مین بھیجین گے،

اور وہ وہان پہنچکر اسقدر گریہ و بکا کریگا کہ آتش دوزخ اُسکے آنسوؤن سے سرد ہو جائیگی اسوقت اسکی خطا معاف ہو گی، اور اسوقت وہ از سر نو معلم الملکوت کے مرتبہ پر سرافراز ہو گا،

آجکل جو مسیح کا درجہ بلند ترین ہنین، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسوقت ان کا عہد حکومت نہین اور چونکہ وہ نہایت حلیم، رحیم، کریم و خطا پوش ہین اسلئے اُن سے ڈرنے اور خوف کرنیکی کوئی ضرورت نہین،

دعوتون اور ضیافتون کے موقع پر یہ لوگ ایک بھیڑ کی مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہین اور سات بھیڑون کی شیطان کے نام پر، اسلئے کہ شیطان بڑا ہی سخت گیر اور غضبناک معبود ہے، یہ لوگ مسیح کے حلول پر اعتقاد رکھتے ہین، لیکن صلیب پر اُنکے وفات پانے کو نہین مانتے، مسیح کے ظہور اول کو یہ لوگ ناکام قرار دیتے ہین، اسلئے کہ اسوقت وہ قوت عصیان کو شکست نہ کر سکے، یہ لوگ صلیب کا احترام کرتے ہین، آفتاب و ماہتاب کو مقدس مانتے ہین، اور جس مقام پر آفتاب کی شعاعین سب سے پہلے پڑتی ہین، اسکو روز چومتے ہین، ان کا اعتقاد ذات باری پر بھی ہے، لیکن چونکہ ان کے حسب اعتقاد اس کا تعلق صرف آسمان سے ہے، اور دنیا اور مافی الدنیا سے اسے کوئی سروکار نہین، اسلئے اسکی عبادت ضروری نہین سمجھتے، حضرت محمد کو پیمبر برحق تسلیم کرتے ہین اور مکہ کو مقام مقدس مانتے ہین، سانپون کی پرستش تو شاید یہ لوگ نہین کرتے تاہم اُن کے معابد مین بڑے بڑے سیاہ سانپون کی تصویرین بنی ہوئی رہتی ہین، اور آگ مین تھوکنا انکے ہان معصیت کبیرہ ہے، اس عمارت کے سامنے جسکے اندر شیطان کی مورتین رہتی ہین، ہمیشہ چراغ روشن رکھے جاتے ہین، ان کے حسب اعتقاد، انسان کی خلقت آدم و حوا سے ہوئی ہے، لیکن آدم و حوا اتبک ایک نہین بلکہ ۷۲ ۷۲ کی تعداد مین پیدا ہو چکے ہین، اور اُن مین سے ہر

ہوتے ہین، اور وہ کمزوروں کی برابر امداد کرتے رہتے ہین،

ہماری طرح وہ بھی خاندان مین منقسم اور مختلف مشاغل مین مصروف رہتے ہین، البتہ اُنکے گھرانون مین صرف بالغ افراد ہوتے ہین، بچے نہین ہوتے، اِسلئے کہ بخلاف ہماری دنیا کے ان کے عالم مین سلسلۂ توالد و تناسل نہین، افراد خاندان مین اضافہ یون ہوتا رہتا ہے کہ جہان کسی جن کو اُسکی خواہش پیدا ہوئی معاً ایک بالغ جن وجود مین آجاتا ہے اسی طرح جہان اُنہین خواہش تغذیہ پیدا ہوئی، معاً غذا ملجاتی ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اُنکی غذا بھی نہایت لطیف ہوتی ہے، اغذیہ ناسوتی کی طرح کثیف نہین ہوتی، اُنکی جسمانی خواہشون کی تعمیل فی الفور ہوتی ہے، ادہر خواہش پیدا ہوئی اور ادہر پوری ہوگئی، عالم خاکی کیطرح انہین قیام و بقاے حیات کے لئے کسی طرح کی جد و جہد نہین کرنا پڑتی، ہر جن کی (خواہ وہ ذکور مین سے ہو یا اناث سے) عمر طبعی تین کرور ساٹھ لاکھ سال کی ہوتی ہے، اور یہ ساری مدت عیش و راحت کے ساتھ کٹتی ہے، اور اگر اس عمر مین قوانین کی پوری طرح پابندی کیجاتی رہی تو اس مدت کے خاتمہ پر رفتہ رفتہ مختلف قالبون سے گذر کر ہر جن بالآخر برہم لوک (عالم لاہوت) تک پہنچ جاتا ہے، جو دیولوک (عالم ملکوت) سے کہین برتر و ارفع ہے اور ارتقائے وجود کی انتہائی منزل ہے،

چونکہ جنات مختلف مراتب و مدارج کے ہوتے ہین، اِسلئے ان کے مذاہب بھی مختلف ہوتے ہین، بالکل اسی طرح کہ جیسے انسانون مین بہ کثرت مذاہب و ادیان ہین البتہ چونکہ ان کا مرتبۂ عقل و روحانیت ہم سے بدرجہا برتر ہے، اِسلئے ان مین ہماری طرح مناقشہ و مکابرہ برپا نہین رہتا، ہر فرد اپنے اپنے عقیدہ کا پابند رہتا ہے، اور آپس مین پوری رواداری ملحوظ رہتی ہے، اور صرف عقاید ہی نہین بلکہ اعمال حسنہ مین بھی ان کا قدم

علیحدہ کر دیا، اور بہاء اللہ کو عکہ اور صبح ازل کو قبرس مین جلا وطن کر دیا، اور چونکہ اس حکم کا مقصد جماعت مین انتشار پیدا کرنا تھا، اسلئے متبعین کے ایک حصہ کو سوڈان اور ایک کو خرطوم جلا وطن ہونا پڑا، بہتون نے اپنے ہاتھ سے خودکشی کر لی، بہتون کو قتل کر دیا گیا اور بابیون پر ظلم و تعدی کی کوئی انتہا نہ رہی، (ان مظالم کی تفصیل مرزا جواد کی تاریخ مین ملیگی جسکا انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن نے اپنی جدید تصنیف "بابی ریلیجن" مین شامل کیا ہے)

بہاء اللہ کی عمر ۲۵ سال کی تھی، جب انہین عکہ کے قید خانہ مین قید کیا گیا، اور اسوقت سے لیکر ۱۸۹۲ء تک یعنی پورے ۲۴ سال کی مدت قید خانہ ہی مین گذری، اور اُسی قید خانہ ہی سے وہ پیام ربانی کی تبلیغ کرتے رہے، سلاطین و والیان ملک کے نام خطوط و مکاتیب جنمین انہین حق شناسی پر توجہ دلائی گئی ہے، یہین سے لکھے گئے تھے، بہاء اللہ کے مجموعۂ تصانیف کا نام "کتاب الاقدس" ہے، جو بہائی مذہب کے حسب اعتقاد الہامی کتاب ہے، اور جس مین بہائیون کیلئے واجب العمل احکام درج ہین، ذیل مین چند اقتباسات درج کئے جاتے ہین، جن سے اس اعلیٰ تعلیم کا اندازہ ہو گا جو بہاء اللہ نے متلاشی حق دنیا کے سامنے پیش کی ہے، بہائیت کی الٰہیات پر گفتگو کرنا سردست میرا مقصود نہین، تاہم میرا یقین ہے کہ اس زمانہ مین بہاء اللہ کا فلسفہ منجلہ بہترین فلسفون کے ہے، اور ایسا فلسفہ جو سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ قابل عمل ہے، اقوال ذیل ملاحظہ ہون،

(۱) ہر مذہب و ملت کے اشخاص کے ساتھ بحسن سلوک پیش آؤ،

(۲) تم سب ایک ہی درخت کے پھل، اور ایک ہی شاخ کی پتیان ہو، اپنے محب وطن ہونے پر فخر کی کوئی بات نہین، البتہ محب عالم ہونے پر ہے،

(۳) اے باشندگان ارض! خدا کے مذہب کو منافرت کا حیلہ نہ بناؤ، خدا کی قسم، خدا کا

اختیار مین نہین ہوتا تاہم اسکی وہ کوشش برابر کرتا رہتا ہی کہ جہانتک ممکن ہو اپنے زیر نگرانی انسان کو گمراہیون اور بدکاریون سے بچاتا رہے اور نہ صرف افراد کے لئے بلکہ ہر خاندان، ہر قبیلہ، ہر جماعت، ہر قوم پر بھی اسی طرح کا ایک جن متصرف رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر حیوانات، نباتات و جمادات تک مین سے کوئی ایسی ہستی نہین جسکی ہدایت عمل کے لئے ایک ایک جن نہ مقرر ہو، ان جنات کا کام یہ ہوتا ہی کہ بارگاہ الٰہی سے جو احکام صادر ہون انکی تعمیل کرتے اور کراتے رہین اور یہی مفہوم کارکنان قضا و قدر کا ہے،

اخبار علمیہ

حوادث جنگ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ انگریزی کتابون کی قیمتین جرمنی و اسٹریا مین اس حد تک بڑھ گئی ہین کہ یقین نہین آتا، ٹائمز کے تعلیمی ضمیمہ کا بیان ہے کہ انگلستان مین برطانیہ کی چھپی ہوئی جس کتاب کی قیمت ۱۰ شلنگ ہے، وہ جرمنی مین ۱۸۰ شلنگ (نو پونڈ) کو ملتی ہے، اور اسٹریا مین ۶۰۰ شلنگ (۳۰ پونڈ) کو!! اس صورت حال سے قدرۃً جرمن و اسٹروی تعلیمگاہون اور کتبخانون مین انگریزی کتابون کا قحط ہوگیا ہے، یہ دیکھکر خود انگریزون کو اب رحم آگیا ہے، اور ایک انگریزی و امریکی انجمن اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ انگریزی کی جو نہایت ضروری کتابین ہین، انھین مناسب قیمت پر جرمن و اسٹروی یونیورسٹیون کو مہیا کرے،

ایک فرنچ شخص نے فوٹو گرافی کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جس سے خود بخود پوری تصویر چار منٹ مین کھنچکر تیار ہو جاتی ہے، جس شخص کو تصویر کھنچانا منظور ہوتا ہے، وہ اس کیمرہ کے سامنے بیٹھکر اسکے اندر کچھ نقد ڈالدیتا ہے، معاً ایک گھنٹی بجتی ہے، اور کیمرہ کے اوپر یہ الفاظ مندرج ملتے ہین، "تیار ہو کر بیٹھئے، اپنا چہرہ داہنی طرف رکھیئے، نگاہ اوپر والے آئینہ پر پڑے، اور چہرہ مسکراتا ہوا رکھیئے"۔ اسکے بعد ہی ایک چھوٹا سا لمپ مشین کے اوپر روشن نظر آتا ہے اور تختی ان الفاظ کے ساتھ نمودار ہوتی ہے، "اپنے جسم کو ساکن و بے حرکت رکھیئے"، چند سکنڈ مین کیمرہ کے اندر سے کہٹ کی آواز آتی ہے، اور روشنی گل ہو جاتی ہے، اُسکے بعد

تیسری تختی یہ اطلاع دیتی ہے کہ "کام ختم ہو چکا، اب آپ اٹھ سکتے ہین" اتنی دیر مین تصویر بہمہ وجوہ مکمل ہوکر کیمرہ کے پیندے مین آجاتی ہے، اور یہ ساری کاروائی چار منٹ کے عرصہ مین ختم ہو جاتی ہے،

امریکہ کے ایک ڈاکٹر ولیم بیٹس، جو فن جراحی مین خاص شہرت رکھتے تھے، کچھ عرصہ ہوا ایک ملاح پر اپریشن کرنیکے لئے ایک جہاز پر جو بندرگاہ مین لنگر انداز تھا، گئے، لیکن اسکے بعد سے غائب ہوگئے، یہانتک کہ اُن کے اعزہ واحباب کو مہینون تک انکے وجود کی خبر نہو سکی، ایک مدت کے بعد ڈاکٹر موصوف نے اپنے تئین پیرس مین پایا، جہان وہ زمانۂ طالبعلمی مین رہ چکے تھے وہان تک وہ کیونکر پہنچے؟ اس درمیان مین کتنا عرصہ گذرا؟ اس اثنا مین ان پر کیا کیا حوادث وواقعات پیش آئے؟ ان مین سے ایک شے بھی اُنکے حافظہ مین نہ تھی! اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہ اپنی تمام پچھلی زندگی، حتیٰ کہ اپنا نام بھی بھول چکے تھے! اتفاقاً ایک روز انکی نگاہ ایک لفافہ پر پڑی، جسپر بیٹس لکھا ہوا تھا، یہ دیکھکر انہین معاً اپنا نام یاد پڑگیا، اور اسطرح رفتہ رفتہ ان کا حافظہ عود کر آیا،

اس سلسلہ مین ایک انگریزی اخبار نے ذہول مطلق ونسیان کامل کی دو ایک معتبر مثالین اور بھی درج کی ہین، ستمبر ۱۹۱۱ء مین ایک صاحب انگلستان کے ایک ساحل پر غسل کرنے گئے، اسکے بعد اُنکے کپڑے تو زمین پر رکھے ملے، مگر خود اُن کا یا اُنکی نعش کا کچھ پتہ نہ چلا، پورے دو برس کے بعد وہ پھر اپنے وطن کو واپس آئے، اور معلوم ہوا کہ اس روز نہاتے ہوئے ایک تیز دہارے مین وہ بہ گئے تھے، مگر دو تین میل کے بعد ایک جہاز کی نظر اُن پر پڑگئی،

اس نے انہین زندہ وسلامت نکال لیا، لیکن اس صدمہ سے اُن کا حافظہ بالکل تشریف لیگیا، اور انہین اپنے متعلق ایک بات بھی یاد نہ رہی، یہانتک کہ کچھ عرصہ کے بعد انھون نے اپنے تیئن ایک جرمن اسپتال مین پایا، اور وہان سے اُنکی یادداشت رفتہ رفتہ عود کرنے لگی،

اسی طرح کچھ روز ہوئے، ایک معمر خاتون نہایت بیش بہا زیورات سے آراستہ اور ایک عجیب پوشاک پہنے ہوئے شہر لندن کی سڑکون پر ہر طرف پھرتی ہوئی ملین، تماشائیون کا ایک ہجوم اُنکے ساتھ ہوگیا، لیکن انکو نہ کسی خاص مقام پر جانا تھا، نہ راستون کی خبر تھی، بالآخر لوگ انہین پولیس کی چوکی پر لے آئے، یہان یہ دریافت ہوا کہ علاوہ دو ہزار پونڈ کے زیورات کے جو ان کے بدن پر تھے، اُنکے سات ہزار پونڈ بینک آف انگلینڈ مین بھی جمع تھے، لیکن وہ خاتون اپنی زبان سے اپنا نام ونشان کچھ نہ بتا سکین، ہر شے انکے حافظہ سے محو ہوچکی تھی، ایک مدت تک وہ اسی گمنامی و بے نشانی کی حالت مین رہین، اسکے بعد اُنکی شخصیت متعین ہوسکی۔

شہر برلن (دارالسلطنت جرمنی) کے مختلف محلون مین پندرہ پندرہ فٹ کی بلندی کے نئے مینار واقع ہین، جنہین "یورینیا ٹاورز" کہتے ہین، ہر مینار گھنٹہ گھر کا کام دیتا ہے، اور گھڑی کے ساتھ ہی ہر مینار مین ایک ایک تھرمامیٹر حرارت پیما) بارومیٹر (ہواپیما) اور ہائیگرومیٹر (نم پیما) لگا رہتا ہے، ان کے علاوہ مینار کے زیرین حصون مین اس محلہ کا مفصل نقشہ شہر برلن کا مجمل نقشہ، محلہ وار پولیس کی چوکی، اسپتال، ریلوے اسٹیشن وغیرہ کے پتے بغرض کل ایسے ضروری معلومات، جو مقیم و نووارد دونون کے کام آسکین درج رہتے ہین، اور درمیان مین جو جگہین خالی رہجاتی ہین، ان مین بہ اخذ اجرت اشتہارات درج کئے جاتے ہین،

وسط شہر مین ایک مرکزی اسٹیشن ہے، وہین سے ان تمام گھڑیون کو ایک ساتھ کوک دیجاتی ہی

ٹیگور کی تصانیف کے ترجمے تو مغرب کی ہر باوقعت زبان مین عرصہ سے موجود تھے لیکن اب اسکے ڈرامون کو یورپ مین ایکٹ بھی کیا جانے لگا ہے، چنانچہ حال مین اسکے قلم سے نکلے ہوئے متعدد تماشے لندن کے تھیٹرون مین کھیلے گئے، اور اُن مین سے بعض مین مشاہیر امرار انگلستان بھی شریک ہوئے، ٹیگور موجودہ زمانہ کا سب سے پہلا مشرقی ہے جسکے کلام کو مغرب مین اسقدر حسن قبول حاصل ہوا ہے،

کلکتہ کا انگریزی تعلیمی رسالہ کالیجین لکھتا ہے کہ مسلمانون کو فخر و مسرت سے یہ خبر سننا چاہئے کہ ان کے اسلاف کی علمی عظمت کا اعتراف مستشرقین یورپ کرنے لگے ہین، چنانچہ ابن خلدون (سنہ ۱۳۳۲ تا سنہ ۱۴۰۶ء) کا فلسفۂ تاریخ کا بانی ہونا اب مسلّم ہوگیا ہے، اُسکے مقدمۂ تاریخ کا ترجمہ فرنچ زبان مین بڑی آب و تاب سے شایع ہوا ہے، اور انگریزی زبان مین پروفیسر فلنٹ نے اپنی تالیف "فرنچ فلسفۂ تاریخ کی تاریخ" مین اسکے نظام فلسفۂ تاریخ کی تلخیص کی ہے،

ایک طبی رسالہ لکھتا ہے کہ مرض النوم کی ایک خاص شکل جسمین مریض پر مزمن خواب مثل نشہ کے طاری ہوجاتا ہے، آجکل یورپ و امریکہ مین مختلف مقامات پر شایع ہو رہی ہی چنانچہ لندن ہاسپٹل مین اسوقت اسکے سات مریض زیر علاج ہین، اور فرانس کے متعدد حصون مین اسکا وجود پایا جاتا ہے، اسکا مریض ہفتون بلکہ مہینون برابر سوتا رہتا ہے، اور کسی وقت بھی ہوشیار نہین ہوتا، مگر نیویارک (امریکہ) مین تجربہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ عمیق اس مرض کا

علاج ہے، یہان ایک جوان عمر عورت کو جبکا سن ۲۹ سال کا تہا، یہ مرض لاحق ہوا، اور پورے ۱۰۲ دن گذر گئے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بیدار نہین ہوئی، آخر مین ایک مغنی بلایا گیا، جس نے ساز کی مدد سے اُسکے سرہانے بیٹھکر گانا شروع کیا، اسکو چند ہی منٹ ہوے تھے کہ مریضہ نے جنبش سر کے ساتھ آنکھین کھول دین، اور آدھ گھنٹہ مین پوری طرح بیدار ہوگئی۔

ڈاکٹر لوئی سیمبن نے رایل کالونیل انسٹیٹیوٹ کے سامنے حال مین ایک طبی لکچر دیا، اور اسمین بیان کیا کہ دفعیہ طاعون کے لئے چوہون کی بربادی کی کوشش قطعاً بیسود ہے کیونکہ جسقدر زاید تعداد مین چوہے ہلاک کئے جاتے ہین، اسیقدر باقی ماندہ چوہون کے لئے عیش وفراغت کے سامان زیادہ حاصل ہوتے جاتے ہین، اور اُسیقدر اُنکی نسل تیزی سے بڑہتی جاتی ہے، البتہ اگر طاعون کی علت چوہون ہی کو قرار دیا جائے تو ان کے شر سے محفوظ رہنے کی بہتر صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مکانات اس قسم کے تعمیر کئے جائین جنمین چوہون کا گذر ہی نہ ہوسکے، اور انہین اپنے لئے سوراخ بنانے کے مواقع ہی نہ ملین، سر پیٹرک مینسن جو جلسہ کے صدر تھے، انھون نے اپنی افتتاحی تقریر مین لکچرار کی ذہانت ودقت نظر کی داد دی، لیکن ان کے آرا ونظریات کو ناقابل قبول بتایا،

سنہ مین لندن مین انٹرنیشنل کانگرس آف فلاسفی منعقد ہونے والی تھی جسمین یورپ وامریکہ کے تمام مشاہیر علماء فلسفہ شریک ہوتے، اور فلسفہ کی ہر شاخ پر بکثرت عالمانہ مضامین زیر بحث آتے، اس کانگرس کا پورا پروگرام (نظام عمل) مرتب ہوچکا تہا، مضامین ومقالات کے عنوانات طے پاچکے تھے، خطوط دعوت جاری ہوچکے تھے، اور یوم انعقاد کے دو برس پیشتر سے

انتظامات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، لیکن اگست ۱۴ء مین جو عالمگیر جنگ چھڑی اُس نے صدہا دیگر علمی توقعات کی طرح اس آرزو کا بھی خون کر دیا اور اسکے متعلق سارے منصوبے کالعدم ہوگئے

لیکن اب یہ تجویز نسبتہً محدود پیمانہ پر پھر زندہ ہوئی ہے، ایکی کانگرس آف فلاسفی کا انعقاد بمقام آکسفورڈ ۲۴ تا ۲۷ دسمبر ۲۰ء قرار پایا ہے اسمین مجالس ذیل کے ارکان کو شرکت کی دعوت دیگئی ہے:-

(۱) برٹش سائیکولاجیکل سوسائٹی (لندن)

(۲) ارسٹاٹیلین سوسائٹی "

(۳) مائنڈ ایسوسی ایشن "

(۴) آکسفرڈ یونیورسٹی فلاسوفیکل سوسائٹی (آکسفرڈ)

(۵) امریکن فلاسوفیکل ایسوسی ایشن (امریکہ)

(۶) فرینچ فلاسوفیکل سوسائٹی (فرانس)

فلسفہ و متعلقات فلسفہ کا ہر مضمون، الٰہیات، نفسیات، اخلاقیات، اجتماعیات، ڈراما وغیرہ موضوع جلسہ مین داخل ہوسکتا ہے، صدر نشین انگلستان کے مشہور فلسفی لارڈ ہالڈین ہونگے اور افتتاحی خطبہ یورپ کے حکیم اعظم اور فرانس کے مایۂ ناز فرزند پروفیسر ہنری برگسن ارشاد فرمائینگے، ان اصحاب کی فہرست مین جو جلسہ کی کاروائیون مین حصہ لین گے، اکثر مشاہیر علما رفن کے نام نظر آتے ہین، مثلاً ہربرٹ رسل، ڈاکٹر شلر، میسو بومرڈ، پرنسپل جیکس، سر فریڈرک پولاک، بیرن وان ہیوگل، ڈاکٹر لنڈسے، پروفیسر گلبرٹ مرے وغیرہ،

ناظرین معارف کو یاد ہوگا کہ گذشتہ ستمبر مین یورپ کی متعدد مجالس مشرقیہ کا مشترک اجلاس لندن مین منعقد ہوا تھا جسکا ذکر اکتوبر و نومبر کے معارف مین ملیگا، ایکی سال اسی قسم کا مشترک جلسۂ مستشرقین پیرس مین اسی ماہ جولائی مین منعقد ہوا ہوگا، اجلاس کی تاریخین ۴ تا ۸ جولائی مقرر ہتین، اور دعوت نامے مجالس ذیل کے ارکان کی خدمت مین بھیجے گئے تھے،

(۱) سوسائٹی ایشیاٹک (پیرس)

(۲) رایل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)

(۳) اسکولا اورینٹیل (اٹلی)

(۴) امریکن اورینٹیل سوسائٹی (امریکہ)

ایک انگلستانی اخبار لکھتا ہے کہ امسال انگلستان مین تقریبًا تین ہزار خواتین طبی امتحانات کی سند لے رہی ہین، اور توقع ہے کہ چند سال کے عرصہ مین بمقابلہ عورتون کے مرد ڈاکٹرون کا کام بالکل سرد پڑجائے،

برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن، اور برٹش سائنس گلڈ کی مشترکہ مجلس نے تجویز شایع کی ہی، کہ طبی ایجادات واکتشافات سے متعلق بھی حکومت کو انعام وصلہ کا معقول سلسلہ قائم کرنا چاہئے یہ تحریک وزیر اعظم کے خدمت مین پیش ہوگی، اور اس محضر پر کیمبرج کے نامور معلم طب سر کلفرڈ البٹ، سر رونالڈ راس، پروفیسر بالڈین وغیرہ مشاہیر فن کے دستخط ثبت ہین اسمین طبی ایجادات، اختراعات واکتشافات کی اہمیت پر زور دیکر یہ دکھایا گیا ہے کہ جب سائنس کے دوسرے صیغون مین کام کرنے والون کے لئے حوصلہ افزائی وترغیب کے کثیر ذرایع موجود ہین

تو کوئی وجہ نہین کہ صیغۂ طلب جو اُن سے کہین زیادہ اہم ہے ان ذرایع سے محروم رہے،

آخر مین سفارش یہ پیش کیگئی ہے کہ جن اشخاص کے کارنامے اس صنف مین ممتاز سمجھے جائین

انہین پانچ ہزار سے لیکر دس ہزار پونڈ سالانہ تک پنشن ملنی چاہیئے،

پروفیسر ای، جی، براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران زیر حکومت تاتاریہ" جسکا اعلان معارف کی پچھلی جلد مین ہوچکا ہے، چند ہفتہ ہوے کیمبرج یونیورسٹی پریس سے چھپکر شایع ہوگئی، یہ پروفیسر موصوف کی مشہور "علمی تاریخ ایران" کا گویا تیسرا حصہ ہے جسکا پہلا حصہ سنہ ۲ مین اور دوسرا حصہ سنہ ۶ مین شایع ہوچکا ہے، اس حصہ مین ایران کی ادبی تاریخ سنہ ۱۲۶۵ سے سنہ ۱۵۰۲ تک بیان ہوئی ہے، چوتھی اور آخری جلد کا عنوان "تاریخ ادبیات ایران در عصر حاضرہ" (ہسٹری آف پرشین لٹریچر ان ماڈرن ٹائمس) ہوگا

پروفیسر جے، اس، میکنزی، جو اسوقت انگلستان مین فلسفۂ اخلاق کے مستند عالم ہین اور جو اصول اخلاق پر بلند پایہ تصانیف کے مصنف ہین، مدراس یونیورسٹی نے انہین اپنے ہان کا لکچرر مقرر کیا ہے، اور اُمید ہے کہ فاضل موصوف عنقریب ہندوستان آکر چند ماہ تک مدراس مین مقیم رہین۔

ادبیات

افاداتِ اکبر[1]

یہ عمر کبتک وفا کریگی زمانہ کبتک جفا کریگا
مجھے قیامت کی ہین امیدین جو کچھ کریگا خدا کریگا

فلک جو برباد بھی کریگا، بلند ارادے رہینگے
جو خاک ہونگا تو خاک سے بھی سدا بگولا اٹھا کریگا

خدا کی یاد کی پکارتا ہون ہوا کرے ناخوشی بتون کو
مری غرض کچھ نہین کسی سے تو پھر مرا کوئی کیا کریگا

جہان فانی کا حشر ہی کو خیال کر مستقل نتیجہ
یہان تو پیہم یہی تردد، یہی تغیر ہوا کریگا

اگرچہ ہے درد و غم سے مضطر یہی ہے وردِ زبان اکبر
یہ درد جس نے دیا ہے ہمکو وہی ہماری دوا کریگا

---

[1] پروفیسر نواب علی ایم اے، جنھین حال مین الہ آباد جاکر کلام اکبر سے مستفید ہونیکا موقع ملا، ارشاد فرماتے ہین :-

الہ آباد مین اک اور بھی سنگم نظر آیا
ہم نے علم اور حکمت کے دریا قلب اکبر مین

دماغ روشنِ اکبر ہے آئینہ حقیقت کا
تجلی نور عرفان کی ہے ہویدا قلب اکبر مین

کسطرح کہتا کہ جو چاہون وہ ہونا چاہیئے
کچھ سمجھ ہی مین نہ آیا چاہنا کیا چاہیئے

کہہ دیا مین نے کہ ہون نادر یہ نہین سمجھا کہ کیا
اس خودی کا حشر کیا ہونا ہی دیکھا چاہیئے

یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیئے پڑھنا نماز
یہ بھی سُن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیئے

حب دنیا سے نہین ہر صاحب عزلت بری
خانقاہین اور ہین اور دل کا کونا اور ہے

مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند
خوب کہنا اور ہی اور خوب ہونا اور ہے

شکلِ اطمینان کم اس عالمِ فانی مین ہے
کامیابی بھی جہان ہی اک پریشانی مین ہے

دولتِ دنیا کی کیا لذت ہے اہلِ جور کو
ساری قوت صرف جب اُنکی نگہبانی مین ہے

مذہب کی پناہ آخر کو ملی اور کفر کی زد سے بچ نکلے
ہر دم ہی یہی اب اپنی دعا اللہ کا ہونا سچ نکلے

مجلسِ نسوان مین دیکھو عزتِ تعلیم کو
پردہ اُٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

مطبوعات جدیدہ

سوانح مدحت پاشا، یہ مشہور ترکی قوم پرست ابوالاحرار مدحت پاشا کی سوانحعمری ہے جسمین خاص طور پران اصلاحات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو انھون نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف نظامات مین کی تھین، مرتبۂ مرزا اسحاق بیگ، قیمت ۱۰ر، پتہ: پبلک پریس مرادآباد،

گلدستۂ نظم، پنجاب سنٹرل ٹریڈنگ بک سیلرز لاہور نے اس نام سے اخلاقی، ادبی، اور قومی نظمون کا ایک مجموعہ شایع کیا ہے، جسمین بعض مشاہیر اور بعض غیر مشاہیر مثلاً مرزا غالب، حالی، اکبر، حسرت، شوق، شفق، امیر بدایونی، مولوی اسمٰعیل میرٹھی اور مولوی ظفر علیخان وغیرہ کی عمدہ نظمین انتخاب کرکے جمع کیگئی ہین، اگرچہ یہ تمام نظمین ایک درجہ کی نہین کتاب کی قیمت ۶ر ہے، اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتی ہے،

خیالستان: لاہور سے یہ ایک ماہوار علمی رسالہ جاری ہوا ہے اسمین نائب ایڈیٹر نے شکسپیر کی سوانحعمری لکھی ہے، اور چودہری غلام حیدرخان نے مہری کی سرگذشت کے عنوان سے ایک مضمون طبع کرایا ہے جو انکی مترجمہ کتاب "ترکی حرم" کا ایک حصہ ہے، یہ ترجمہ نہایت دلچسپ ہے، اخیر مین ایڈیٹر صاحب نے ایشیا کی گذشتہ عظمت پر ماڈرن ریویو سے ایک مضمون کا اقتباس کیا ہے، جو اگرچہ نہایت سطحی ہے تاہم اس سے بعض مفید معلومات بھی حاصل ہوتے ہین، رسالہ مصور ہے، چنانچہ اس نمبر مین شکسپیر کی تصویر شامل کیگئی ہی قیمت سالانہ للعہ رفی پرچہ ۶ر، پتہ: دفتر خیالستان لاہور،

روزانہ خلافت، مسئلۂ خلافت کو اسلام مین جو اہمیت حاصل ہے اسکا اقتضار

یہ تھا کہ ایک خاص اخبار جاری کیا جائے، جس سے جمہور اہل اسلام کو خلافت کے متعلق یکجا طور پر معلومات حاصل ہون، اس روزنامہ نے اسی ضرورت کو پورا کیا ہے، جو اصحاب خلافت لٹریچر پر وسیع نظر رکھنا چاہتے ہین ان کے لئے اسکا مطالعہ بہت مفید ہوگا قیمت صہ رسالانہ،

روزنامہ رعیت، یہ اخبار خواجہ حسن نظامی کی ایڈیٹری مین دہلی سے نکلنا شروع ہوا ہے، اسکا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے، جسمین ایک مضمون "رعیت کا پیام محبت" ہے جو مسٹر عبدالماجد بی، اے کے زور قلم کا نتیجہ ہے، اسمین بتلایا گیا ہے کہ رعیت کے اجراء کے کیا مقاصد ہین، اور ان مقاصد کے لحاظ سے رعیت اور دوسرے اخبارات مین کیا فرق ہے؟ مضامین کی ترتیب عمدہ، اور اقتباسات دلچسپ ہین، قیمت سالانہ عـــہ فی پرچہ ۱؍ پتہ: رعیت دہلی،

روزنامہ زمانہ، اس نام کا ایک اخبار مولوی محمد اکرم خانصاحب کی ایڈیٹری مین کلکتہ سے جاری ہوا ہے جو ایک کہنہ مشق اخبار نویس ہین، اور ان کے زیر ادارت اخبار قومی مسائل پر نہایت پرجوش مضامین لکھتا ہے، لیکن بااین ہمہ زبان کی ناہمواری افسوسناک ہے، بعض جگہ طرز بیان اسقدر بلند اختیار کیا جاتا ہے، گویا سامنے الہلال مرحوم کا فائل کھلا ہوا ہے، اور بعض جگہ انتہائی پستی پیدا ہو جاتی ہے، اس ضروری اصلاح کے بعد امید ہے کہ یہ اخبار قوم و ملک کے لئے ہر طرح مفید ثابت ہو، کلکتہ سے اردو روزانہ کی سخت ضرورت تھی، یہ اخبار اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نکلا ہے، اسکی قیمت ۱؍ فی پرچہ ہے اور نمبر ۲۹ اپر سرکلر روڈ کلکتہ سے مل سکتا ہے،

عدد دوم	ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۲۰ء	مجلد ششم

مضامین

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعتہائے انسانی" کے اصول نفسیہ کا ترجمہ، از مولانا محمد یونس فرنگی محلی، قیمت عا ر-

"منیجر"

شذرات

جنگ کے اثرات نے یورپ مین شوہرون کا قحط پیدا کردیا ہے، فرانس مین اسوقت تقریباً بیس لاکھ لڑکیان قابل ازدواج عمر کی ہین، جنہین شوہر دستیاب نہین ہوتے، اور کل یورپ مین اس قسم کی غیر منکوح خواتین کی تعداد بمقابلہ مردون کے ڈیڑھ کرور زاید ہے! مردون اور عورتون کی آبادی کے اس عظیم الشان عدم تناسب کی صورت مین ایک مشرقی دماغ کو دوہی راستہ کھلے ہوئے نظر آسکتے ہین، یعنی یا تو تعدد ازدواج کو رواج دیا جاے، اور یا یورپین خواتین کو باہر والون کے حبالۂ عقد مین دیا جانے لگے، لیکن مہذب و متمدن، روشن خیال و جدت طراز مغربی دماغون کے لئے یہ دونون صورتین قطعاً ناقابل قبول ہین، مغرب کی خودداری و علو نفس کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے ہان کی کسی "شمع بزم" کو دوسرون کے ہان بطور "چراغ خانہ" کے دیکھ سکے، علیٰ ہذا اسکی تہذیب و شائستگی، تعدد ازدواج کی جاہلانہ و وحشیانہ رسم کا نام سننے کے لئے ایک لمحہ کی بھی روادار نہین ہوسکتی۔

ڈاکٹر کارنو ایک فرنچ محقق ہین، انھون نے پیرس کے ایک علمی رسالہ مین اس دشواری کا علاج اپنے ملک کے لئے یہ تجویز کیا ہے کہ سرے سے رسم نکاح کو اڑادیا جائے، اسلئے کہ فریضۂ امومت اداکرنے کے لئے ہر طرح کے قیود و رسوم سے بالکل آزاد کردیا جاے اس لئے کہ

عورت کا مقدم ترین غرض افزائش نسل ہے، جسکو مراسم نکاح سے مقید کرنا بے معنی ہے، اور ان غیر منکوحہ ماؤن سے جو اولادین پیدا ہون، انکی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری حکومت کے سر ہو، اور ان کا انتساب ابوت بجاے افراد کے قوم و سلطنت کی جانب کیا جائے۔

جو قومین نکاح کو محض ایک رسم اور اتحاد مادی و جسمانی سمجھتی ہین، ان کا اس نتیجہ تک پہنچنا بالکل قدرتی ہے، لیکن جن ممالک مین یہ رسم وصال حقیقی کا پرتو، اور اتحاد روحانی کا عکس سمجھی گئی ہے، وہان کے باشندے قبل اسکے کہ جادۂ تہذیب پر تیز گامی شروع کرین، بہتر ہوگا کہ رہبر و رہزن کے فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کر لین۔

لندن مین رشنیلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیین) کے نام سے آزاد خیالون کی ایک نامور انجمن سنہ ۱۸۹۹ء سے قائم ہے، جسکا مقصد یہ ہے کہ معتقدات مذہبی کو مٹا کر عقل پرستی کی ترویج کیجائے، اسکا ماہوار رسالہ (لٹریری گائڈ) دلچسپ معلومات، اور عام فہم علمی مضامین کا خزانہ ہوتا ہے، اور اسکی بیشتر سالانہ مطبوعات، مستند و بلند پایہ، سلیس و عام فہم ہونے کے ساتھ قیمت مین بھی غیر معمولی طور پر ارزان ہوتی ہین، اسکی شاخین دنیا کے ہر ملک مین قائم ہین، اور اسکا سالانہ چندہ رکنیت بھی بہت قلیل ہے، ان حالات کے ساتھ اُسکی گذشتہ سالانہ رپورٹ دیکھکر حیرت ہوئی کہ ابتک اسکے ارکان کی مجموعی تعداد ۲۷۸۹ ہے، جسمین سے برطانوی ارکان کا شمار کل ۱۰۰۰ ہے! برطانیہ کی آبادی تقریباً ۴½ کرور ہے، جسکا بیشتر حصہ تعلیم یافتہ ہے، اور مسیحیت کی جانب سے جو عام بے التفاتی ہے، وہ بھی ظاہر ہے، با این ہمہ بست سالہ کوششون کے بعد بھی اتنی وسیع آبادی مین اتنی قلیل تعداد کا شریعت عقل پر ایمان لانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اگرچہ عملاً یورپ مین مذہب الحاد ہی کا دور دورہ ہے، تاہم کسی ایسی تحریک کو

مقبولیت وہان مشکل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، جبتک الحاد کو علم و سنجیدگی کی روشنی مین پیش کرنیکی کوشش کیجائے، سچ یہ ہے کہ جن لوگون نے مال و دولت، جاہ و منصب عیش و عشرت کو اپنا معبود بنالیا ہے، ان سے علم و حکمت کی پرستش ہونا بھی ناممکن ہے، اُنکے لئے جس طرح موسیٰ و عیسیٰ کے الہامات ناقابل التفات ہین، اسی طرح مل و اسپنسر کے مقالات، اور ہکسلے و ٹنڈل کے خطبات بھی بے اثر ہین،

اخبارات مین یہ خبر کئی مہینہ ہوے شایع ہوئی تھی کہ مملکت آصفیہ مین قدیم و نادر الوجود کتابون کی تصحیح، تہذیب و اشاعت کے ایک جدید محکمہ کے قیام، اور اُسکے مصارف کے لئے ایک لاکھ سالانہ کی رقم کی منظوری صادر ہوئی ہے، پچھلے مہینہ دفتر معارف مین جو سرکاری اطلاع موصول ہوئی، اُس سے معلوم ہوا کہ اس سررشتہ کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا ہے جسکے صدر نواب عماد الملک بہادر (مولوی سید حسین بلگرامی) ہین جنکا علم و فضل محتاج تعارف نہین، اور جن سے موزون تر انتخاب اس خدمت کے لئے ناممکن تہا، دائرۃ المعارف جو تیس سال کی مدت سے عربی کتابون کی خدمت نیم سرکاری حیثیت سے کر رہا تہا، اب سرکاری صیغہ کی حیثیت سے اسی جدید سررشتہ مین ضم کردیا گیا ہے، بہتر ہوگا، اگر اس سررشتہ کا دائرہ عمل کتب عربی تک محدود نہ رہے، بلکہ اُردو کی قدیم و نادر تالیفات کی تہذیب و اشاعت بھی یہ اپنے ذمہ رکھے، اُمید ہے کہ صدر الصدور مذہبی دولت آصفیہ مولانا مولوی حبیب الرحمن خان شروانی کے فضل و کمال سے بھی یہ شعبہ پورا فایدہ اُٹھائیگا۔

مولانا سید سلیمان ندوی اپنے تازہ عنایت نامہ مین تحریر فرماتے ہین:۔ "چند روز ہوسے

"شکسپیر ہٹ" مین جہان ہندی طلبہ کا مسکن ہے، پیامبر امن ٹیگور کی زیارت ہوئی، طلبہ نے اُن کے اعزاز مین جلسہ کیا تھا، جسوقت وہ جلسہ مین آئے تو میرے سامنے عمر خیام کی صورت کھینچ گئی، دراز قد، لمبی داڑھی، بڑا زرد کرتہ، ژولیدہ مو، ایک سیاہ گول بڑی ٹوپی، پورے جلسہ بھر فرش پر سر نیچے کئے بیٹھے رہے، آخر مین لوگون نے تقریر پر اصرار کیا، تو نہایت متانت کے لہجہ مین آنکھین نیچے کئے چند منٹ تک بیٹھے بیٹھے باتین کین جسمین یہ اظہار تھا کہ مین شہرت کو جو بدنصیبی سے مجھے حاصل ہوگئی ہے، اپنا دشمن جانتا ہون، مین ایک زاویہ پسند عزلت نشین آدمی تھا، عزت کی جگہون سے بھاگتا ہون، شور و غل کو ناپسند کرتا ہون"

مولانا نے اسکے آگے یہ نہ لکھا کہ فضاے مغرب کے شور محشر مین اس نغمۂ سکون و راحت کے چند اصوات کا کیا اثر ہوا۔

مولانا ایک دوسرے عنایت نامہ مین فرماتے ہین:۔ "کل ایک کتب فروش کی دوکان مین گیا تھا، اسکی وسعت کو دیکھکر حیران ہوگیا، یہ برٹش میوزیم کے محلہ مین واقع ہے، ہر موضوع، ہر معبث کی کتابون کا الگ صیغہ اور الگ عملہ تھا، مشرقی زبانون اور کتابون کا الگ، نقشون کا الگ، تاریخ کا الگ، غرض ایک ایک علم و فن کا الگ"۔

انگریزی لٹریچر کی وسعت و ترقی کا ایک بڑا سبب اسکے ناشرین اور کتب فروشون کی حوصلہ مندی ہے، اردو زبان کے ناشرین (پبلشرز) و کتب فروش جب تک اسی اہتمام، باقاعدگی، خوش سلیقگی و جامعیت سے کام لینا نہ سیکھین گے، تنہا مصنفین و مولفین کی کوششین قیامت تک بار ور نہین ہوسکتین۔

مقالات

حقیقت علم

(نمبر ۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان فلاسفہ نے نفس انسانی کی اس خاصیت کو نظر انداز کر دیا ہے
کہ جب ایک قسم کی چند مثالین انسان کی نگاہ کے سامنے گذرتی ہین تو وہ انکی جزئی شخصیتو نکو
حذف کر کے ان سے ایک مفہوم کلی پیدا کر لیتا ہے جسکو ہم کلیت سے تعبیر کرتے ہین اسیطرح
نفس انسانی کی یہ دوسری خاصیت بھی فلاسفہ نظر انداز کر گئے ہین کہ جب ایک قسم کے
واقعات بار بار انسان کی نگاہ کے سامنے سے گذرتے ہین تو بار بار ان واقعات کے گذرنیسے
اسکے ذہن مین عالمگیر نظام عالم کا تصور پیدا ہوتا ہے جو اسکے ذہن مین یہ خیال پیدا کرتا
ہے کہ اس قسم کا واقعہ آئندہ بھی اسی طرح ظہور پذیر ہوگا اسی کو ہم وجوب سے تعبیر کرتے ہین
اس سے معلوم ہوا کہ فلاسفہ نے وجوب و کلیت کے متعلق اپنا یہ خیال قائم کرتے وقت
نفس انسانی کی چند دقیق اصول کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن چونکہ کلیت و وجوب کے
ان ادراکات سے بحث کرنا ہمارے موضوع کی حد سے خارج ہے اور ان مباحث کی
اصل جگہ استقراء کی حقیقت اور اسکی نفسانی اہمیت کے بیانات ہین اسلیے ہم یہان مفصل
بحث سے گریز کرتے ہین۔ غرض مذکورہ بالا مثالون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ
جتنے عام تر کلیات ایسے ہین جو بظاہر حسیات سے بے نیاز نظر آتے ہین اگر تحلیل کیجا

تو نظر آئیگا کہ انکی انتہا بھی حسیات پر ہوتی ہے اور بغیر ان احساسات کے یہ کلیے کسی طرح قائم نہین ہو سکتے تھے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کا کوئی علم بھی بلا حسیات کی وساطت کے حاصل نہین ہو سکتا ہے،

(۲) لیکن اس دلیل کے علاوہ ہمارے پاس اپنے دعوی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جسوقت ہمارے حواس مین سے کسی حاسہ مین کوئی نقص پیدا ہوتا ہے تو اس حاسہ کی قوت مین کمزوری پیدا ہو جانے کے باعث انسان ان تمام ادراکات سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو اس حاسہ سے پیدا ہوتے ہین ایک اندھے کو دیکھو کہ اوسکو ادن چیزونکا ادراک نہین ہوتا جو حاسہ بصر سے ادراک کیجاتی ہین اور اسی لیے کبھی اوسکے ذہن مین ادن چیزونکے تصور کا بھی گذر نہین ہوتا جنکی بصارت سے وہ محروم رہا ہے۔ اگر بطلیموس اور کوپرنیکس حواس ظاہری سے محروم ہوتے، تو مجسطی اور ہیرنسپیا کی تحقیقات سے کبھی دونوں کو باخبر نہ کر سکتے، اور اونکے ذہن مین کبھی اجرام فلکیہ کا تصور نہ پیدا ہوتا۔ افلاطون نے اپنی کتاب ریپبلک (جمہوریت) کے چھٹے باب مین تعلیم و تربیت کے اثرات کی توضیح کی غرض سے یہ ایک فرضی مثال ذکر کی ہے کہ اگر کچھ لوگ زمین کے آخری طبقہ کے کسی حصہ مین اپنی پیدائش کے وقت سے بند کر دیے جائین تو اونکو دنیا کی کسی بات کا علم نہ ہوگا اور اگر وہ ایک مدت کے بعد زمین پر لائے جائین تو وہ دنیا کی ہر چیز کو تعجب کی نگاہ سے دیکھینگے، ہر چیز سے مبہوت ہونگے، اور آفتاب کو روشنی اور حیات کا منبع پاکر یہ خیال کرنے لگین گے کہ آفتاب ہی عالم کا خالق ہے، گو افلاطون نے اس خیال کا اظہار ایک فرضی مثال کی بنا پر کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ عزلت گزینی اختیار کرتے ہین انکے خیالات نہایت تنگ اور انکا دماغ نہایت چھوٹا ہوتا ہے انکے خیالات

و تصورات مین وسعت نہین ہوتی اور چونکہ انکی روزانہ زندگی مین انکو بہت سی چیزون کا تجربۂ حسی نہین ہوتا اسلیے وہ ان چیزونکے تصورات سے بھی خالی الذہن ہوتے ہین غرض یہ ایک عام کلیہ ہے کہ حواس کی کمزوری اور نقص یا حسیات کے محدود ہونے کے باعث انسان کے تصورات مین بھی وسعت نہین پیدا ہوتی۔ پھر یہ کلیہ محسوسات ہی کے ساتھ خاص نہین ہے بلکہ محسوسات کی طرح جذبات کا بھی یہی حال ہے کہ جس شخص کو اپنی روزانہ زندگی مین کسی خاص جذبہ کا تجربۂ حسی نہین ہوتا وہ اس جذبہ کے تصور سے بھی عاری ہوتا ہے مثلاً ایک وہ شخص جسکی ساری زندگی خودغرضی پر عمل کرنے مین بسر ہوئی ہے وہ ہرگز اپنے ذہن مین اس بات کا تصور نہین کرسکتا ہے کہ ایثار کے ساتھ کسی طرح زندگی بسر کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک حلیم شخص کبھی غصہ کی اس حالت کا اندازہ نہین کرسکتا جو انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے غرض زندگی کے یہ تمام تجربے ہمکو اس بات کا یقین دلاتے ہین کہ انسان کو جن باتون کا تجربۂ حسی اپنی زندگی مین نہین ہوتا ان کا تصور بھی اسکے ذہن مین نہین پیدا ہوسکتا ہے۔

(۳) ان دلائل کے علاوہ اپنے دعوی کی تیسری دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ حسیات کی ترقی سے معلومات انسانی مین نمایان اضافہ ہوتا ہے شیرخوار بچے چونکہ تمام حسیات سے محروم ہوتے ہین اسلیے وہ تمام معلومات سے بھی محروم ہوتے ہین لیکن جون جون انکے حسیات مین مقتضیات عمر سے ترقی ہوتی جاتی ہے انکے معلومات مین بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے مرکب تصورات کی پیدائش بچونکے ذہن مین نہین ہوتی کیونکہ ابھی انکے ذہن مین مرکب احساسات کا گذر نہین ہوتا یہی وجہ ہے کہ جو حسیات انسان کے ذہن مین ابتدا عمر مین پیدا ہوجاتے ہین انکے تصورات بھی اسکے ذہن مین اسقدر رسوخ حاصل کرلیتے ہین کہ ان تصورات کا

اسکے ذہن سے نکالنا سخت مشکل ہوتا ہے پس انسان کے دماغ کو تعصب سے محفوظ رکھنے اور
اوسکو صحیح غور وفکر کا عادی بنانے کی ترکیب اس سے بہتر کوئی نہین ہے کہ خارجی محسوسات
کے ذریعہ سے اسکے خیالات وادراکات مین وسعت پیدا کیجائے اور ابتدا سے اسکے ذہن
پر ان مرکب تصورات کا بار نہ ڈالا جائے جنکا تجربۂ حسی اوسکو اپنی روزانہ زندگی مین ابتک
نہین ہوا ہے لیکن اگر کبھی بچہ کا ذہن ان مرکب اور پیچیدہ تصورات کے بار سے دبا دیا
جاتا ہے تو اوسکے دماغ کے ان حصون مین جو مرکز تصور ہین اختلال پیدا ہوجاتا ہے
غلط اور صحیح فکر کی تمیز جاتی رہتی ہے اور حسیات سے تصور کے اخذ کرنے کی فطری قوت
معدوم ہوجاتی ہے اب اسکے پاس اس قسم کا کوئی ذریعہ نہین رہتا جس سے وہ اپنے
تصورات کی صحت وغلطی کا اندازہ کرسکے کیونکہ تصورات کی صحت کا مدار حسیات پر تھا لیکن
اب اسکا تصور اسکے حواس کے قبضہ سے نکلکر مطلق العنان ہوگیا اور جو تصورات حس کے
راستہ سے نہین آتے ہین انکی صحت وغلطی بھی حس کے ذریعہ سے نہین جانچی جاسکتی ہے
غرض حسیات کے اضافہ سے معلومات کے اضافہ کا یہ بدیہی تجربہ بھی اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ تصورات کی پیدائش کا ذریعہ محض حسیات ہین،

(۴) لیکن ان سب دلائل سے بڑھکر اس بات کا قطعی ثبوت کہ انسان کے ذہن مین کوئی
تصور اوسوقت تک پیدا نہین ہوسکتا تاوقتیکہ اسکا تجربۂ حسی انسان کو اپنی روزانہ زندگی
مین نہ ہوگیا ہو خود انسان کے ضمیر اور اوسکے باطن کی شہادت ہے اور نفسانی مباحث مین
خود نفس کی اپنی شہادت سے زیادہ اور کوئی شہادت قطعی اور مسلم الثبوت نہین ہوسکتی،
مین خود اپنی ذاتی تجربہ کے بناء پر کہتا ہون کہ میرا ذہن ان اشیاء کا تصور کرنے سے
قاصر ہے جنکا خود یا انکی نظیر کا تجربۂ حسی اپنی روزانہ زندگی مین مجھے نہین ہوا مین اسکا

انکار نہین کرتا کہ دنیا مین اس قسم کے لوگ نہین پائے جاتے لیکن مین اپنی ذہنی تجربہ کی بنا پر کہتا ہون کہ مجھے اسکے خلاف کبھی تجربہ نہین ہوا ہے اور اپنے اس دعوی پر جتنے دلائل مین نے اوپر پیش کیے ہین انکے متعلق مین اپنے ذاتی تجربہ سے قطع نظر کرکے دوسرے لوگون سے یہ فتوی طلب کرتا ہون کہ ان دلائل کی صحت کے متعلق دوسرونکا نفسانی تجربہ کس بات کی شہادت دیتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا مین ان لوگون کی مثالین بکثرت موجود ہین جو قوت بصارت سے محروم تھے لیکن جنکا کمال علمی زمانہ کے نزدیک مسلم تھا ہومر کو دیکھو کہ وہ پیدائشی نابینا تھا مگر اوسکی الیڈ اور اوڈیسی مین بکثرت ایسے واقعات مذکور ہین جنکے تصور تک کسی بینا او رشنوا کی بھی رسائی نہین ہوئی اور فسانہ نگاری کے کمالات کے علاوہ اسنے ان نظمون مین فطرت انسانی کا وہ مکمل مرقع کھینچا ہے جسکے تصور سے بینا اور شنوا لوگون کی عقلین قاصر ہین اسی طرح مسلمانون مین ایک فلسفی ابو العلاء معری نامی ہوا ہے جو اپنے وقت کا نہایت مشہور و معروف حکیم تھا اسنے اپنی نظمون مین مسائل فلسفہ جس خوبی سے حل کیے ہین کیا کوئی دوسری کتاب اسکی نظیر پیش کرسکتی ہے ؟ لیکن باینہمہ فضل و کمال وہ پیدائشی نابینا تھا اور اسی نابینائی کی حالت مین وہ آلہیات اور طبعیات وغیرہ تمام علوم مین بہرۂ افر رکھتا تھا اسکی منظوم کتابین مثلاً سقط الزند رسالۃ الغفران، لزوم مالایلزم وغیرہ ایک بلند خیال نابینا فلسفی کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہین حاصل یہ کہ دنیا مین بکثرت مثالین ان لوگونکی موجود ہین جو فقدان حواس کے باوجود علم و فضل مین مشہور و معروف ہوئے ہین؛

بے شبہہ یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن جسمانی اور نفسانی حقائق کے متعلق کوئی کلیہ قائم کرتے وقت یہ خیال کرنا چاہیے کہ دنیا مین کوئی قانون ایسا نہین پایا جاتا جو کچھ نہ کچھ مستثنیات نہ رکھتا ہو کارخانۂ قدرت باوجودیکہ نہایت منتظم اور کامل ہے مگر باوجود اس کے

جتنے فطری واقعات روزانہ پیش آتے رہتے ہین انکی بنا پر کوئی شخص کبھی تیقن کے ساتھ یہ نہین کہہ سکتا کہ ہمنے جو اصول مقرر کیا ہے اسکے خلاف کبھی کوئی واقعہ نہ پیش آئیگا پس اس بنا پر ہم ان مستثنیات کی وجہ سے جنکا شمار انگلیون پر ہو سکتا ہے اپنے اس اغلبی کلیہ مین کبھی ترمیم نہین کر سکتے ہین کہ انسان کے تصورات اسکے حسیات پر موقوف رہتے ہین اور کسی ایسی چیز کا تصور ذہن انسانی مین نہین پیدا ہو سکتا جو انسان کے تجربہ حسی مین کبھی نہ آئی ہو۔ یہ ایک نفسانی حقیقت ہے جو ہمارے نزدیک مسلم ہے اور اسکے خلاف جتنی شہادتین ہین انکو ہم مستثنیات مین شمار کرتے ہین[1]،

(۳۰) علوم فطریہ اولیہ کی حقیقت | پس اب اگر انسان کے کسی خیال یا انسان کے کسی قائم کردہ کلیہ کی بنا دریافت کرنا ہو یا اوسکی صحت و غلطی کے متعلق فیصلہ کرنا ہو تو پہلے یہ بات دریافت کرنا چاہیے کہ یہ خیال انسان کے ذہن مین کس احساس کی بنا پر پیدا ہوا ہے، اور صحت و غلطی کے اعتبار سے اس احساس کا کیا رتبہ ہے اگر اوس احساس کے متعلق یہ باتین دریافت کر لین تو اس تصور کی حقیقت بھی بآسانی ہم دریافت کر لینگے یہ تصورات کی صحت و غلطی کے جانچنے کا عام اصول ہے جو ہمارے بیانات سابقہ سے مستنبط ہوتا ہے لیکن فلاسفہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ انسان کے بہت سے خیالات و تصورات ایسے ہوتے ہین جو کسی سابق احساس پر مبنی نہین ہوتے بلکہ ذہن مین انکا حصول الہام فطری کے ذریعہ سے ہوتا ہے ان علوم کو علوم فطریہ کہتے ہین ان فلاسفہ کا خیال ہے کہ احساس کو انسان کے ہر خیال اور ہر تصور کی بنا قرار دینا سعی لاحاصل ہے لیکن جب ہم ان فلاسفہ سے یہ

---

[1] تصور کے حدود کے متعلق دیکھو اسپنسر کی کتاب "اصول اولیہ" کا چوتھا باب اور اوسکی دوسری کتاب "اصول علم النفس" نیز اس موضوع پر کانٹ نے اپنی کتاب "نقد النظر" مین اور سر ولیم ہملٹن نے اپنے مضمون (فلسفہ مطلق الشی) مین نہایت دلچسپ بحث کی ہے،

دریافت کرتے ہین کہ وہ کونسے علوم ہین جو اپنی پیدائش مین سابق احساس کے نہین بلکہ الہام فطرت کے محتاج ہوتے ہین تو وہ یہ جواب دیتے ہین کہ مثلاً خیال علت ہی ایک فطری تصور ہے جو کسی سابق احساس سے نہین بلکہ الہام فطرت کی بنا رپر پیدا ہوا ہے اسی طرح مثلاً اقلیدس کے علوم متعارفہ ہین کہ انکی پیدائش سابق احساس سے نہین بلکہ محض الہام فطرت کی بنا پر ہوئی ہے پھر سب سے آخر مین خدا کی ذات وصفات کے عقیدہ کو دیکھو خدا کی ذات و صفات محسوس نہین ہوتے اور اس لیے اس عقیدہ کی پیدائش کسی سابق احساس سے نہین ہوسکتی ؟ غرض خدا کا عقیدہ الہام فطری کی ایک بین مثال ہے جس سے کوئی انکار نہین کرسکتا اسیطرح اور بہت سے عقائد عامہ ہین جو نوع انسان مین مشترک ہین اور انکی صحت پر کبھی احساس سابق سے استدلال نہین کیا جاسکتا،

لیکن پھر اگر ہم ان فلاسفہ سے یہ پوچھتے ہین کہ علوم فطریہ کی علامت کیا ہے اور تم علوم فطری کو علوم غیر فطری سے کس طرح ممتاز کرسکتے ہو تو وہ اس سوال کا جواب یہ دیتے ہین کہ علوم فطری کی دو علامتین ہین کلیت اور وجوب یعنے یہ کہ انسان کے جتنے تصورات کلیت اور وجوب پر مشتمل ہوتے ہین وہ سب کے سب فطری ہوتے ہین اور انکی پیدائش مین احساسات سابقہ کو دخل نہین ہوتا،

ہم الہام فکری کے منکر نہین اگر کسی تصور کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش احساس سابق سے نہین بلکہ الہام فطری سے ہوئی ہے تو ہم ان لینگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمکو دراصل اس طول طویل فہرست کے جزئیات سے اختلاف ہے جو فلاسفہ نے مرتب کی ہے ہم یہان اس مسئلہ سے مفصل بحث کرنا نہین چاہتے ہمنے اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ اپنے دوسرے مضمون "وحدت وثنویت" مین تحریر کیا ہے

البتہ ہم یہان صرف یہ سوال کرنے کا استحقاق رکھتے ہین کہ علوم فطری سے کیا مراد ہے
لیکن یہ ایک ایسا مشکل ترین سوال ہے کہ اسکا ٹھیک جواب فلاسفہ کی جانب سے ابتک
کوئی نہین دیا گیا حالانکہ در اصل اسی سوال کے حل پر ساری بحث کا دار مدار ہے۔ ہیوم نے
اس بحث کا جو فیصلہ کیا ہے وہ ایک حد تک ہمکو نہایت پسند ہے ہمکو اختصار کا پہلو جو مدنظر
ہے اوسکے لحاظ سے ہم ہیوم کے فیصلہ کو نقل کرنا کافی سمجھتے ہین۔ ہیوم کہتا ہے کہ۔

جن لوگون نے علوم اولیہ فطریہ کا انکار کیا ہے انکا مطلب اس انکار سے بجز اسکے کچھ نہین
ہے کہ انسان کے تمام تصورات کی پیدائش کسی نہ کسی سابق احساس سے ہوتی ہے
اور اس بنا پر وہ علوم فطریہ کی صنف کو بے معنی سمجھتے ہین اس بحث کے متعلق درحقیقت
فیصلہ کن سوال یہ ہے کہ علوم فطریہ سے مراد کیا ہے؟ اگر علوم فطریہ سے یہ مراد ہے
کہ جو فطرت کے جانب سے ودیعت کیے گئے ہین تو ظاہر ہے کہ یہ معنی بہت وسیع ہین اور
اس معنی مین فطری کا لفظ کبھی مصنوعی کے مقابل مین استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی خرق
عادت کے مقابل مین لیکن بہرصورت اس معنے کے لحاظ سے تصورات کے علاوہ دیگر
کوائف نفسانی یعنے حسیات جذبات اور ارادہ وغیرہ کو بھی فطری قرار دینا پڑیگا اور اگر
فطری سے مراد یہ ہے کہ وہ علوم جنکی پیدائش ولادت کے وقت بلکہ اس سے بھی پیشتر سر
ہوتی ہے تو اس معنے کے لحاظ سے گویا اس بحث کا ماحصل یہ ہوگا کہ انسان کی کیفیات
نفسیہ کی پیدائش کے وقت کی تحقیق کیجاے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بحث کسیقدر فضول ہے
پھر اسکے علاوہ بڑی مشکل یہ ہے کہ لاک وغیرہ کی تحریرات مین لفظ تصور مختلف مواقع
کے لیے استعمال کیا گیا ہے لاک نے تصور کا اطلاق ایک موقع پر حسیات پر کیا ہے
دوسری جگہ جذبات پر اور تیسری جگہ تخیلات و تصورات پر، پس اگر ان مختلف

استعمالات کو مدنظر رکھا جائے تو اس صورت مین صرف تخیلات کے ساتھ علوم فطریہ کی تخصیص کی کوئی وجہ معلوم نہین ہوتی اور اس صورت مین تصورات کی طرح جذبات وغیرہ کے متعلق بھی فطری ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر ان معنون سے قطع نظر کرکے لفظ فطری کی تشریح اسطرح کیجائے کہ علوم فطریہ وہ علوم ہین جو کسی سابق احساس سے نہ پیدا ہوے ہون تو اسی معنی کے لحاظ سے اس بحث کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ احساسات بیشک الہام فطرت سے پیدا ہوتے ہین یعنے یہ کہ انکی پیدایش سابق احساسات سے نہین ہوتی لیکن تصورات سب کے سب غیر فطری ہین یعنے تصورات کی پیدائش الہام فطرت سے نہین بلکہ سابق احساسات سے ہوتی[1] ہے،

یہ ہیوم کا فیصلہ ہے اور اسی فیصلہ کو ہم یہان اس بحث کے لیے کافی سمجھتے ہین گو اس عمومیت کے ساتھ ہم علوم اولیہ کے انکار مین ہیوم کے مؤید نہین ہین،

اعمال تصور کی تحدید (۳) لیکن جب یہ ثابت ہوگیا کہ تصور اپنی زبردست طاقت کے باوجود حسیات کے حدود مین مقید رہتا ہے، اور کوئی تصور حسیات کے دائرہ سے باہر نہین جا سکتا تو اب یہانپر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر تصور کی وسعت حدود کے کیا معنی ہین اور اگر تصور محض حسیات کی حد کے اندر محدود ہے تو پھر ہمارے ذہن مین وہ تصورات کیون پیدا ہوتے ہین جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا یہ کہنا صحیح ہے کہ ایسے تصورات ہمارے ذہن مین پیدا نہین ہوتے کیونکہ تصور کی یہی زبردست طاقت ہے جو لٹریچر مین تشبیہات اور استعارات کا مواد فراہم کرتی ہے آتش سیال کا مشاہدہ خارج مین کسنے کیا ہے؟ عنقا کو دنیا مین کس نے دیکھا ہے؟ سنہرے پہاڑ کا حال دنیا مین ابتک کس کو معلوم ہوا ہے؟

---

[1] مضمون "حقیقت علم انسانی" از ہیوم صفحہ ۳۲۱ ۱۲

آب حیات کی جستجو اور تلاش مین کون کامیاب ہوا ہے؟ غرض ہر زبان کا لٹریچر ایسے الفاظ سے پُر ہے جنکے مصداقات خارج مین موجود نہین ہوتے ہین لیکن انکا تصور ذہن مین ہوسکتا ہے اور حقیقت مین یہ تصور ہی کی کرشمہ سازی ہے جو استعارہ طرازی، تمثیل بیانی، اور تشبیہ کے پردون مین ظاہر ہوکر انسان کے خیالات مین وسعت اور زبان مین مختلف اسالیب بیان پیدا کرتی ہے،

اس سوال کا جواب دینے کی غرض سے ہمین تصور کی اس تعریف کی جانب رجوع کرنا چاہیے جو ہمنے اوپر بیان کی ہے ہماری تعریف کا ماحصل یہ تھا کہ تصور، وہ دماغی قوت ہے جو ان غیر مرئی اشیار کو ہمارے پیش نظر کردیتی ہے جنکا حس ہمین حواس کے ذریعہ سے پہلے ہوچکا ہے اس تعریف سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ گو تصور کے ذریعہ سے غیر مرئی اشیار ہماری نگاہ کے سامنے محسوس ہوکر آتی ہین لیکن ان غیر مرئی اشیار کا مواد سابقہ احساسات سے فراہم ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تصور کی تعریف سے احساسات سابقہ کی قید نکال ڈالنا تصور کی طاقت کا بیجا اور مبالغہ آمیز خیال قائم کرنا ہے تصور کی طاقت اس معنی مین بیشک وسیع ہے کہ انسان کے حواس سے اوسکو خدمت لینے کی حاجت نہین ہوتی لیکن اسکے یہ معنی نہین ہین کہ تصور نئی چیزونکو پیدا کرسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ تصور کی حالت ایک صناع کی ایسی ہے جسطرح ایک صناع ایک میز تیار کرتے وقت ان چیزون سے میز کا مصالحہ فراہم کرتا ہے جو قدرتاً میز بنانے کے کام آسکتی ہین اسیطرح تصور بھی ایک نئی چیز پیدا کرتے وقت انہی احساسات سے کام لیتا ہے جو پہلے سے اس کام مین آنے کی قابلیت رکھتے ہین اور جس طرح صناع کی قدرت سے یہ باہر ہے کہ وہ لکڑی اور لوہے اور دیگر چیزونکو نئے سرے سے خود پیدا کرے بلکہ اسکا کام صرف اسقدر ہوتا ہے

کر وہ لکڑی اور لوہے وغیرہ چیزون کو جو قدرت کی جانب سے بنی بنائی موجود ہین فراہم کرے اور اونکو ایک مناسب وضع قطع مین ترتیب دیکر ایک میز تیار کرلے بعینہ اسی طرح تصور کی طاقت سے یہ باہر ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کا ادراک کرے جس کا حس ابتک انسان کو نہین ہوسکا ہے ہان البتہ تصور یہ کرسکتا ہے کہ جو مواد ہمارے حواس نے فراہم کیا ہے انکو ملاکر انسے کسی نئی چیز کو ترتیب دے یا انہین سے بعض احساسات کو الگ کرکے نئی چیز پیدا کرے یا بعض خاص احساسات مین کسی دوسرے قسم کے احساس کا اضافہ کرکے ایک نیا مرکب تیار کرے حاصل یہ کہ تصور کا کام ایک صناع کی طرح صرف اسقدر ہے کہ وہ حواس کے جمع کردہ نظری مواد کو اکٹھا کرکے انسے نئی نئی چیزین پیدا کرتا رہے،

لیکن اگر اس سے زیادہ تصور کی وضاحت درکار ہو تو دوسرے طریقہ پر تصور کی حالت کو یون سمجھو کہ جس طرح ایک کیمیادان کبھی بعض مرکب چیزونکو لیکر انہین سے مفرد عناصر کو الگ کرتا ہے کبھی وہ بعض متجانس عناصر کو لیکر انکو باہم ترتیب دیتا اور ان سے ایک نیا مرکب پیدا کرلیتا ہے اور کبھی بعض مخالف عناصر کو جمع کرکے انکا مزاج قائم کرتا اور مزاج قائم کرنے کے بعد ایک مناسب شکل مین انکو ترتیب دیتا ہے بعینہ اسی طرح تصور کا کام صرف اسقدر ہے کہ کبھی وہ بعض مرکب احساسات کو جمع کرکے انکی تحلیل کرتا ہے کبھی وہ متجانس احساسات کو فراہم کرکے انسے ایک نیا مرکب پیدا کرتا ہے کبھی وہ بعض مخالف احساسات کی تلاش کرکے انکے درمیان ایک فرضی رابطہ پیدا کرتا اور اسکے بعد انکو ایک نئی شکل مین ترتیب دیتا ہے اور کبھی وہ کیمیادان کیطرح چند مفرد عناصر کو لیکر انکی روح کو ایک مفہوم کلی کی صورت مین کھینچ لیتا ہے غرض ایک عمل کیمیادی کی طرح تصور کے اعمال بھی چار قسم کے ہوتے ہین،

(۱) تحلیل، یعنے مرکب محسوسات یا احساسات کو فراہم کرکے انسے مفرد احساسات کو الگ کرنا
(۲) ترکیب، یعنے متخالف احساسات یا محسوسات کو جمع کرکے ان سے ایک نیا مرکب پیدا کرنا،
(۳) تخلیط، یعنی متخالف احساسات یا محسوسات کو فراہم کرکے انکے درمیان ایک فرضی رابطہ پیدا کرنا اور اسکے بعد انکو ایک نئی شکل مین ترتیب دینا،
(۴) تجرید، یعنی بسیط احساسات یا محسوسات فراہم کرکے انسے ایک مفہوم کلی اخذ کرنا،

اعمال تصور کے ان چارون اقسام کی مثالین واضح ہین البتہ عمل تخلیط کی حقیقت کسی قدر غیر واضح ہے اس لیے ہم اسکی حقیقت کو ذیل کی مثالون سے واضح کرتے ہین،

عمل تخلیط کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ مثلاً ہمنے مختلف اقسام کے جانور اونٹ، بکری گائے، بھیڑ، وغیرہ کا الگ الگ مشاہدہ کیا ان سبکے جسمون کے الگ الگ حصے تھے انکا بھی مشاہدہ کیا لیکن اب مشاہدہ کرنے کے بعد فرض کرو کہ ہمنے ان جانورون کی اصل صورتونکو نظر انداز کردیا اور ایک ایک جانور کے جسم کے ایک ایک حصہ کا ملاکر تصور شروع کیا اونٹ کی گردن لیلی، بکری کے پاؤن اور اسیطرح جتنے جانورونکا مشاہدہ ہم کرچکے ہین انکے جسم کا ایک ایک حصہ لے لیا اور ان سب کو ترتیب دیکر ذہن مین ایک نئی چیز کا تصور پیدا کرلیا تو اگرچہ اس صورت مین ایک نئی چیز ہمارے تصور مین پیدا ہوگئی ہے لیکن درحقیقت یہ نئی نہین ہے بلکہ قبل کے احساسات کا نتیجہ ہے اسی طرح فرض کرو کہ ہم اسوقت سونے کے پہاڑ کا تصور کررہے ہین ظاہر ہے کہ ہمنے سونے کا پہاڑ کبھی نہین دیکھا ہمنے کیا کسی نے نہ دیکھا ہوگا مگر اسکا تصور ہمارے ذہن مین پیدا اسطرح ہوا کہ سونے کا مشاہدہ ہم کرچکے تھے اور پہاڑ بھی ہمنے دیکھا تھا اب ہمنے یہ کیا کہ اپنے ذہن مین ان دو احساسات کو جو علیحدہ علیحدہ تھے اور

مختلف اوقات مین ہمکو حاصل ہوے تھے یکجا کرکے انسے ایک نیا تصور ایک نئی چیز کا
پیدا کر لیا جو اپنی موجودہ حالت مین غیر مرئی اور غیر مشاہد ہے لیکن اس مرکب تصور کے
مفردات ہمارے مشاہدہ مین آچکے تھے۔ پس عمل تخلیط کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عمل
تخلیط کی بنا ہمیشہ اس خاص رابطہ پر ہوا کرتی ہے جو دو متخالف چیزونکے درمیان ذہن پیدا
کر لیتا ہے اور عموماً یہ رابطہ مصنوعی اور فرضی ہوا کرتا ہے مساوات اور مماثلت کے تصورات
کو بھی ترکیب اور تخلیط ہی کے نتائج عمل سمجھنا چاہیے لیکن مساوات و مماثلت حقیقی اور مساوات
و مماثلت غیر حقیقی کے درمیان فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اگر وہ رابطۂ مساوات و مماثلت
یقینی اور واقعی ہے تو اوسکو ہم استقراء تام کی بنا قرار دیسکتے ہین لیکن اگر وہ مصنوعی اور
غیر واقعی ہے تو وہ تمثیل تشبیہ، اور استعارہ کے کام آتا ہے وہ لوگ جنکی قوت عقلی کمزور ہوتی
ہے عموماً اس قسم کا فرضی رابطہ اپنے ذہن مین جلد پیدا کر لیتے ہین غرض یہی چار اعمال
تصور ہین جو انسان کے تمام ادراکات و تصورات کی بنا ہین تجرید و تحلیل سے نئے نئے
بسیط تصورات حاصل کیے جاتے ہین اور ترکیب و تخلیط سے مرکب علوم و تصورات۔
اشیاء کی مماثلتون کا دریافت کرنا اور اونکے اختلافات کی تحقیق کرنا تمام مرکب علوم انسانی
کا ماحصل ہے استقراء، قیاس، تمثیل، جو فکر و نظر کی مختلف صورتین ہین وہ انہی دو مختلف
اعمال تصور ترکیب و تخلیط سے اپنا مواد فراہم کرتی ہین لیکن چونکہ ان چارون اعمال مین سے
عمل تجرید کو بسیط علوم کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور عمل تجرید کی حقیقت کی ناواقفیت
اکثر فلسفیانہ غلط فہمیون کی باعث ہوئی ہے اس لیے ہم کیفیت تصور کی تشریح کے بعد اپنے
وعدہ کے مطابق تجرید ذہنی سے بھی بحث کرینگے البتہ عمل ترکیب و عمل تخلیط سے بحث کرنا
ہمارے فرض مین داخل نہین ہے کیونکہ وہان سے مرکب تصورات و ادراکات کی سرحد

شروع ہوتی ہے حالانکہ ہم اس مضمون مین صرف علم بسیط کی حقیقت سے بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہین ہان البتہ تصور کی ترکیب وارتقار کے قوانین نفسی بتاے دیتے ہین جنکے مطابق تصورات کی ترقی وترکیب عمل مین آتی ہے لیکن ہم ان قوانین سے بھی اسی حد تک بحث کرینگے جس حد تک کہ انکا تعلق علم بسیط اور کیفیت تصور کی فصاحت وتشریح کے ساتھ وابستہ رہے،

(۳۲) تصور کی ترکیب وارتقار کے قوانین نفسی

اتنی بات ہر شخص جانتا ہے اور اس بات کا تجربہ ہر شخص کو اپنی زندگی مین ہوتا ہے کہ انسان کے ذہن مین اسکی زندگی کے اکثر لمحون مین تصورات کا ایک لگاتار سلسلہ جاری رہتا ہے حالت خواب مین جب قوائے دماغی پر اسفل مراکز عصبی کا غلبہ ہوتا ہے اسوقت اس سلسلہ مین اور ترقی ہوجاتی ہے نیز اسکے ساتھ ہر شخص کا یہ بھی تجربہ ہے کہ یہ لاتناہی تصورات بلاکسی خاص تعلق کے نہین پیدا ہوتے ہین بلکہ ان تصورات مین باہم کسی نہ کسی قسم کا علاقہ ضرور ہوتا ہے جسکے باعث ذہن انسانی مین بسیط تصورات سے لیکر مرکب اور مرکب در مرکب تصورات کی پیدائش برابر ہوا کرتی ہے بلکہ مرکب تصورات کے علاوہ ہم اُن تصورات مین بھی باہم کوئی نہ کوئی علاقہ ضرور پاتے ہین جو بظاہر ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق نظر آتے ہین بیداری کے عالم کے علاوہ حالت خواب مین بھی ہمپر جن تصورات کا استیلار ہوتا ہے وہ بھی گو بظاہر باہم بے تعلق نظر آتے ہین لیکن درحقیقت انہین بھی باہم کوئی نہ کوئی دقیق ربط وعلاقہ ضرور ہوتا ہے اسیطرح یہ بھی عجیب بات ہے کہ بعض اوقات دو مختلف زبانون کے بعض ہم معانی الفاظ مین ایک خاص مشابہت پائی جاتی ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ مختلف تصورات مین باہم کوئی نہ کوئی علاقہ ضرور ہوتا ہے جسکی بنا پر ایک تصور کے

پیدا ہوتے ہی دوسرا تصور بھی ذہن مین پیدا ہوجاتا ہے نفس ذہنی کا یہی قانون ہے جسکو اصطلاح مین قانون ایتلاف ذہنی کہتے ہین، اس قانون کا منشا یہ ہے کہ بعض دو یا زائد تصورات مین باہم ایک ایسا گہرا تخصیصی تعلق ہوتا ہے کہ جب انمین سے ایک تصور ذہن مین پیدا ہوتا ہے تو دوسرا تصور بھی ضرور پیدا ہوجاتا ہے یہی قانون ہے جو ذہن مین تصورات کی ترکیب وارتقار کا باعث ہوتا ہے،

لیکن سوال یہ ہے کہ اس قسم کے تخصیصی تعلقات کی تحدید کیا ہے؟ یعنی یہ کہ وہ کون سے تعلقات ہوتے ہین جنکی بنا پر قانون ایتلاف ذہنی تصورات انسانی پر عامل ہوتا ہے؟ بالفاظ دیگر اس قانون کی فعلیت کی کتنی صورتین ہین؟

متقدمین فلاسفۂ حال مین سے ہیوم نے اس قانون کی فعلیت کی تین صورتین بتائی ہین جو اسکے اوراق سے حسب ذیل ہین،

(۱) **علاقۂ علیت** - یعنی جو دو چیزین باہم علت ومعلول ہوتی ہین انمین سے ایک کا تصور ذہن مین جب پیدا ہوتا ہے تو معًا دوسری چیز کا تصور بھی پیدا ہوجاتا ہے مثلاً اگر ہم کسی وقت زخم کا تصور کرتے ہین تو فورًا ہمارے ذہن مین اس تکلیف اور اذیت کا تصور بھی پیدا ہوتا ہے جو اس زخم کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوا تھا،

(۲) **علاقۂ مقارنت زمانی یا مکانی** - یعنے جب دو یا زائد چیزین ہم مکان یا ہم زمان ہوتی ہین تو ہمارے ذہن مین جب انمین سے کسی ایک کا تصور پیدا ہوتا ہے تو فورًا دوسری چیز کا تصور بھی پیدا ہوجاتا ہے مثلاً اگر ہم کسی عمارت کے ایک حصہ کا صرف تصور کرین تو خواہ مخواہ ہمارے ذہن مین اس عمارت کے دوسرے حصون کا بھی تصور پیدا ہوجائیگا،

(۳) **علاقۂ مماثلت** - یعنی جب دو یا زائد چیزون مین باہم مماثلت ہوتی ہے تو مثل کے

تصور کے ہمارے ذہن مین پیدا ہوتے ہی مثل کا تصور خواہ مخواہ پیدا ہوجاتا ہے مثلاً اگر ہم کسی شئے کی تصویر یا فوٹو کا تصور اپنے ذہن مین کرین تو فوٹو کے تصور سے خواہ مخواہ ہمارے ذہن مین اسکی اصل کا بھی تصور پیدا ہوجائیگا۔

یہ ہیوم کی تحدید ہے جو اسنے بتائی ہے لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تحدید ناقص ہے کیونکہ قانون ایتلاف ذہنی کی فعلیت کی ایک صورت علاقۂ تضاد بھی ہے جسکو ہیوم نے مذکورہ بالا صورتون مین سے کسی صورت مین داخل نہین کیا ہے، ہیوم نے خود اس شبہہ کا ازالہ کیا ہے وہ کہتا ہے،

"ان تین صورتون کے علاوہ اس قانون کی فعلیت کی ایک صورت علاقۂ تضاد ہے لیکن علاقۂ تضاد درحقیقت علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت کے مجموعہ کا نام ہے یہ ظاہر ہے کہ جب دو چیزون مین تضاد ہوتا ہے تو انمین سے ایک چیز دوسری چیز کی فنا اور زوال کا باعث ہوتی ہے اور یہی علیت کی شان ہے پھر اسکے فنا کے تصور سے ذہن مین اسکے سابق وجود کا تصور پیدا ہوتا ہے اور یہ علاقۂ مماثلت کی شان ہے پس درحقیقت علاقۂ تضاد کوئی نیا علاقہ نہین بلکہ علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت کے مجموعہ کا نام[1] ہے"

لیکن ہیوم کی تحدید اب بھی ہمارے نزدیک ناقص ہے علاقۂ تضاد کو جس بنا پر اسنے علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت دونون کا مجموعہ فرض کیا ہے وہ ہمارے نزدیک بے اصل بات ہے جب دو چیزون مین علاقۂ تضاد پایا جائیگا تو دونون مین مثلیت کہان سے آئیگی دو چیزون مین مثلیت کے باوجود تضاد کا پایا جانا صریحی تناقض نہین تو اور کیا ہے؟

---

[1] مضمون حقیقت "علم انسانی" صفحہ ۳۲۱-۱۲،

علاوہ برین اگر علاقۂ تضاد کو علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت کا مجموعہ فرض کیا جاسکتا ہے تو کم از کم علاقۂ مقارنت زمانی کو تو علاقۂ علیت مین شمار کرنا زیادہ مناسب ہوگا حکیم ہیوم سے تو تعجب ہی کہ اسنے علاقۂ تضاد کو علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت کا مجموعہ فرض کیا لیکن علاقۂ علیت کو علاقۂ مقارنت مین شمار نہین کیا حالانکہ علت کے متعلق تو خود ہیوم کا یہ خیال ہے کہ علت و معلول مین کوئی ذاتی علاقہ باعثہ نہین ہوتا بلکہ محض دو چیزونکی باہمی زمانی مقارنت کو دیکھکر ہم عادۃً دونون کے درمیان ایک خاص علاقہ پیدا کر لیا کرتے ہین جسکو ہیوم علاقۂ عادی کہتا ہے پس ہیوم کے اس خیال کی بناء پر علت و معلول مین باہم درحقیقت علاقۂ مقارنت کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ ہی نہین ہوتا اور اسی لیے ہیوم نے علت کی تعریف مین مقارنت زمانی کے علاوہ اور کسی قید کا لحاظ ہی نہین کیا ہے حاصل یہ کہ ہیوم نے علت کی جو تھیوری بتائی ہے اسکی بناء پر علاقۂ علیت کا علاقۂ مقارنت مین شمار کرنا زیادہ مناسب ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ علیت علاقۂ مقارنت ہی کی ایک شکل کا نام ہے البتہ بعض لوگونکے نزدیک علاقۂ مقارنت اور علاقۂ علیت مین فرق صرف اسقدر ہوتا ہے کہ انکے نزدیک علت و معلول مین مقارنت زمانی کے علاوہ ایک بات اور پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ علت مین ایک ایسی قوت ہوتی ہے جسکی بناء پر معلول کا صدور علت سے ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علت سے معلول کا صدور گو نہین ہوتا مگر دونون باہم لازم ملزوم ہوا کرتے ہین اور مقارنت زمانی اسوقت بھی دونون مین پائی جاتی ہے پس درحقیقت لزوم اور تعلیل یہ دونون علاقے بھی علاقۂ مقارنت کے اندر شامل ہین اور اس لیے ہمارے نزدیک علاقۂ تضاد کو علاقۂ مماثلت اور علاقۂ علیت کا مجموعہ فرض کرنے کے بجائے اسکو ایک مستقل علاقہ

قرار دینا چاہیے اور علیت اور لزوم کو علاقۂ مقارنت زمانی مین شمار کرنا چاہیے پس اس اصول کی بناء پر ہمارے نزدیک قانون ایتلاف ذہنی کی تین صورتین ہین جو ہیوم کی بیان کردہ صورتون سے تھوڑا سا مختلف ہین،

(۱) علاقۂ مقارنت۔ یعنے جب دو یا زائد چیزون مین مکانی یا زمانی حیثیت سے نفس ذہن قرب یا اتصال محسوس کرتا ہے تو جب انمین سے کسی ایک چیز کا تصور ذہن مین پیدا ہوتا ہے تو دوسری مقارن شئے کا تصور بھی خواہ مخواہ اسکے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے مثلاً جب ہم دھوین کا تصور کرتے ہین تو دھوین کے ساتھ ساتھ آگ کا تصور بھی ہمکو فورًا ہوتا ہے کیونکہ آگ اور دھوان ہمارے ذہن مین مقارنت کے سبب سے اس طرح باہم لازم ملزوم ہوگئے ہین کہ نفس دھوین اور آگ کے تصور مین انفصال کو قبول نہین کرتا اور چارو ناچار ایک تصور کے ساتھ دوسرا تصور بھی پیدا ہوجاتا ہے یا اسی طرح مثلاً اگر ہم کسی عمارت کے ایک حصہ کا صرف تصور کرین تو اس عمارت کے دوسرے حصونکا تصور بھی ہمارے ذہن مین ضرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن علاقۂ مقارنت کی تین صورتین ہین،

(۱) وہ دو چیزین جو ساتھ ساتھ پائی جارہی ہین باہم علت و معلول ہون یعنی یا یہ کہ انمین سے ایک چیز کا وجود دوسری چیز کی وجہ سے ہوا ہو اور یا یہ کہ ان دو چیزون کے درمیان بار بار کے تجربہ کی بناء پر خود نفس ذہنی نے ایک عادی رابطہ علیت و معلولیت کا پیدا کرلیا ہو تو جب ان دو چیزون مین سے کسی ایک چیز کا تصور ہم کرتے ہین تو دوسری چیز کا تصور بھی ہمارے ذہن مین ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم کسی زخم یا پھوڑے کا تصور کرتے ہین تو ہمین ساتھ ساتھ اس اذیت اور تکلیف کا بھی تصور ہوتا ہے جو اس زخم سے ہمکو محسوس ہوئی تھی۔ یا مثلاً جب ہم کسی مصنوع چیز کا تصور کرتے ہین تو اسکے

صانع کی جانب بھی ہمارا خیال ضرور جاتا ہے،

(۲) وہ دو چیزین جو ساتھ ساتھ پائی جاتی ہین باہم علت و معلول تو نہون لیکن انمین رابطۂ لزوم پایا جاتا ہو اس صورت مین بھی لازم کے تصور سے ملزوم اور ملزوم کے تصور سے لازم کا تصور ہوتا ہے،

(۳) وہ دو چیزین جو ساتھ ساتھ پائی جاتی ہین انمین باہم نہ رابطۂ علیت ہو اور نہ علاقۂ لزوم بلکہ محض ویسی مقارنت ہو جیسی دن اور رات مین پائی جاتی ہے مثلاً جب ہم کسی خاص شخص کا تصور کرتے ہین تو اسکے ان تمام تشخصات خارجی کا بھی تصور ہوتا ہے کہ اسکی داڑھی طویل اور گھنی ہے اور اسکا سر منڈا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ،

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو واقعات اتفاقیہ ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہوتے ہین انکی یہ اتفاقی مقارنت زمانی نفس مین کچھ اسطرح منتقش اور مرتسم ہو جاتی ہے کہ اب ایکبار کی مقارنت ہمیشہ کے لیے ذہنی ایتلاف کی باعث ہو جایا کرتی ہے مثلاً اگر کبھی کھانا کھاتے وقت ہمارے مربہ مین مکھی گر پڑی اور ہمین اس مربہ سے نفرت پیدا ہوئی تو اب ان دونون واقعون کی مقارنت زمانی ہمارے ذہن مین کچھ ایسی مرتسم ہو جاتی ہے کہ مربہ کا تصور کرتے ہی ہمارے ذہن مین مکھی کے گرنے کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی محض اس تصور کی بنا پر ہماری طبیعت مالش بھی کرنے لگتی ہے،

(۲) علاقہ مماثلت، یعنی جب دو یا زائد چیزین باہم مشابہ ہوتی ہین تو جب انمین سے ایک چیز کا تصور ہمارے ذہن مین پیدا ہوتا ہے تو دوسری چیز کا تصور بھی ذہن مین فوراً پیدا ہو جاتا ہے مثلاً کسی شے کی تصویر یا اسکے فوٹو کا جب ہم تصور کرتے ہین تو فوراً اسکی اصل کا خیال بھی ہمارے ذہن مین ضرور ہوتا ہے،

(۳) علاقۂ تضاد، یعنی جب دو یا زائد چیزون مین تضاد ہوتا ہے تو انمین سے کسی ایک چیز کے ہمارے ذہن مین آتے ہی دوسری چیز کا تصور بھی معًا ہمارے ذہن مین پیدا ہوجاتا ہے مثلاً یہ ہم جانتے ہین کہ دن اور رات مین تضاد ہے اب جب کبھی ہم دن کا تصور کرتے ہین تو رات کا خیال بھی ساتھ ساتھ ہمارے ذہن مین آتا ہے،

مصریون کی مذہبی حالت

(۱)

(از مولوی عبدالرزاق ندوی)

جس طرح ہر ملک اور قوم کے افراد مین تین طبقے ہوتے ہین، اعلیٰ، متوسط، اور ادنیٰ اور ان مین سے ہر ایک اپنے اخلاق و عادات، رسم و رواج، طرز معاشرت اور معتقدات و اعمال مذہبی مین ایک حد تک نمایان فرق و امتیاز رکھتا ہے، اسی طرح مصر مین بھی یہ تینون طبقے مع اپنی خصوصیات اور جداگانہ حیثیت کے موجود ہین، اور چونکہ اس ملک مین قومیت اور خاندانی شرافت کو چندان اہمیت حاصل نہین ہے، اور معیشت کے گران ہونیکی وجہ سے اچھی زندگی بسر کرنے کے لئے کثیر مصارف کی ضرورت ہوتی ہے، اسلئے وہان خاندانی تقسیم و تحدید دولت و ثروت کے اعتبار سے کیجاتی ہے چنانچہ دولت مند لوگ شرفا، یا اعلیٰ طبقہ مین سمجھے جاتے ہین، اور غریب و نادار ادنیٰ مین، اور متوسط الحال، طبقہ متوسطہ مین -

مصر کے اعلیٰ و ادنیٰ طبقون کو تو جانے ہی دو، کیونکہ ان دونون کی حالت از حد زبون ہے نہ ان کے اخلاق و عادات ہی درست ہین، اور نہ اُن مین بمعنی صحیح انسانیت ہی پائی جاتی ہے ادنیٰ طبقہ جہالت کے دیوتا پر بھینٹ چڑھ گیا ہے، اور اعلیٰ شہوات نفسانی اور تمدن مغربی کا شکار ہوگیا ہی، رہا متوسط طبقہ تو وہ خیرالامور اوساطہا کے مطابق ان دونون سے بہتر حالت مین ہے، اور اسمین کچھ کچھ روحانیت اور مذہبی زندگی پائی جاتی ہے، مجھسے ایک مرتبہ ایک روشن خیال مصری نے سوال کیا کہ مسلمانان ہند اور مسلمانان مصر مین مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کیا فرق ہے، اسکا جواب مین نے یہ دیا تہا کہ نمایان فرق صرف ادنیٰ طبقہ مین ہے، ہندوستان

مین جو مسلمان اپنی قومیت کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ مین شمار کئے جاتے ہین، وہ مصری مسلمانون سے کہین بہتر حالت مین ہین بلکہ بعض حیثیتون سے تو انہین کو اول درجہ کے مسلمان تصور کرنا چاہیئے رہے اعلیٰ اور متوسط درجہ کے مسلمان تو انکی حالت دونون ملکون مین تقریباً یکسان ہے، اگرچہ متوسط درجہ کے ہندوستانی مسلمان مصریون سے بہتر ہین -

ہندوستانیون اور مصریون کے مذہبی نقطۂ نظر مین بڑا فرق ہے (اگرچہ وہ بتدریج کم ہورہا ہے) ہندوستان کے مسلمان اسلام کو ابتک صرف ایک مذہب اور روحانی ہدایت کی حیثیت سے دیکھتے اور جوکچھ کرتے ہین، اسی خیال کی بنا پر کرتے ہین، برخلاف اُنکے مصری اُسے زیادہ تر سیاسی اہمیت دیتے ہین، اور اُسکے لئے اسی وقت جوش و خروش اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہین، جب سیاسی نقطۂ نظر سے اسکی ضرورت محسوس کرتے ہین، چنانچہ ہم اپنے اس خیال کی تائید مین بکثرت واقعات پیش کرسکتے ہین، ہندوستان مین ایک مسجد ڈہا دیجاتی ہے، تعزیہ یا قربانی روک دیجاتی ہے، یا اسلامی پیشواؤن کی نسبت توہین آمیز کلماتِ استعمال کئے جاتے ہین، کیا ہوتا ہے؟ پشاور سے سیلون تک اور کلکتہ سے بمبئی تک تمام اسلامی آبادی مین ایک بےچینی پہیل جاتی ہے، اور جوش و خروش کے دریا موجین مارتے نظر آتے ہین، لیکن یہ بےچینی سیاسی موقعون پر ظاہر نہین ہوتی، (اگرچہ اب بہت کچھ تغیر ہورہا ہے) برعکس اسکے مصر مین مسجدین علی الاعلان ڈہا دیجاتی ہین، (جیسے جامع متبولی وغیرہ) یا ان مین انگریزی مسیحی فوجین رہتی، محراب کو سنڈاس بناتی اور دالانون مین سور ذبح کرتی ہین، (مثلاً جامع الملک الظاہر، ان سب واقعات کی تفصیل سفرنامہ مین مذکور ہے) مگر مصریون کے کان پر جون تک نہین رینگتی، اور غیرتِ اسلامی مین کوئی جنبش نہین پیدا ہوتی، لیکن اگر کوئی اسلامی سیاسی حادثہ واقع ہوجاتا ہے تو پھر ان کے جوش کی کوئی حد نہین رہتی، خوب شور و غل کرتے اور دل کھول کر مالی مدد کے لئے

تیار ہوجاتے ہین، جیساکہ واقعہ دنشوائی، جنگ طرابلس، جنگ بلقان، گذشتہ جنگ عظیم، التوائے جنگ کے بعد آزادی کی جد وجہد، اور جامع ازہر مین انگریزی فوجون کے داخلہ کے موقع پر ظاہر ہوچکا ہے،

پس ایسی حالت مین یہ بالکل بیجا ہے کہ ہم مصریون کو تقدس و تقوی کے لباس مین قائم اللیل وصائم النہار، کم گو، کم خوراک، اور صحابہ کے رنگ مین رنگا ہوا دیکھنے کی خواہش کرین، بلکہ جتنی بھی روحانیت اور مذہبیت اُنسے ظاہر ہو، اسی کو غنیمت سمجھنا اور اُسپر خدا کا شکر بجالانا چاہیئے، کیونکہ اول تو ان کا مذہبی نقطۂ نظر ہم سے جدا ہے، جیساکہ مذکور ہوا، اور دوسرے وہ ایک ایسے مرکز پر واقع ہوئے ہین جہان کمزور مشرق اور زبردست مغرب کا سنگم ہوتا ہی جہان ہمہ وقت مختلف خیالات اور متضاد واقعات کا ظہور ہوتا رہتا ہے، اور جہان عرصۂ دراز سے قدیم وجدید خیالات مین محاربۂ عظیم برپا ہے، جسمین ابتک کسی نے اپنی شکست تسلیم نہین کی ہے، پس ایسی صورت مین کسی قوم کا اپنی قدیم روایات اور معتقدات کا بجنسہ برقرار رکھنا اگر ناممکن نہین تو سخت دشوار ضرور ہے، مصری پھر بھی قابل ستائش ہین کہ باوجود ان تمام مشکلات کے ابتک اُنھون نے بہت کچھ اپنی مذہبیت کی محافظت کی ہے، اور اب بھی ان مین جذبۂ اسلامی کی وہ چنگاری موجود ہے، جسے اگر ہوا دیجائے تو جلد انگارہ بن سکتی، اور پھر آتشِ سوزان کی شکل اختیار کرسکتی ہے، چنانچہ اگر مسجدون کو جاکر دیکھئے کہ جنکی تعداد قاہرہ مین بہت ہی تو وہ نمازیون سے بھری پڑی نظر آئینگی، جنمین صرف جبۂ و دستار ہی نہین بلکہ کوٹ پتلون بھی دکھائی دینگے، ہندوستان کی طرح نہین کہ جس نے انگریزی پائجامہ ٹانگون پر چڑھالیا اسکے لئے مسجد مین داخل ہونا یا نماز پڑھنا باعثِ ننگ وعار ہوگیا!

مصری اپنی نمازون مین صرف ٹکرین ہی نہین لگاتے بلکہ ایک حد تک خضوع وخشوع

بھی رکھتے ہین، جو ہم ہندوستانیون کی نماز دن مین عموماً مفقود ہوتا ہے، جسکی وجہ میرے نزدیک یہ ہو کہ عربی اُنکی مادری زبان ہے، جو اگرچہ غیر فصیح ہے تاہم وہ قرآن مجید اور اپنی مناجاتون کو بہت کچھ سمجھتے اور اُن سے متاثر ہوتے ہین، اُنکا تاثر اسوقت قابل دید ہوتا ہے، جب امام خطبۂ جمعہ مین مسلمانون کے موجودہ تنزل وانحطاط، جہنم کے مصائب و آلام اور مجرمون پر اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کا تذکرہ کرتا ہے، بہتون کی آنکھین اشکبار ہوتی ہین، اور بہتیرے تھرتھرانی ہوئی دبی آواز مین (اللہ اللہ اللھم احفظنا، اللھم احفظنا) کہتے ہوئے سنائی دیتے ہین، خصوصاً اسوقت اُنکی حالت اور بھی عجیب ہوتی ہے جب خطیب اپنے نرالے انداز اور عربی لہجہ مین یہ دعا شروع کرتا ہو اللھم نصر من نصر دین محمد! واخذل من خذل دین محمد! اللھم نصر عبدک وابن عبدک الخاضع لعز جلالک و مجدک، من ایدتہ بعنایتک وحفظتہ بعین رعایتک، امیر المؤمنین سلطاننا سلطان المسلمین السلطان وحیدالدین محمد السادس! اعزہ اللہ اللھم نصر عساکرہ" تو اس دعا کے ہر ہر بند پر آمین! آمین! کے شور سے مسجد گونج اٹھتی ہو، اور بازگشت کی آوازین در و دیوار سے نکل کر عجب ہیبت اور عجب سمان پیدا کردیتی ہین، اسی بنا پر مین مصریون کے مذہبی مستقبل سے مایوس نہین ہون، کیونکہ ایمان و اتقار کی پہلی شرط یعنی "تاثر" اُن مین بدرجہ اتم موجود ہے قلب قبول اصلاح کی پوری صلاحیت رکھتے ہین، اور باشندے ہر مفید صدا پر لبیک کہنے کو آمادہ معلوم ہوتے ہین، لیکن وائے برحال مسلمانان! کوئی بندۂ خدا ہو بھی تو جو نعرۂ حق بلند کرے! علمار "ورثة الانبیار" کو حلوے مانڈے سے کہان فرصت کہ وہ اپنے اس فرض کی جانب متوجہ ہون! الہم ارحم! الہم ارحم! علمار ہند، علمائے مصر کی حالت پر متاسف ہون، کیونکہ اُنکی بھی یہی حالت ہے، مسئلۂ خلافت مین انکی سرگرمی ضرور قابل تعریف ہے، بشرطیکہ وہ دنیاوی آلائشون سے پاک ہو، اور دوامی صورت اختیار کرے، لیکن مجھے شبہہ ہے کہ اس مقدس جماعت مین بڑی تعداد ابتک ایسے حضرات کی ہے جو مصلحت وقت کو اکثر پس پشت ڈال کر پیشتر ذاتی مصلحتون کو

دیکھتی، اور کانفرنسون مین جاکر سب سے پہلے اُسکی نظر "باورچیخانہ" پر پڑتی ہے، خدا کرے کہ میرا یہ شبہہ غلط ہو!

مصریون مین ایک بڑی صفت مذہبی بے تعصبی کی ہے، یہ دیکھکر ازحد مسرت ہوتی ہے کہ ایک ہی مسجد اور ایک ہی امام کے اقتدار مین حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سب ہی بے تکلف نماز ادا کرتے ہین، کوئی زیر ناف ہاتھ باندھے ہوئے ہے، کوئی سینہ پر، اور کوئی بالکل چھوڑے کھڑا ہے (مالکی) کوئی "آمین" باواز بلند کہتا ہے، اور کوئی آہستہ سے، مگر کسی کو کسی پر کوئی اعتراض نہین ہوتا، اور نہ ہندوستان کی طرح جوتیون مین دال بٹنے لگتی ہے، مصر مین اگرچہ چارون ائمہ کے پیرو موجود ہین، لیکن کوئی بھی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علحدہ قائم نہین کرتا، بیشک بڑی مسجدون مین چارون مصلے موجود ہین، جنمین یکے بعد دیگرے پنجوقتہ نمازین بھی ہوتی ہین، مگر یہ کبھی نہین دیکھا گیا کہ کسی نے دوسرے فرقہ کے امام کی اقتدار مین نماز پڑھنے سے گریز کیا ہو، بلکہ جسے جو جماعت ملجاتی ہے وہ اسمین بلاپس وپیش شریک ہوجاتا ہے، کیا ہم ہندوستان مین بھی ایسی ہی رواداری دیکھنے کے متمنی ہوسکتے ہین؟ کم از کم نصف صدی تک تو نہین،

افسوس ہے کہ مسلمانان مصر زکوۃ کی جانب سے عموماً بے توجہی برتتے ہین، صرف غیر مذہبی ہی نہین بلکہ متدین اور پرہیزگار بھی، جسکی ذمہ داری میرے خیال مین سراسر علماء ازہر کے سر ہے جنہون نے اُنکو یہ لٹکہ بتاکر گمراہ کردیا ہے، کہ حولان حول ہونے سے پیشتر ہی مال کو کسی اور کے نام منتقل کردو، اور جب اس شخص پر زکوۃ واجب ہونے لگے تو پھر مال کو اپنے نام واپس کرلو، اسی طرح کبھی ملکہ مال پر پورا سال نہ گذریگا، اور نہ زکوۃ دینا پڑیگی،

چنانچہ لوگون کا اسی پر عملدرآمد ہے، شوہر کبھی بیوی کو "زبانی ہبہ" کردیتا ہے اور کبھی بیوی شوہر کو! لیکن برخلاف زکوۃ کے مصری حج کرنے بکثرت جاتے ہین، ہندوستانیون کی طرح

کاسۂ گدائی ہاتھ مین لئے ہوئے ہین بلکہ اطمینان و فراغت کے ساتھ،

بدعات

مصریون کی مذہبی حالت پر جب ایک خالص عقیدہ رکھنے والا مسلمان نظر ڈالتا ہے تو یہ دیکھکر اُسکا کلیجہ شق ہوجاتا ہے کہ اُنھون نے بدعات و خرافات کو جزو اسلام بنا رکھا ہے، حتی کہ اُن کے تقریبًا تمام مذہبی اعمال مین انکی آمیزش ہے، میرے نزدیک انکی اس افسوسناک حالت کے ذمہ وار سلاطین دولت فاطمیہ ہین، جنکی سیاست کا اقتضا یہی تھا کہ مسلمانون کے عقاید بگڑ جائین، پھر اُنکے بعد ذمہ داری ان علما، پر عاید ہوتی ہے، جنھون نے محض اپنے ذاتی فواید اور دنیاے دون کی خاطر ان بدعات کو قائم رکھا، بلکہ انھین اور تقویت دی، ذیل کے بیان سے اس اندوہناک حالت کا اندازہ ہوسکیگا،

اذان، جو شعائر اسلام مین نہایت اہمیت رکھتی ہے وہ بھی بدعت کی دست اندازی سے نہ بچ سکی، فجر کے وقت موذن مینارون پر چڑھکر اذان سے پہلے "قصیدہ بردۃ" کے بہت سے اشعار خوش الحانی اور بلند آہنگی سے پڑھتے اور پھر اذان شروع کرتے ہین، دیگر اوقات مین یہ گانا تو نہین ہوتا، لیکن اذان کے قبل اور بعد حمد و نعت کا پڑھا جانا ضروری خیال کیا جاتا ہے، افسوس ہے کہ یہ بدعت مصر سے نکل کر حجاز بھی جا پہنچی ہے، اور خود مسجد کعبہ مین برتی جاتی ہے، شکر ہے کہ ہندوستان ابتک اس سے محفوظ ہے۔

قبر پرستی، مصریون مین قبیح ترین بدعت (جو درحقیقت "شرک" ہے) قبر پرستی یا ولی پرستی بھی نہایت عام ہے، وہ بزرگان دین اور اولیاے کرام مین ہر قسم کی قوتین اور اختیارات تسلیم کرتے، اور انھین کارخانۂ قدرت کے جملہ امور مین دخیل تصور کرتے ہین، چنانچہ انکی قبرون کی انتہائی تعظیم و تکریم کیجاتی، ان سے ہر قسم کی منتین اور مرادین طلب کیجاتین، اور دکھ درد، شادی

غمی، غرضکہ ہر معاملہ مین اُن سے رجوع کیا جاتا ہے، اُنکے راضی رکھنے کے لئے اُنکے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے، قربانیان کیجاتین، سر کے بال بڑہائے جاتے، اور روزے رکھے جاتے ہین، لوگ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اُنکے اسماء کو اُسی طرح ورد زبان رکھتے جس طرح ایک مومن اسماء الٰہی کو، چنانچہ جب دیکھو اُنکی زبانون پر یہی الفاظ ہوتے ہین، یا سیدۃ زینب! یا سیدنا حسین! المدد! یا سید بدوی ادرکنی!"... ولا یذکرون اللّٰہ الا قلیلا!

بدبختون نے صرف اسی پر اکتفا نہین کی ہے بلکہ اُنکی عبادت کو اللّٰہ واحد کی عبادت کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے، کہ جب اسکی جناب مین جبین نیاز زمین بوس ہو، اُنکی سرکار مین بھی حاضری ہو جائے، چنانچہ اس بدترین مقصد کے لئے اُنکے مزار مسجدون سے ملحق کر دیئے گئے ہین، بلکہ بہت سی قبرین توسط مسجد مین موجود ہین، قاہرہ بلکہ غالباً تمام ملک مین ایک مسجد بھی ایسی نہین ہے جسمین کسی نہ کسی بزرگ کا مزار موجود نہو، بلکہ مسجد اس جگہ تعمیر ہی نہین کیجاتی جہان پیشتر سے کوئی قبر موجود نہو، جسے بالفاظ دیگر یون کہہ سکتے ہین کہ مسجدین خدا کے لئے نہین بلکہ ان بزرگون کے واسطے بنائی جاتی ہین، تاکہ اُنکے زائرین "بیک کرشمہ دو کار" کے مطابق بآسانی عمل کر سکین، اسی لئے مساجد عموماً اپنے بانیون کے نام سے نہین بلکہ ان بزرگون کے نام سے مشہور ہین، جنکی قبرین ان مین واقع ہین، چنانچہ جامع سیدنا حسین، جامع سیدۃ زینب، جامع امام شافعی، اور جامع شعرانی وغیرہ وغیرہ سبکا یہی حال ہے، مصریون کو یہ معلوم کر کے سخت تعجب ہوتا تھا کہ ہندوستان مین قبرون پر مسجد بنانے کا مطلق رواج نہین ہے، وہ حیرت سے سوال کیا کرتے تھے کہ "کیا ہندوستان مین سب وہابی آباد ہین!!"

(باقی)

مسئلۂ خلافت کے متعلق ایک قدیم جدوجہد
اور
دو مسلمان بادشاہون کا مذہبی اتحاد

(از مولانا عبد السلام ندوی)

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دنیا مین برائی، بھلائی سے زیادہ شہرت حاصل کرتی ہے، اور بدی کا پلہ ہمیشہ نیکی سے بھاری رہتا ہے، چنگیز کی اولاد مین ہلاکو خان اور برکہ خان بالکل متضاد اوصاف کے شخص پیدا ہوئے، ہلاکو خان سخت ظالم، سفاک، خونریز اور دشمن اسلام تھا اور یہی اوصاف اسکی قومیت کا جزو لاینفک تھے، اسکے بخلاف برکہ خان نہایت خوش اخلاق، عادل، حلیم اور متحمل تھا، خونریزی اور سفاکی سے اُسکو سخت نفرت تھی، مسلمانون کی طرف اسکا خاص میلان تھا، اور علما، و صلحا، کے ساتھ نہایت عقیدتمندانہ برتاؤ کرتا تھا، لیکن باوین ہمہ آج ہلاکو خان کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے، اور غریب برکہ خان کو کوئی جانتا بھی نہین، لیکن تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی بعض ہستیون کو خاص خاص تاریخی زمانہ کے ساتھ تعلق رہا ہے، اور جب وہ زمانہ آیا ہے تو وہ گمنامی کے گوشہ سے نکل کر منظر عام پر آگئی ہین، اگر یہ سچ ہے تو غالباً اب وہ زمانہ آگیا ہے جسمین برکہ خان کے کارنامہائے زرین بے نقاب کئے جاسکتے ہین،

ہلاکو خان کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے اُسکے گلے مین ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق ڈالدیا ہے یہ ہے کہ اس نے دار السلام بغداد کو برباد کرکے خلافت اسلامیہ کے اقتدار کو مٹا دیا، لیکن

لہ ماخوذ از تلفیق الاخبار،

چنگیز خان کی اولاد مین برکہ خان پہلا شخص ہے، جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد ہلاکو خان سے خلیفہ مستعصم کے خون کا انتقام لیا، اتحاد اسلامی کی بنیاد ڈالی، اور دوبارہ شعائر اسلام کو قائم کیا، اس زمانہ مین جبکہ ایک طرف خلافت اسلامیہ کا رہا سہا اقتدار بھی زایل کیا جا رہا ہے، اور دوسری طرف دنیاے اسلام مین تحفظ خلافت کیلئے ایک عام اتحاد قائم ہو رہا ہے، غالباً برکہ خان کے ان مساعی حسنہ کی تفصیل کسیقدر دلچسپی کے ساتھ سُنی جائیگی، لیکن اس داستان کے چھیڑنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہیئے کہ اس خاندان مین جسکا سب سے بڑا نمایان ممبر ہلاکو خان تہا برکہ خان جیسا شخص کیونکر پیدا ہوا؟

جہانتک فطری اوصاف کا تعلق ہے وہ خود خدا کے گہر سے اقتدار اسلام کے قائم کرنے کے لئے آیا تہا، لیکن خارجی اسباب کے لحاظ سے اگرچہ برکہ خان نے جس ماحول مین نشو و نما پائی تھی، اُسکی آب و ہوا مین کفر و عناد کا اثر سرایت کر گیا تہا تاہم اس عالم ظلمات مین بھی ایمان کی روشنی قائم تھی، اور جا بجا اسکے جلوے نظر آتے تھے، ایک طرف تو ہلاکو خان تمام دنیاے اسلام کو بے چراغ کر رہا تہا، دوسری طرف شیخ نجم الدین کبری اسلام کی روشنی پہیلانے مین مصروف تھے اور اپنے مریدین کو مختلف شہرون مین اشاعت اسلام کے لئے پہیلا دیا تہا، سعد الدین حموی خراسان مین مصروف ہدایت و ارشاد تھے، کمال الدین شریانی نے ترکستان کو اپنا مرکز قرار دیا تہا، نظام الدین جندی نے تفقچق کو منبع انوار بنا رکہا تہا، لیکن شیخ نجم الدین کے ان مریدین و تلامذہ مین سب سے زیادہ بلند پایہ شیخ سیف الدین باخرزی تھے، جنکے فیوض و برکات کا مرکز بخارا تہا، اور وہ یہین سے تمام قلوب صالحہ پر اپنا معجزانہ اثر ڈالتے تھے، برکہ خان جیسا کہ اوپر گذر چکا فطرةً اس اثر کے قبول کرنے کے لئے آمادہ تہا، اسلئے شیخ سیف الدین باخرزی کی نگاہ خصوصیت کے ساتھ اس جوہر قابل پر پڑی اور انھون نے اپنے ایک ممتاز شاگرد کے

ذریعہ سے اسکو دعوت اسلام دی، جسکو اس نے خود نہایت فراخدلی کے ساتھ قبول کیا، اور
اسکے ساتھ اسکے اعوان و انصار اور اعزہ و اقارب بھی اس سعادت مین شریک ہوئے،
اسلام لانے کے بعد برکہ خان نے اس احسان کے صلے مین شیخ سیف الدین کے ساتھ کچھ سلوک
بھی کرنا چاہا، لیکن شیخ نے نہایت استغنار کے ساتھ اس فیاضی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا
قاصد نے برکہ خان کو اسکی خبر دی تو وہ خود شیخ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، بخارا مین پہنچا تو
تین دن تک متصل شیخ کے دروازہ پر کھڑا رہا، لیکن اندر آنیکی اجازت نہین ملی، بالآخر
شیخ کے بعض تلامذہ نے سفارش کی، اور کہا کہ یہ بہت بڑا بادشاہ ہے، دُور سے آیا ہے اور
حضور کی خدمت سے برکت اندوز ہونا چاہتا ہے، اب اسکو اندر آنیکی اجازت ملی، وہ اندر
آیا تو سلام کیا، اور شیخ کے ہاتھ پر دوبارہ تجدید اسلام کر کے واپس ہوا، واپس ہونے کے بعد
اس نے خدمات اسلامیہ کی طرف نہایت مستعدی کے ساتھ توجہ کی، تمام شعائر اسلامی کو
دوبارہ قائم کیا، علمار اور فقہار کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کئے، تمام ممالک محروسہ مین
مدارس قائم کئے اور مسجدین بنوائین، اپنے تمام خاندان کو اسلام کی دعوت دی، اور خلیفہ مستعصم باللہ سے
عقیدتمندانہ تعلقات قائم کئے، اور اسکے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ قائم کیا، شہر سرائے کو آباد
کر کے اپنا دار السلطنت قرار دیا، اور اسمین دُور دُور سے علما و فضلا کو عطایا و صلات دیکر بلایا کہ
لوگون کو شعائر اسلام کی تعلیم دین،

اس سلسلہ مین اس نے سب سے بڑی جو اسلامی خدمت انجام دی وہ یہ تھی کہ ہلاکو خان
مخرب بغداد اور قاتل خلیفہ مستعصم باللہ کے ظالمانہ دستبرد سے خلافت اسلامیہ کا جو اقتدار مٹ گیا تھا
اسکو دوبارہ قائم کرنا چاہا، اور اسکے لئے ہلاکو خان کے ساتھ ایک سلسلہ جنگ قائم کیا جسکو غلطی سے
مورخین نے ایک سیاسی جنگ قرار دیا ہے اور اسکا سبب یہ بتایا ہے کہ چنگیز خان کی اولاد کا

یہ دستور تھا کہ انکو جو فتوحات حاصل ہوتی ہیں، انکا ایک حصہ باتوخان کے خاندان کو تقسیم کر دیتے تھے، لیکن باتوخان کے انتقال کے بعد برکہ خان تخت نشین ہوا، تو ہلاکو خان نے اس قدیم خاندانی رسم کو موقوف کر دیا، جسپر برکہ خان نے برہم ہو کر جنگجویانہ طریقہ اختیار کیا، بعض مورخین کا خیال ہے کہ چنگیز خان کی تقسیم کے رو سے تبریز اور مراغہ باتوخان کے خاندان کے حصہ مین واقع ہوئے تھے، اس بنا پر ان لوگون نے ہلاکو خان سے اسکا مطالبہ کیا، اور اسی مطالبہ کے رد کرنے سے باہم جنگ چھڑ گئی، مورخین نے انکے علاوہ اور اسباب بھی بتائے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ جنگ جو ہلاکو خان اور برکہ خان کے درمیان قائم ہوئی، کوئی ملکی اور سیاسی جنگ نہ تھی، بلکہ یہ دینی جہاد تھا جو صرف خلافت اسلامیہ کے اقتدار کے قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا، کیونکہ برکہ خان اور خلیفہ مستعصم باللہ مین ابتدا ہی سے عقیدتمندانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، اور باہم خط و کتابت رہتی تھی، اسلام لایا تو یہ عقیدتمندانہ تعلقات اور مستحکم ہو گئے، اسپر مستزاد یہ ہوا کہ اس نے شیخ سیف الدین باخرزی کے ہاتھ پر تجدید اسلام کی تو انھون نے خصوصیت کے ساتھ اسکے دل مین خلیفہ کے ساتھ عقیدتمندی کی وصیت کی،

لیکن ہلاکو خان کی حالت اسکے بالکل برعکس تھی، وہ ابتدا ہی سے خلیفہ کے ساتھ بغض رکھتا تھا، اور خود باتوخان کے زمانہ مین خلافت کے اقتدار کا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی منکوقاآن کی اجازت سے جو باتوخان کی طرف سے گورنری کے عہدے پر ممتاز تھا، خلیفہ بغداد کے ملوکہ ممالک پر حملہ کرنا چاہا، لیکن برکہ خان نے اپنے بھائی باتوخان کے ذریعہ سے اسکو اس حملہ سے روکدیا، اور وہ دو برس تک رُکا رہا، باتوخان کے انتقال کے بعد برکہ خان تخت نشین ہوا، تو ہلاکو خان کے دل مین جو آگ اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی، وہ دفعۃً بھڑک اُٹھی، اور اس نے منکوقاآن کی اجازت سے ایک عام حملہ کرکے خلافت اسلامیہ کا

خاتمہ کر دیا، اب برکہ خان کی رگ حمیت مین حرکت پیدا ہوئی، اور اس نے خلیفہ کے گران قیمت خون کا انتقام لینا چاہا، لیکن اسوقت برکہ خان کی فوج کا اکثر حصہ کافر تہا، اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، اُن کے دل مین بھی ابھی تک قدیم خیالات جاگزین تھے، اور ان خیالات کی بنا پر اُن کے نزدیک خلیفہ کی شہادت اور ممالک اسلامیہ پر تسلط کوئی ایسا اہم واقعہ نہ تہا جسکو ایک عام جنگ کا محرک قرار دیا جا سکتا، سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ منکوقاآن جو اسوقت چنگیز خان کی تمام اولاد پر خود مختارانہ حکومت کر رہا تہا، اور ان مین وہی حیثیت حاصل کر لی تھی جو مسلمانون کے خلیفہ کو حاصل تھی، ہلاکو خان کا بہائی تہا، اور ہلاکو خان کے ذریعہ سے ممالک اسلامیہ پر جو تباہی و بربادی آئی تھی وہ اسی کے مشورہ سے آئی تھی، اسلئے ہلاکو خان سے لڑنا گویا منکوقاآن بلکہ تمام چنگیز خانی اولاد سے لڑنا تہا، اس بنا پر برکہ خان نے نہایت دور اندیشی کے ساتھ اس مذہبی جنگ کے قائم کرنے کے لئے سیاسی حیلے تلاش کرنا شروع کئے، اور ہلاکو خان سے مراغہ اور تبریز کا مطالبہ کیا، غنائم و فتوحات مین باتو خان کے خاندان کے متعینہ حصے کا دعوی کیا، جسکا مقصد یہ تہا کہ ان مطالبات کے ذریعہ سے ہلاکو خان کو آمادۂ جنگ کیا جائے تاکہ تمام قوم اسکو ظالم اور برکہ خان کو مظلوم خیال کرے اور اسکی اعانت و امداد پر آمادہ ہو۔

برکہ خان ان حیل سیاسیہ سے فائدہ اٹھانے کی کوششون مین مصروف تہا کہ جنگ کا ایک قدرتی سبب یہ پیدا ہو گیا کہ منکوقاآن جو اپنے بہائی قبلائی کے ساتھ بعض ملوک خطا کے ساتھ مصروف پیکار تہا، اور اس مہم پر اپنے چھوٹے بہائی ارتق بوکا کو اپنا جانشین کر کے روانہ ہوا تہا، اسی سفر مین انتقال کر گیا، اور اب تمام افسران فوج نے قبلائے کو جو ارتق بوکا سے بڑا تہا منکوقاآن کا جانشین کرنا چاہا، لیکن برکہ خان نے اس موقع کو مغتنم سمجھکر قیدو بن قاشین بن اوکداے بن چنگیز خان کو ایک دستہ فوج کے ساتھ ارتق بوکا کے پاس روانہ کیا اور کہا کہ

اس منصب کے مستحق تم ہو، کیونکہ منکو قاآن نے خود تمکو اپنا جانشین کیا تھا، تم قبلائے کی اطاعت نہ کرو، مین نے فیدو بن قاشین کے ساتھ جو فوج روانہ کی ہے، وہ تمہاری مدد کریگی، اور اگر اور فوج کی ضرورت ہوگی تو مین اسکا بھی سامان کرونگا، ارتق بوکا نے برکہ خان کی شہ پائی تو مستقل جانشینی کا مدعی ہوگیا، اور اسمین اور قبلائے مین معرکہ آرائی شروع ہوگئی، اور مدتون سلسلۂ جنگ قائم رہا، ہلاکو خان اسوقت شام کو پامال کررہا تھا، اور اسکی پامالی کے بعد مصر کی طرف بڑہنا چاہتا تھا، اسی حالت مین اسکو منکو قاآن کی موت، اور برکہ خان کی دراندازی، اور اس خانہ جنگی کا حال معلوم ہوا تو اُسکی نگاہ مین دنیا اندہیری ہوگئی، اور اس نے مصر کے حملے کا خیال بالکل چھوڑ دیا، اور دس ہزار فوج کے ساتھ شام مین ایک گورنر مقرر کرکے اپنے اصل مرکز کی طرف روانہ ہوگیا، اور اس موقع سے فائدہ اُٹھاکر سلطان مصر نے اس مختصر سی فوج کو بالکل کچل دیا، چنانچہ اسلام پر برکہ خان کا ایک عظیم الشان احسان یہ بھی ہے کہ اس نے محض اپنے حسن تدبیر سے مصر کو ہلاکو خان کے حملہ سے محفوظ رکھا، ورنہ بغداد کی طرح اسلام کا یہ مرکز بھی برباد ہوجاتا۔

بہرحال اسوقت ہلاکو خان قدرتی طور پر سخت پریشانیون مین مبتلا تھا، ایک طرف تو وہ مصریون سے انتقام لینا چاہتا تھا، دوسری طرف اس خانہ جنگی کی فکر مین مصروف تھا، برکہ خان نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاکر سنہ ۶۶۰ھ مین ہلاکو خان کے پاس دو قاصد روانہ کئے اور انکے ذریعہ سے اپنے قدیم خاندانی حقوق کا مطالبہ کیا، لیکن ہلاکو خان نے ان قاصدون کو قتل کردیا، اور اب برکہ خان کو اسکے ساتھ جنگ کا موقع ملا، اور تائید ایزدی نے اسکو اس جنگ مین کامیاب کیا، اور ہلاکو خان نے شکست فاش کھائی، اسلام کا یہ کتنا عجیب و غریب معجزہ، اور حق کی طاقت کا یہ کیسا شاندار ظہور ہے کہ ایسی حالت مین جبکہ خلافت اسلامیہ کا اقتدار کلیۃً زائل ہوچکا تھا، تمام ممالک اسلامیہ پر کفار نے تسلط کرلیا تھا، اسلام بالکل یتیم، بیکس و بیچارہ

ہو رہا تھا، خدا نے خود اسی قوم سے جس نے اسلام کو ان مصائب گوناگون مین مبتلا کر دیا تھا، ایک شخص کو کھڑا کر دیا، جس نے اپنے قدیم خاندانی روایات کی کچھ پروا نہ کی جس نے اپنے اعزہ و اقارب کے خون کو بالکل ہیچ سمجھا، اور خلافت اسلامیہ کے اقتدار پر ان تمام چیزون کو قربان کر دیا، وفی ذلک عبرۃ عظیمۃ للمعتبرین وذکریٰ کبیرۃ للمستبصرین،

لیکن اسلام پر برکہ خان کا صرف یہی احسان نہین ہے، کہ اس نے اس مذہبی عزت کو دوبارہ قائم کیا، جو خلافت کے اقتدار کو مٹا کر تمام مسلمانون سے چھین لیگئی تھی، بلکہ اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس جنگ کے سلسلہ مین ایک عام اسلامی اتحاد قائم کیا اور اس اتحاد کے ذریعہ سے ایشیائی بادشاہون کے دامن اخلاق کے ایک نہایت بدنما داغ کو مٹا دیا،

ایشیائی تاریخون مین سلاطین کی حریفانہ کشمکش کے متعلق بہ کثرت روایتین مل سکتی ہین، لیکن باہمی توافق، تعاون، اور ائتلاف واتحاد کے متعلق بمشکل چند سطرین نظر سے گذرتی ہین، ائتلاف واتحاد کا اصطلاحی لفظ موجودہ یورپین سیاست نے پیدا کیا ہی، قدیم زمانہ کے مدبرین سلطنت اس سے بہت کم آشنا تھے، لیکن یہ صرف اسلام کی برکت، خلافت کی عظمت، اور خلیفہ اسلام کی محبت کا نتیجہ تھا کہ تمام ایشیائی روایات کے برخلاف برکہ خان نے ایک عام اتحاد اسلامی کی بنیاد ڈالی، اسلامی بادشاہون کو جو ہلاکو خان کے خوف سے لرز رہے تھے، ہر قسم کی فوجی مدد دیکر طاقتور بنایا، اور انکو ہلاکو خان سے جنگ کرنیکی ترغیب دی، چنانچہ اس نے شاہ تبریز، اور شاہ لور کو ہلاکو کے شکست کی خبر دی، اور انکو اسکے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کیا، اسوقت بغداد کے بعد اسلام کا دوسرا مرکز صرف مصر تھا، لیکن جب ہلاکو خان نے خلیفہ بغداد کو شہید کر کے بغداد اور موصل پر قبضہ کر لیا، تو سلطان ظاہر بیبرس شاہ مصر سخت

خائف ہوا، لیکن برکہ خان نے اسکو تسکین دی اور اسکے پاس اپنے اسلام کی خبر پہنچائی، سلطان ظاہر کو یہ تسکین بخش خبر معلوم ہوئی تو اس نے برکہ خان کی ذات کو نہایت مغتنم سمجھا اور دونون مین باہم ایک عام اتحاد قائم ہوگیا جسکی ابتدا عملی طور پر اسطرح ہوئی کہ منکوقاآن نے ۶۵۱ھ مین اہل ہمدان کی درخواست پر ہلاکو خان کو جس فوج کے ساتھ ایک مہم پر روانہ کیا تھا وہ برکہ خان کی سلطنت کے ابتدائی زمانہ تک ہلاکو خان کے پاس موجود تھی، ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو برکہ خان اگرچہ اسکو سخت ناپسند کرتا تھا، تاہم وہ بعض مجبوریون کی وجہ سے اس فوج کو اسکے پاس سے واپس نہ بلاسکا، لیکن جب خود برکہ خان اور ہلاکو خان کے درمیان سلسلۂ جنگ قائم ہوا تو برکہ خان نے اس فوج کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اسکے پاس واپس چلی آئے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مصر و شام مین جاکر ہلاکو خان کے خلاف سلطان ظاہر کی مدد کرے، چنانچہ یہ فوج سلطان ظاہر کی فوج سے جاکر مل گئی، اور سلطان ظاہر نے نہایت گرمجوشی سے اسکا استقبال کیا چنانچہ ۲۴- ذیحجہ ۶۶۰ھ کو یہ فوج قاہرہ مین داخل ہوئی تو سلطان نے نہایت شان و شوکت سے اسکا استقبال کیا، ایک عمارت مین جو خاص طور پر اسی فوج کے لئے تیار کرائی گئی تھی اسکو مہمان اتارا، نہایت وسیع پیمانہ پر اسکی دعوت کی، اسکو خلعت گھوڑے، اور انعامات تقسیم کئے اور انکے ساتھ گیند کھیلا، تاتاریون کو اس عزت و احترام کی خبر پہنچی تو جوق جوق آکر مصر مین داخل ہوئے اور سلطان نے سب پر اپنا اعتماد ظاہر کیا، اور ان سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اسلام قبول کیا۔

اس فوج کے پہنچنے سے پیشتر سلطان ظاہر برکہ خان کے نام ایک خط روانہ کرچکا تھا، جسمین اسکو ہلاکو خان کی مخالفت پر نہایت پرزور الفاظ مین آمادہ کیا تھا، اور لکھا تھا کہ متواتر ذریعہ سے آپ کے اسلام کی خبرین پہنچ چکی ہین، اسلئے آپ پر کفار کے ساتھ گو وہ آپ کے

قبیلہ اور خاندان ہی کے ہون، جہاد فرض ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اعزہ واقارب، اور خود اپنے قبیلہ قریش کے ساتھ جہاد کیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ جبتک لوگ کلمۂ توحید کا اقرار نہ کرلین، اُنکے ساتھ جنگ کی جائے، اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہین ہے بلکہ جہاد اُسکا ایک رکن اعظم ہے، متواتر خبرون سے معلوم ہوچکا ہے کہ ہلاکو خان کی بی بی ایک عیسائی عورت ہے، اور اُس نے اسکی خاطر سے عیسائی مذہب کو آپکے دین اسلام پر مقدم رکھا ہے، اور پادریون کو علفار کا قائم مقام کیا ہے، اسکے بعد تاتاری فوج مصر مین داخل ہوئی، اور اس سے برکہ خان کے مزید حالات معلوم ہوئے، تو اس نے برکہ خان کے نام دوسرا خط لکھا جسمین اُسکو جہاد کی ترغیب دی، اور اپنی فوج کی تعداد اسکی جنسیت، اسکی نوعیت، اور ساز وسامان کی پوری تفصیل کی، اسکے علاوہ اور بھی مختلف طریقون سے اسکو ہلاکو خان کی مخالفت پر آمادہ کیا، خط کے روانہ کرنے کا وقت آیا تو سلطان نے ایوان شاہی مین تمام ارکان دولت کو جمع کرکے اس خط کو سنایا، اور اُن سے مشورہ طلب کیا، سب نے اسکی رائے کی تائید کی، اور اسکے اس طرز عمل سے اتفاق ظاہر کیا، جب اس خط کے روانہ کرنے پر اتفاق عام ہوگیا تو سلطان نے ۲ محرم ۶۶۱ھ کو ایک دربار عام کیا، جسمین تمام رعایا، تاتاری فوج، سفراء، اور امیر المومنین خلیفہ حاکم بامر اللہ ابی العباس شریک ہوئے، اور سلطان نے تمام شرکاء دربار کے ساتھ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اسکے بعد خط کے روانہ کرنے کے متعلق بحث ہوئی، تو خلیفہ نے اس سے اتفاق کیا، پھر دوبارہ لوگون کو خط سُنا کر سربند کیا گیا، اسکے بعد دوسرا جمعہ آیا تو خلیفہ نے خطبہ پڑھا، اور نماز جمعہ پڑھائی، اور سلطان ظاہر اور تمام مسلمانون کے حق مین دعا کی، نماز ودعا ختم ہوئی تو سفراء خلیفہ اور سلطان کی خدمت مین حاضر ہوئے، تو سلطان نے اُن سے زبانی طور پر برکہ خان کے ساتھ اپنی دوستی کا اظہار کیا، اور کہا کہ مین اُسکے فتح وظفر کے لئے دعا کرتا ہون، اور جس چیز مین دنیا کی

بہتری ہو اُسپر اسکے ساتھ متفق ہون، اس زبانی وصیت کے بعد سفراء کو زاد راہ دیکر کشتی مین سوار کرایا، اور وہ محرم ۱۳ھ مین روانہ ہوئے، اور لشکریس شاہ قسطنطنیہ کے پاس سے ہو کر گذرے، برکہ خان نے سلطان ظاہر کے پاس اُسکے پہلے خط کا جواب جن سفراء کے ذریعہ سے بھیجا تھا، وہ بھی اسی بادشاہ کے یہان مقیم تھے، اور اس طرح دونون بادشاہون کے سفراء مین حسن اتفاق سے ملاقات ہوگئی،

بہر حال برکہ خان کے قاصد جب مصر مین خط لیکر پہنچے، تو گورنر مصر نے سلطان ظاہر کو اسکی اطلاع دی، اور سلطان نے قلعہ مین تمام رعایا اور ارکان دولت کو جمع کیا، جنکے سامنے برکہ خان کا خط پڑھا گیا، جسمین سلطان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا، ہلاکو خان کے خلاف مدد مانگی گئی تھی، اور یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مین چنگیز خانی رسوم و قواعد کا بالکل مخالف ہون، اور ہلاکو خان نے جو خونریزیان کی ہین وہ بالکل باغیانہ ہین، ہم اور ہمارے چارون بھائی اسلئے کھڑے ہوئے ہین کہ اسلام اور مراکز اسلام کو اپنی اصلی حالت پر لانے، اذان، قرات، اور نماز کے قائم کرنے، اور ائمہ اور اُمت کے خونبہا لینے کے لئے ہلاکو خان سے چارون طرف سے جنگ کرین، خط مین یہ بھی درخواست کیگئی تھی کہ فرات کی جانب سے ایک دستہ فوج بھیجا جائے تاکہ وہ ہلاکو خان کا راستہ بند کردے، خط سُنانے کے بعد دربار ختم ہوا، اور سلطان نے سفراء کو انعام سے مالا مال کردیا، نہایت عظیم الشان پیمانے پر اُنکی دعوت کی، اور ۱۸ شعبان یوم جمعہ کو خلیفہ نے ان سفراء کے سامنے ایک خطبہ دیا جسمین سلطان ظاہر اور برکہ خان کے لئے دعا کی، نماز پڑہائی، اور سلطان اور سفراء سے مہمات اسلام کے متعلق گفتگو کی، دوسری رات کو سفراء قلعہ مین آئے، اور خلیفہ نے خود اُنکو خلعت پہنایا، سلطان ظاہر نے مکہ، مدینہ اور بیت المقدس مین فرمان بھیجا کہ خطبہ مین اسکے بعد برکہ خان کے لئے بھی دعا کیجائے،

سلطان ظاہر نے برکہ خان کے سفراء کا جس گرمجوشی سے خیر مقدم کیا تھا، برکہ خان نے بھی سلطان ظاہر کے سفراء کے خیر مقدم مین اسی جوش اسلامی کا اظہار کیا، چنانچہ وہ سلطان ظاہر کے سفراء کی اتفاقی ملاقات کے بعد قسطنطنیہ سے روانہ ہوکر برکہ خان کی خدمت مین پہنچے تو مقام اُردو مین وزیر شرف الدین قزوینی نے اُن کا استقبال کیا، اور نہایت اہتمام کے ساتھ اُنکی مہمان نوازی کی، صبح کے وقت قریب کی ایک اقامت گاہ مین برکہ خان نے وزیر شرف الدین قزوینی کی معیت مین اُنکو شرف ملاقات بخشا، پہلے ہی سے دربار کے تمام اداب ان سفراء کو بتا دیے گئے تھے، اور اُنھون نے ان تمام آداب کی پابندی کے ساتھ بادشاہ کے ہاتھ مین خط دیا، اور بادشاہ نے نہایت خوشی کے ساتھ اُسکو پڑھوا کر سنا، اور نہایت فیاضانہ طریقے پر اُنکی مہمان نوازی کی، اور جب تک وہ مقیم رہے اُنسے مصر کے مختلف حالات پوچھتا رہا:

یہ سفراء ۲۶ دن تک برکہ خان کے یہان مقیم رہے، اسکے بعد انکو خلعت و انعام کے ساتھ خط کا جواب دیکر واپس کیا، اور اُنکے ساتھ خود بھی اپنے سفراء روانہ کئے، یہ سفراء مصر مین پہنچے تو یہ فوجی جائزہ لینے کا زمانہ تھا، اُنھون نے فوج کی تعداد اور اُنکے ساز وسامان دیکھے تو ششدر ہوکر رہ گئے، اور سلطان ظاہر سے پوچھا کہ کیا یہ صرف مصر اور شام کی فوج ہے؟ اس نے کہا نہین، یہ صرف شہر کی فوج ہے، سرحدون پر جو فوجین متعین ہین وہ اسکے علاوہ ہین،

یہ سفراء جو خط لائے تھے، اسمین پہلے اخلاص ومحبت کا یقین دلایا گیا تھا اور سلطان کی خواہش کے مطابق ہلاکو خان کے خلاف اسکو مدد دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، تاتاریون مین جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُنکے نام اور قبائل وغیرہ کی تفصیل درج تھی، اور لکھا تھا کہ ہمارے تمام چھوٹے بڑے بھائی مع اپنی آل واولاد کے مسلمان ہوگئے ہین، اور فرائض، سنن، زکوٰۃ، اور جہاد کے پورے طور پر پابند ہین، سلطان ظاہر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مین نے ہلاکو سے جو میرے گوشت وخون کا

ایک جزء نہ تہا صرف اعلاء کلمۃ اللہ اور عصبیت اسلامی کی بنا پر جنگ کی ہے، کیونکہ وہ باغی ہے، اور باغی خدا کا منکر ہوتا ہے، ہین نے اپنے سفراء کے ساتھ ابن شہاب الدین غازی کو بھی اسلئے روانہ کیا ہے کہ انھون نے اس جنگ کے جو مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے ہین، سلطان کے سامنے اُن کا حال بیان کرین، سلطان نے اپنی سعادتمندی سے آل عباس ہین سے حاکم بامر اللہ کو جو مسلمانون کا خلیفہ مقرر کیا ہے، مین اسکا نہایت شکرگذار ہون، بالخصوص جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ سلطان اپنی فوج کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھنا چاہتا ہے کہ اسے کفار کے غاصبانہ قبضہ سے بچائے تو میرے یہ شکرگذارانہ جذبات اور بھی ترقی کر گئے،

تاریخون مین صرف اسی خط وکتابت کا تفصیلی حال درج ہے، لیکن اس خط وکتابت کے علاوہ دونون بادشاہون مین اور بھی متعدد مراسلتین ہوئین، اور ان کا سلسلہ تا دم مرگ قائم رہا، بہرحال اس پائدار اتحاد نے ہلاکو خان کی تمام کوششون کو ناکامیاب کر دیا، اخیر مین اگرچہ اس نے ایک بار انتقام لینے کی اور بھی کوشش کی، لیکن اس مین بھی ناکامیاب رہا، اور بالآخر انھی تردوات وافکار مین مبتلا رہ کر بمرض صرع ربیع الاول ۶۶۳ھ مین انتقال کر گیا، اسکے بعد اسکا بیٹا ابغا خان تخت نشین ہوا، اور اس نے بھی برکہ خان سے باپ کا انتقام لینا چاہا لیکن اس نے بھی شکست کھائی۔

خلافت کی بنا پر یہ اتحاد قائم ہوا تھا، اور اس نے اخیر تک اسلام کو کامیاب رکھا، آج بھی اسی مسئلۂ خلافت کے ذریعہ سے تمام دنیاے اسلام مین ایک عام اتحاد قائم ہو رہا ہے اور خدا کی ذات سے توقع ہے کہ وہ اسکو نہایت پرامن طریقہ سے کامیاب کریگا، اور خلافت کا اقتدار دوبارہ قائم ہو کر رہیگا۔

فارسی مین یای معروف و مجہول

از سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی

یای معروف وہ ہے جسکے ماقبل کا کسرہ اشباع کے ساتھ یعنی کھینچکر پڑہا جائے، جیسے تیر، نخچیر، خوشی، کشتی وغیرہ، اور مجہول وہ ہے جسکے ماقبل کا کسرہ کھینچکر نہ پڑہا جائے، جیسے، دیر، سیر، بلے، کاشکے وغیرہ،

(ی) معروف ہو یا مجہول کسی لفظ مین اصلی ہوگی یا زاید، اصلی جیسے تیر اور نخچیر و دیر و سیر مین، اور زاید وہ ہے جو کسی فائدہ کی غرض سے لفظ کے آخر مین بڑہائی گئی ہو، جسکا بیان آگے آئیگا۔

اصلی (ی) کسی لفظ مین ہر جگہ آتی ہے جیسے دیدار، خریدار، زنجیر، پیر، نشیب، شکیب وغیرہ مین، یا آخر مین ہوگی جیسے آشتی، گیتی، آرے، بلے وغیرہ مین، اور اول مین جب آتی ہے تو متحرک ہی ہوتی ہے، ساکن نہین ہوتی، کیونکہ ابتدا بسکون محال ہے، اور بحالت حرکت مجہول یا معروف کے ساتھ اسکی تعبیر نہین کیجاتی ہے،

اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جو اصلی (ی) کسی لفظ کے درمیان حرف روی سے پہلے آتی ہے تو اسمین معروف و مجہول کی رعایت مستحسن ہے، یعنی یاے معروف کا قافیہ یاے مجہول کے ساتھ نہ کرنا بہتر ہے، حضرت جامی ایسے قافیون کو غلط سمجھتے ہین، چنانچہ اپنے رسالہ قافیہ مین حرف ردف کی بحث مین حکیم سنائی کے اس شعر پر دیر اور پذیر کے اجتماع کے متعلق اعتراض کیا ہی،

باوجودش ازل پذیر آمد　　　نیک آمد و لیک دیر آمد

لیکن زمانہ حال کے اہل زبان اس قسم کے قوافی بے تکلف استعمال کرتے اور جائز سمجھتے ہین،

ان کے نزدیک گویا یاے مجہول کا وجود ہی نہین ہے، اُن کا تتبع کرکے اُردو کے قدیم شعرا نے بھی اس قسم کے قافیے کئے ہین، سودا

ہوا دیکھ ہیران صغیر و کبیر ۔۔۔ جب آگے سے اٹھ جائے قالین کشمیر

لیکن اب اردو مین اس قسم کے قافیے نہین کرتے، انکو قطعاً غلط سمجھتے ہین، اور متاخرین اہل فارس مین بھی جو محقق ہین وہ ایسے قافیون سے احتراز واجب سمجھتے ہین، چنانچہ محمد تقی سپہر مولف ناسخ التواریخ کتاب "براہین العجم" مین لکھتے ہین:-

"شعراے متقدم جمیعاً رعایت نمودند، وجہول یا معروف نیاوردند"

پھر ایک جگہ اسی کتاب مین لکھتے ہین:-

"متقدمین مجہول و معروف را باہم قافیہ نداد ند، ہیچ کس را دربن اختلافے نبود"

اصلی (ی) اگر کسی لفظ کے آخر مین آتی ہے، اسوقت بھی معروف و مجہول کی رعایت ضروری ہے، مثلاً لفظ علی کا قافیہ بلے نہین کرسکتے، چنانچہ محقق طوسی علیہ الرحمۃ نے "معیار الاشعار" مین عیوب قافیہ فارسی کے بیان مین حرف روی کے اختلاف کے ذکر مین لکھا ہے کہ میرے بیاے مجہول کا قافیہ لفظ علی کے ساتھ نہ کیا جائے (مرے بیاے مجہول کے معنی زر کامل عیار رین کوشیدن و برابری کردن لکھے ہین) اور محمد تقی سپہر نے بھی فرمایا ہے بلکہ انھون نے تو "براہین العجم" مین یاے معروف و مجہول کے الفاظ کی ایک فہرست بھی لکھدی ہے،

زاید (ی) دو قسم کی ہے، معروف و مجہول، قسم اول کے متعلق کتب قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ دو قسم کی (ی) اہل زبان کے نزدیک معروف ہے، اول یاے نسبت جیسے ہندی، رومی، مکی، مدنی، ہاشمی، قریشی وغیرہ،

اے مدنی برقع و مکی نقاب ۔۔۔ پردہ نشین چند بود آفتاب

دیگر؛ شاہ قرشی و ہاشمی خصیل زلفین تو ہر دو لام و اللیل

(۲) یائے ضمیر مخاطب واحد جو فعل کے آخر میں آتی ہے جیسے گفتی، گوئی وغیرہ،

(۳) یائے خطاب جو اسم کے آخر میں بمعنی ہستی آتی ہے جیسے مردی بہ معنی مرد ہستی اور سردی بہ معنی سرو ہستی ؎

بادہا خوردن و ہشیار نشستن سہل است گر بہ دولت برسی مست نگردی مردی

دیگر؛ ماہی ار ماہ فلک را چون کمان ابرو بود سروی ار سر و سہی را عنبرین گیسو بود

(۴) یائے مصدری جو کسی اسم جامد یا اسم مشتق یا صفت کے آخر میں آنے سے مصدری معنی پیدا ہوتے ہیں جیسے ؎

قلت کمی، راحت خوشی، شری بدی ملکت شہی سودی سری جدت نوی کظة پری ریت گمان

دیگر؎ گوشہ گیری عزیزان ہمہ از بے برگی است مرغ ہم میل بہ پریدن نکند تا پر نیست

(۵) یائے لیاقت جو مصدر فارسی کے آخر میں آنے سے لیاقت و قابلیت کے معنی پیدا کرتی ہے، جیسے کشتنی، سوختنی وغیرہ،

شمع گر با تو کند دعوی نازک بدنی کشتنی سوختنی باشد و گردن زدنی

(۶) یائے مبالغہ جیسے علامی، فہامی، یعنی بڑا عالم اور بڑا فہیم، یہ عربی اسمائے صفات و مبالغہ کے آخر میں آتی ہے، اسی طرح یائے متکلم جیسے مشفقی، محبی وغیرہ،

زاید (ی) کی دوسری قسم یعنی مجہول کے متعلق کتب قواعد سے نو قسمیں پائی جاتی ہیں،

(۱) یائے وحدت بمعنی یک، اسمیں یائے تخصیص، تنکیر، تعظیم و تحقیر یہ چاروں قسمیں داخل ہیں، جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے،

شہر خالی است ز عشاق مگر کز طرفے مردے از غیب برون آید و کارے بکند

مردے یعنی ایک مرد یا کوئی مرد ؎

پری رخے بشکر خندہ قتل مردم کرد　　چو گفتمش کہ مرا ہم بکش تبسم کرد

پری رخے یعنی ایک خاص پری رخ جسکو شاعر جانتا ہے ؎

شاہبازے لشکارِ مگسے می آید　　یار دارد سر صید دل حافظ یاران

شاہبازے یعنی ایک بڑا با عظمت شاہباز، مگسے یعنی ایک حقیر و ناچیز مگس،

(۲) یاے موصولہ اسکے بعد کاف صلہ بھی آتا ہے، اسکو یاے صفت بھی کہتے ہین، اُسکے معنی "جو جس نے" یا "ایسا" ہوتے ہین، ؎

پادشاہے کہ طرح ظلم افگند　　پاے دیوار ملک خویش بکند

پادشاہے یعنی جس بادشاہ نے ؎ دیگر

گداے کہ بر شیر نر زین نہد　　ابوزید را اسپ و خر زین نہد

گداے یعنی ایسا فقیر

(۳) یاے استمراری جو ماضی مطلق کے آخر مین آکر معنی استمراری پیدا کرتی ہے،

نخوردے کہ خاطر بیاسایدش　　ندادے کہ فردا بکار آیدش

نخوردے و ندادے یعنی نمی خورد و نمی داد،

(۴) یاے تمنا یہ بھی ماضی مطلق کے آخر مین آتی ہے اور اُمید و آرزو کے معنی پیدا کرتی ہے،

چہ بودے کہ پا لم دین کارِ گل　　بگنجے فرو رفتے از کام دل

بگنجے فرو رفتے یعنی میری آرزو یہ تھی کہ خزانہ پر میرا پاؤن پڑتا، دیگر

مرا اے کاشکے مادر نزادے　　وگر زادے مرا شیرے ندادے

شیرے ندادے یعنی اے کاش شیر نمی داد،

(۵) یاے اضافت یعنی جس اسم کے آخر مین الف یا واؤ ہو جب اسکو کسی اسم کی طرف مضاف کرین تو کسرۂ اضافت کے بدلے (ی) لاتے ہین، جیسے عصاے موسیٰ اور بوئے گل ؎

تا تماشاے دہانت کرد حیران غنچہ را شاخ گل دستے است در زیر زنخدان غنچہ را

دیگر ؎ روے تو ہر کہ دید مصحف شبیہ گفت ہر کس شنید ذالک لاریب فیہ گفت

(۶) یاے مقدار جسکے اسم کے آخر مین آنے سے مقدار کے معنی پیدا ہوتے ہین،

اگر گنجے کنی بر عامیان بخش رسد مر ہر گداے را برنجے

یعنی بمقدار برنج۔

(۷) یاے تعجب کسی اسم کے آخر مین آنے سے معنی تعجب پیدا ہوتے ہین ؎

چشم بد دور عالمے داریم من و مجنون و دامن صحرا

عالمے یعنی عجب عالم،

(۸) یاے استغراق بمعنی ہیچ، یعنی کسی اسم کے آخر مین آنے سے کسی چیز کی نفی مین مبالغہ اور استغراق ہوتا ہے ؎

مسلمانان مسلمانش مخوانید قتیل کافر ایمانے ندارد

یعنی ہیچ ایمان ندارد،

(۹) یاے زاید یعنی محض تحسین کلام کے لئے آخر مین زیادہ ہوتی ہے، ؎

جاے حضور و گلشن امن است این سراے زین در کشادمانی و عیش و طرب راے

یاے زاید معروف بھی ہوتی ہے جیسے نظامی ع فروشندہ را با فضولی چہ کار، ظہوری ع انتظاری نگشتہ تکیہ گہش، اور مجہول بھی ہوتی ہے جیسے جامی،

الٰہی غنچۂ امید بکشاے گلے از روضۂ جاوید بنماے

اصلی خواہ مجہول ہو یا معروف کسی لفظ مین ہر جگہ آتی ہے مگر زاید سوا ے آخر لفظ کے اور کہین نہین آتی ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان اقسام کے معلوم کرنے کے بعد یہ بات جاننے کے قابل ہے کہ متاخرین اہل فارس کے نزدیک معدودے چند کے سوا یاے معروف و مجہول مین کوئی فرق نہین ہے، وہ یاے زاید کی پہلی قسم کی تمام یاؤن کو دوسری قسم کی تمام یاؤن کے ساتھ بے تکلف قافیہ مین جمع کر دیتے ہین، اور متقدمین مین بھی خواجہ نصیر الدین طوسی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے زمانہ مین بھی دو گروہ تھے، ایک گروہ تو معروف و مجہول کے فرق کو تسلیم کرتا تھا، جسمین خود خواجہ موصوف بھی داخل ہین، چنانچہ "معیار الاشعار" مین قافیہ کی بحث مین وہ یاے مجہول کو (ی) ہی نہین کہتے بلکہ شبیہ بیا کہتے ہین، اور دوسرا گروہ وہ تھا جو یاے معروف و مجہول کے فرق کو تسلیم نہین کرتا تھا، چنانچہ خواجہ موصوف کتاب کے آخر مین مجری کی بحث مین اس گروہ کی طرف اشارہ کرکے اسطرح فرماتے ہین :۔

"اختلاف مجری و فتح آن پوشیدہ نماند مگر کہ اختلاف وصل باشد و حرف متقارب چنانچہ پسری در خطاب و خبرے در نکرہ پس کسرۂ را مختلف است و شاید کہ بر بعض مردم ملتبس گردد"

اسمین محقق علیہ الرحمۃ نے پسری کی یاے خطاب کو اور خبرے کی یائے نکرہ کو علحدہ اور حرف قریب المخرج شمار کیا ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ مین بعض ایسے لوگ بھی تھے جنکی نظر مین یاے معروف و مجہول ایک چیز تھی جبھی تو محقق نے فرمایا ہے کہ :۔

"شاید بر بعض مردم ملتبس گردد"

اب اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ یائے معروف و مجہول کا اجتماع قدماء کے زمانہ مین کمتر اور اس

زمانہ مین بیشتر بلکہ تمام تر جائز ہے، لیکن ہم ہندی چونکہ قدماء کے کلام کے پیرو ہین اسلئے حتی المقدور اس قسم کے اجتماع سے پرہیز کرنا ہمارے لئے مستحسن بلکہ لازم ہے اور متاخرین اہل فارس مین محمد تقی سپہر نے بھی براہین العجم" مین یہی ہدایت کی ہے، ایک فاضل اہل زبان کے قول کے مقابل عوام کی پیروی خلاف احتیاط ہے، لیکن غلط العام صحیح کہنے والون سے تعرض بھی نہین کیا جا سکتا، ایک بات یاد آگئی اسکو بھی لکھے دیتا ہون، عربی مین یای مجہول ہوتی ہی نہین ہے، سوائے امالہ کے جیسے حساب سے حسیب۔

یورپ اور تمدن اسلام

سر ہنری جانسٹن انگلستان مین اسوقت ایک نامور شخصیت رکھتے ہین، جنھون نے برعظم افریقہ کے دور دور از اقطاع مین عرصہ تک سیاحی کی ہے، اور جنکے مضامین سیاسیات و جغرافیہ سے متعلق انگریزی رسایل مین اکثر شایع ہوتے رہتے ہین، کچھ روز ہوئے انھون نے لندن کے مشہور ہفتہ وار نیو اسٹیٹسمین مین تمدن اسلام سے متعلق ایک شدید مخالفانہ مضمون شایع کیا تھا، جسکا ملخص ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

اسلامی تہذیب وتمدن

"اسوقت افریقہ و ایشیا مین یورپ کے خلاف جو شعلۂ مخالفت بھڑک رہا ہے، اسمین اسلام کی مخالفت قطعاً قابل توجہ و التفات ہے، اسلئے کہ اسلام فطرۃً ایک جنگجو اور غیر روادار مذہب ہے، اور یورپین تمدن کے دشمنون مین مسلمان ہی سب سے قوی ہین، اور پست اقوام مین وہی سب سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ ترقی و تہذیب کی مخالفت پر کمربستہ رہتی ہین، یا وصف ان قابل تعریف ارشادات کے جنکا انتساب بانی اسلام مدبّر و پیمبر کی جانب کیا جاتا ہے، اس سے انکار ناممکن ہے، کہ ملک گیری و لشکرکشی شروع ہی سے اسلام کا جزو رہی ہے، اور بدقسمتی سے اسلامی دماغ اپنا محور و مرکز قرآن کی جامد تعلیمات کو سمجھتا ہے جنکی روش موجودہ اصول تعلیم و تربیت، علوم و فنون، تمدن و معاشرت، غرض ہر اس چیز کے جو ترقی اور فلاح و بہبود کی طرف لیجانے والی ہے، سخت مخالف ہے،

بیشک اسلام کے روشن پہلو کے متعلق بہی کچھ کہا جا سکتا ہے، رومی شہنشاہی کے مٹانے مین سب سے زیادہ عربون، ایرانیون، بربریون، ترکون اور تاتاریون نے حصہ لیا جو سب کے سب اسلام کے رشتۂ اتحاد مین منسلک تھے، گو تہون، جرمنون، نارمنون، سلافیون اور میگیاردن کے خروج کا اثر صرف اتنا ہوا تہا کہ رومی شہنشاہی کی صورت تبدیل ہو گئی تھی اور رومہ و یونان کا اثر قومی تر ہو گیا تہا، لیکن اسلام نے جسکی علمبردار ایشیائی و افریقی اقوام تہین ایشیا، کوچک، شام، مصر، شمالی افریقہ، قسطنطنیہ، اور کچھ روز کے لئے پرتگال و اسپین سے بہی یوریین اثر کا بالکل استیصال کر دیا، اسلام کا حملہ یونانی و رومی سلطنت پر ایسے زمانہ مین ہوا جبکہ مسیح کی مسیحیت کے بجائے آبا، کلیسا کی شریعت قائم تھی، اور یہ شریعت تلاش و تحقیق، تمدن و شائستگی، علم و فن سے ویسی ہی جاہلانہ دشمنی رکھتی تھی، جیسی آج اسلام رکہتا ہے، آٹھوین صدی عیسوی، اور اس سے بڑھکر دسوین اور بارہوین صدی کے درمیان اسلام روشن خیالی کا حامی رہا۔ اس نے سائنس سے متعلق بعض ان یونانی تصانیف کو شایع کیا، جنہین مسیحی تعصب نے فنا کر دیا تہا فن تعمیر، ادب، موسیقی، باغبانی، شکار وغیرہ سے متعلق اس نے بہت سی باتون مین تجدید کی، اس نے وسطی افریقہ و مدغاسکر سے لیکر جنوبی امریکا و چین تک دور و دراز و مجہول الحال ممالک مین سیاح بھیجے، اور مجاہدات صلیبی کے دوران مین اسکا یورپ پر یہ لازمی اثر پڑا کہ وہان علوم، فنون، و صنایع کا از سر نو احیا ہونے لگا۔

لیکن سولہوین صدی مین جب سے ترکی اقتدار بڑہا، اسی وقت سے اسلام کی روشنخیالی کو زوال ہونے لگا، سلطنت ترکی یا ترکون و تاتاریون کے متفرق قبائل کے اثر سے بربر، شمالی افریقہ، مصر، ایران، یونان، شام، ایشیائے کوچک، عرب و عراق، سب کا تمدن دیکھتے دیکھتے مٹ گیا، لیکن اسلام نے باضابطہ طور پر ترکون کی سرزنش مین آج تک ایک حرف نہین

کہا ہے، اور اگر کسی عرب، یا بربری، یا شامی، یا ایرانی کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا بھی ہے تو فوراً اسکی زبان بند کردیجاتی ہے۔

بارہوین صدی سے لیکر انیسوین صدی عیسوی تک اسلام نے ہندوستان پر شدید نوازل و مصائب کی بارش رکھی، اور اس ملک کی آبادی بہت کچھ گھٹادی، سات سو برس تک یہی مذہب اس ملک مین ملک گیری و خون ریزی، قتل و غارت، جور و تعدی کا ذمہ دار رہا، تا آنکہ بالآخر ایک یورپین طاقت نے یہان امن و امان از سر نو قائم کیا، افریقہ مین رسم غلامی کو پیدا اور قائم رکھنے والا یہی مذہب تھا، تا آنکہ اٹلی نے طرابلس اور فرانس نے مراکو پر قابض ہوکر اسکی بیخکنی کی۔

میری نظر مین اللہ کی پرستش اور محمد کی پیروی مین سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ یہ مذہب ماضی سے بالکل بےتعلقی کی تعلیم دیتا ہے، یہودیت بعثت مسیح سے سو برس قبل مسیحیت مین محلول ہوچکی تھی، اور یہ موجودہ یہودیون کی محض ایک احمقانہ ضد ہے جو انہین اپنے تئین علانیہ متبعین مسیح قرار دینے سے روکتی ہے، رومیون کی قائم کردہ مسیحی شریعت نے بھی ایک زمانہ مین اسکی تعلیم دینا چاہی تھی، کہ قدیم یونانیون و رومیون کے علمی کارنامون سے یکسر قطع نظر کرلی جائے، لیکن نشأۃ جدیدہ نے اس کوشش کو باطل کردیا، اور فلاطون و ارسطو، اقلیدس و بلیناس وغیرہ کی تصانیف کے تراجم نے جہالت کی پرستش کا سدباب کردیا، چنانچہ اہل انگلستان و فرانس، اٹلی و پرتگال، سب نے اپنے کافر بیدین اسلاف کے علمی کارنامون پر فخر کرنا شروع کردیا، یہانتک کہ دس لاکھ سال کی مسلسل و غیر منقطع تاریخ انسانی کا تخیل، یورپ و امریکہ کی مسیحی سلطنتون اور جاپان کی تقریباً مسیحی سلطنت کے عقاید کا جزو بنگیا ہے، اور تو اور چین تک جو ایک متعصب و جامد مذہب کی غلامی سے آزاد ہے

بہ نسبت اسلامی ممالک کے، آج ترقی تمدن سے قریب تر ہے،

اسلام کے خلاف میرے تمام الزامات کی بہترین نظیر مصر کی موجودہ تاریخ مین مل سکتی ہے اسلام کے نزدیک مصر کی تاریخ کی ابتدا، حملۂ عمرو بن العاص کے زمانہ سے جسکا سال وقوع سنہ ۶۴۰ء ہے، ہوتی ہے، مسلمانون نے مصر کی تاریخ قدیم پر کبھی بھی توجہ کی ہے؟ جامعہ ازہر مین مصر قدیم کے حیرت انگیز نظام تمدن، علوم وفنون، ادب ومعقولات، عقاید وصنائع وغیرہ سے متعلق ایک حرف کی بھی تعلیم ہوتی ہے؟ ان چیزون پر یا تو جہالت کا پردہ پڑا ہوا ہے، اور یا اُنہین بالقصد تعصب سے چھپایا جاتا ہے، آج تک کسی مسلمان بادشاہ یا عالم نے تھریس، ایشیاے کوچک، شام، ایران، ایشیاے وسطی، یا افریقہ شمالی کے محققین آثار قدیمہ کے لئے کچھ بھی صرف کیا ہے؟ آج عربی، ترکی، فارسی، یا اردو زبان مین علم حجرات ارضیہ، انسان قبل التاریخ، سائنٹفک جغرافیہ، علم ہیئت (نجوم نہین)، تاریخ ممالک غیر اسلامی، معدنیات، زراعت، حیوانیات، نباتیات، یا کیمیائیات (کیمیاگری نہین) پر کوئی رسالہ موجود ہے؟

موجودہ تمدن کی طرف سے اسلام پر اصلی الزام یہی عاید ہوتا ہے، اور تا وقتیکہ اسلام اپنے تئین قرآن کی بیڑیون سے آزاد نہ کریگا، اور دوسری اقوام اور گذشتہ تاریخ سے اپنی گستاخانہ بے تعلقی سے تائب نہ ہوگا- فطرت کا قطعی فتویٰ یہ ہے کہ وہ حکومت کے ناقابل رہیگا، نہ صرف اپنے ہم قومون پر، بلکہ ان اقوام پر بھی جنکا مذہب اس سے کمتر تنگ خیالی پر مبنی ہے، جو آج سے تیرہ سو برس پہلے کی پیمبر عرب کی دی ہوئی تعلیم مین موجود ہے

مسٹر مارماڈیوک پکھتال نے جو اسوقت انگلستان کے ایک ممتاز اہل قلم ہین اور خواجہ کمال الدین صاحب کے فیض صحبت سے حلقہ اسلام مین داخل ہوچکے ہین، مضمون بالا کا

حسب ذیل جواب شایع کرایا:-

مسٹر ہنری جانسٹن آپکے پرچہ مورخہ ۱۷-اپریل مین دنیاے اسلام کی موجودہ غضبناکی کو اس امر پر محمول کرتے ہین کہ یورپ "تقسیم حقوق کر رہا ہے" تاہم ان کے نزدیک "اسلام کی مخالفت مستحق توجہ ہے"۔ نہ اسلئے کہ اسلام کو جائز مشکلات ہین، بلکہ

"اِسلئے کہ اسلام بالطبع ایک جنگجو وغیر روادار مذہب ہے، اور مسلمان یورپین تمدن کے دشمنون مین سب سے زیادہ قوی دست ہین"۔

اُن کے خیال مین اسلام کی روش،

"موجودہ اصول تعلیم و تربیت، علوم و فنون، تمدن و معاشرت، غرض ہر اس چیز کے جو ترقی اور فلاح و بہبود کی طرف لیجانے والی ہے، سخت مخالف ہے"۔

نہ اِسلئے کہ موجودہ مسلمان، اسلام کی حقیقی تعلیم سے ہٹ گئے ہین (جیساکہ اصل واقعہ ہے) بلکہ اسلئے کہ "اِسلامی دماغ کا محور و مرکز قرآن کی جامد تعلیمات ہین"۔

لیکن قرآن مین آیات ذیل میری نظر سے گذری ہین:-

اِن الذین آمنوا والذین ھادوا والنصٰریٰ والصابئین مَن آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلھم اجرُھم عند ربھم ولاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون (سورہ بقر رکوع ۸)

جسکے صاف معنی یہ ہین کہ نجات کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہین، بلکہ ہر قوم وملت کے شخص کو ایمان وحسن عمل کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے،

دوسری آیت، وقالوا لن یدخل الجنۃ اِلّامن کان ھودًا او نصٰریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم اِن کنتم صادقین۔ بلیٰ من اسلم وجھہٗ للہ وھو محسن فلہ اجرُہٗ عند ربہ ولاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون (بقرہ رکوع ۱۳)

اس سے زیادہ وسیع المشربی کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے؟

تیسری آیت، وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا

اِنَّ اللہ لایحب المعتدین (بق، رکوع ۲۴)

درحقیقت قرآن کی تعلیم جنگجوئی وعدم رواداری کے بالکل منافی ہے، بیشک قرآن نے جنگ کے ضوابط بھی بیان کئے ہین، لیکن یہ ضوابط ایسے ہین کہ اگر موجودہ یورپ انہین اختیار کرلے تو نوع انسان کے حق مین بہتر ہو، مسلم کے معنی قرآن واحادیث نبوی مین "متبع محمد" کے نہین بلکہ محض من اسلم وجہہ للہ وھو محسن، کے ہین، یعنی اس شخص کے جو اپنے تئین خدا کے حوالہ کردیتا ہے، اور اعمال حسنہ کرتا رہتا ہے،

رہا یہ الزام کہ اسلام کے احکام ترقی تعلیم وغیرہ مین ہارج ہوتے ہین، سو حدیث نبوی مین صاف ارشاد موجود ہے اطلبوا العلم ولو کان فی الصین) یعنی علم حاصل کرنا چاہیئے خواہ وہ کافر قوم سے اور سخت شدائد کے ساتھ ہو، آزاد خیالی، فکر وتدبر، اور تعلیم ہر مسلم مرد وعورت پر واجب ہے، مسلمانون کے انحطاط کا اصلی باعث صرف یہ تھا کہ ہنگامی طور پر ان مین فکر واجتہاد کا قحط اور تقلید کا زور ہوگیا تھا، اسی طرح جیسے کہ یورپ کی موجودہ ترقی کا راز انکی عقل آرائی و روشن خیالی مین مضمر ہے، لیکن حقیقتہً آزاد خیالی تعلیم اسلام کا ایک لازمی جزو ہے، درآنحالیکہ جہانتک مجھے علم ہے اس قسم کا کوئی حکم مسیحیت مین موجود نہین، مسلمانون کو اپنے اس زوال پر تنبہ ہوا، اور اپنی پستی پر انہین سخت غیرت معلوم ہوئی، اس سے ان مین ترقی کی جدید تحریک پیدا ہوئی، اور منقولات وتقلید کی چاردیواری سے نکل کر انھون نے براہِ راست قرآن سے استفادہ شروع کیا، اسوقت انہین نظر آیا کہ انکی زندگی مین کتنے غیر اسلامی عناصر شامل ہوگئے تھے، نیز یہ کہ جن امور کو یورپ اپنی آزاد خیالی سے منسوب کرتا ہے، وہ کس حد تک قرآن سے ماخوذ ہین، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ استبداد ومطلق العنانی کا خاتمہ ہو، مذہبی رواداری

پوری طرح قائم ہو، تعلیم جدید اصول پر مفت وعام ہو، اور غلامی کا رہا سہا دستور معدوم ہو، چنانچہ یہ سب کچھ ہوا، لیکن اس تحریک اصلاح کا مرکز نہ قاہرہ تہا، جہان کی قدیم طرز کی یونیورسٹی (ازہر) سرجانسٹن کی آنکھون مین اسقدر کہٹک رہی ہے، نہ مکہ تہا جسکی سرزمین ابتدا، اسلام کی مظلومیت کی یادگار ہے، اور پھر نہ بغداد و دمشق، بلکہ اسکا مرکز قسطنطنیہ تہا، یہی وہ مقام تہا جہان اسلام اور مسیحیت کا اتصال ہوا، اور یہین مسلمانون کو یہ اُمید پیدا ہوئی کہ مسیحیت سے جو مصالحت انکے پیمبر نے کرنا چاہی تھی پوری ہوکر رہیگی۔

یہ تحریک ابتداءً بالکل یورپ دوست تھی، اسکو امداد کی ضرورت تھی، اور اُس نے مغربی یورپ کے سامنے دست اعانت پہیلایا، لیکن مغربی یورپ نے اسکے جواب مین کیا کیا؟ یہ کیا کہ اسے ہرطرح پامال کرڈالنا چاہا، یہ کیون؟ اسلئے نہین کہ یہ تحریک "موجودہ ترقی تعلیم کے منافی" تھی، بلکہ اِسلئے کہ اس تحریک کا رجحان اسلامی ہونے کی بنا پر اشتراکیت کی جانب تہا، اسلئے کہ یہ سودخواری کے مخالف تھی، اسلئے کہ یہ محکوم قومون کی حامی تھی، جس سے حکمرانون کی خودغرضیون کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تہا، ہان اِسلئے کہ اسکی بنا ان حالات واسباب پر تھی جو امن عام کی جانب موڈی تھے۔

ترکون کے ساتھ ہمارے طرز عمل کے خلاف ایشیا و افریقہ مین جو شعلۂ فساد روزافزون قوت کے ساتھ بھڑکنے لگا ہے، اسکا اصلی سبب صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے طرزعمل سے دنیا کو یقین دلادیا ہے کہ ہم سلمانون کو میدان ترقی مین بڑہنے کا جائز موقع بھی نہین دینا چاہتے، اور ہم نے اپنی جگہ پر تہیہ کرلیا ہے کہ اسلام کو اُبھرنے نہ دینگے، لیکن اسلام اُبھریگا اور ہمارے علی الرغم اُبھریگا، البتہ ہمنے اپنے ایک ہونے والے دوست کو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنالیا ہے"۔

ایک اور انگریز مسٹر آر تھر دی لوئیس نے اسی بحث پر حسب ذیل اظہار خیال کیا ہے،

"سر ہنری جانسٹن نے اپنے مضمون مین اسلام پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ علم کا دشمن اور غیر اسلامی تاریخ سے ناآشنا ہے، تحریر مضمون کا محرک بیشک خواہش اتحاد عالم تھی جو قابل تحسین ہے، اور یہ اتحاد صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب قوم وعقیدہ کے اختلافات مٹ جائینگے لیکن اس مقصد کے حصول کی یہ صورت نہین کہ مسیحیت کے سامنے دوسرے مذاہب مٹ جائین یا اسی مین ضم ہو جائین، اسکے حصول کی ممکن صورت صرف یہ ہے کہ جملہ مذاہب واقوام اپنے مشترک ومتحد خصوصیات پر زور دین، اور ضد وخود بینی کے جذبات کو بالاے طاق رکھدین، میرے نزدیک سر ہنری جانسٹن کے الفاظ ذیل یقیناً تنگ نظری وتعصب کے نتائج ہین کہ

"بعثت مسیح سے سو برس قبل یہودیت مسیحیت مین محلول ہو چکی تھی اور یہ یہودیون کی محض احمقانہ ضد ہے کہ آج وہ اپنے تئین علانیہ مسیحی قرار نہین دیتے "

اس لب ولہجہ کے اختیار کرنے کے بعد سر ہنری جانسٹن کو یہ کسی طرح زیب نہین دیتا کہ وہ مسلمانون پر تاریخی تسلسل سے بیخبری یا غیر اسلامی دنیا سے بے تعلقی کا الزام لگائین، سر ہنری جانسٹن کی مسیحیت تنگ نظری وتعصب مین کسی دوسرے مذہب سے کم نہین،

اسی سلسلہ مین مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ایک مختصر مضمون لکھکر بھیجا جو ۱۵ مئی کے پرچہ نیو اسٹیٹسمین مین شائع ہوا ہے جسکا ملخص ترجمہ مندرج ہے -

"سر ہنری جانسٹن اسلام کی رواداری وآزاد خیالی مین شک کرتے ہین، اور ریورنڈ ہارڈوک ناظرین کو ربیان کے لکچر "اسلام وعلم" کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہین لیکن اجازت ہو تو عرض کرون کہ

اس سلسلہ مین رینان کی "حیات مسیح"[۱] کا مطالعہ بھی خالی از نفع نہوگا، اور اگر رشینلسٹ سوسائٹی پریس[۲] کے مطبوعات کے بہم پہنچنے مین کچھ دقت ہو تو مین ڈریپر کی "معرکہ مذہب وسائنس"[۳] کے ملاحظہ کی سفارش کرونگا، اسکے بعد بھی اگر اسلام کی آزاد خیالی مین کچھ شک وشبہہ باقی رہجائے تو ڈاکٹر ارنلڈ کی "دعوت اسلام"[۴] سے مدد لینا چاہیئے،

مسلمانون کی چاردہ صد سالہ زندگی مین اسکی کوئی نظیر نہین ملتی کہ کسی عالم کو اُسکی علمی تحقیقات کی بنا پر قتل کر دیا گیا ہو، یا زندہ آگ مین جلا دیا گیا ہو، خلفاء وسلاطین اسلام کے دربار یہودی ومسیحی فضلا سے لبریز رہا کئے ہین، اور گستاخی معاف، یہ بھی واضح رہے کہ آج اس بیسوین صدی مین "متمدن" و "روشن خیال" یورپین حکومتون کے تحت مین کسی غیر یورپین کے اس مرتبہ ومنصب تک پہنچنے کی کوئی مثال نہین ملتی، جسپر مسلمانون کے عہد حکومت مین ہمیشہ غیر مسلم پہنچتے رہے ہین یہ

۱؎ رینان، فرانس کا مشہور فاضل ومحقق، جکی کتاب (Life of Jesus) (حیات مسیح) عیسائیون کے عام معتقدات کے بالکل مخالف ہے،

۲؎ رشینلسٹ سوسائٹی (انجمن عقلیئین) ایک ربع صدی سے لندن مین قائم ہے، جسکا مقصد دنیا مین بجائے نقل روایت وتقلید کے عقل وآزاد خیالی کی ترویج ہے، اسکا پریس اتبک صدہا کتابین شایع کر چکا ہے، جنین سے بیشتر ایسی ہین جنین مسیحی تعصب وتنگ خیالی کی بوضاحت پردہ دری کیگئی ہی اس پریس نے رینان کی مذکورہ کتاب کو بھی شایع کیا ہے،

۳؎ امریکہ کے ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب (Conflict between Religion & Science) جسکا اُردو ترجمہ "معرکہ مذہب وسائنس" کے نام سے شایع ہو چکا ہے، اور جسمین بہ تفصیل دکھایا گیا ہی کہ مسیحیت نے قدم قدم پر علمی تحقیقات کی کیسی شدید مخالفت کی ہے -

۴؎ ڈاکٹر ڈبلوٹی آرنلڈ کی کتاب (The preeching of Islam) جسکا اردو ترجمہ دعوت اسلام کے نام سے شایع ہو چکا ہی اور جسمین یہ ثابت کیا گیا ہی کہ اسلام کی اشاعت بزور نہین بلکہ ہمیشہ صلح وآشتی کے ساتھ ہوئی ہے -

واقعہ اسلام کی رواداری کی دلیل ہے یا تعصب کی، کہ جو ممالک صدہا سال سے اسلام کے زیر نگین ہین، ان مین آج بھی مسیحیون اور یہودیون کی قدیم آبادیان موجود ہین جو صلح و امن کے ساتھ بے کھٹکے زندگی بسر کررہی ہین، درآنحالیکہ اسپین و سسلی مین جہان ایک زمانہ مین مسلمانون کی کثیر آبادی تھی، آج ایک بھی مسلمان نظر نہین آتا؟ کیا تاریخ اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ کس ظالمانہ طریق پر مسلمانان اسپین جلاوطن اور فنا کئے گئے، اور اسکا انجام یہ ہوا کہ اسپین مین وہ اقتصادی قحط اور علمی انحطاط پیدا ہوگیا، جسکے اثرات آج تک دور نہین ہوسکے ہین؟ مسلمانان روس کے ساتھ اس دور روشن خیالی مین جو شقاوت برتی گئی ہے اسکا حال تلفیق الاخبار کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے جسکے دو مجلدات قازان مین شایع ہوئے ہین، پھر مسیحی یورپ مین یہودیون کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا رہا ہے کیا اسکا حال کسی سے مخفی ہے؟ لیکن اسکے مقابلہ مین ان کے ساتھ مصر، اسپین، شام، اور خود ترکی مین کیا برتاؤ رہا ہے؟ یہی وہ طرز سلوک ہے جسمین اسلام کی رواداری و فراخدلی کی بہترین مثال ملتی ہے، جو حضرات اسکے مدعی ہین کہ انکی ہمدردیان نوع انسانی کے حدود تک وسیع ہین، براہ کرم وہ ان مظالم و شداید پر بھی ایک نظر کرین جو مسلمانون کو کریٹ، یونان، مقدونیہ و سروبیہ مین پیش آتے رہے ہین اور آج بھی پیش آرہے ہین، پھر تاریخ عالم مین جو واقعات محاربات صلیبی کے نام سے موسوم ہین یہ کس قوم کی "رواداری" کے نتائج تھے؟

جو اصحاب راستی و دیانت کے ساتھ اسلام کی علمی و تمدنی کارنامون کی بابت واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہین انکی خدمت مین گستاولی بان کی "تمدن عرب" کے مطالعہ کی سفارش کرونگا۔

مسلمان عموماً دو بڑے طبقون مین منقسم ہین، عرب و غیر عرب، غیر عرب کے تحت مین ایرانی، ہندوستانی، ترک، و منغول وغیرہ سب شامل ہین، اور ان قومون مین فضلا و فلاسفہ سیبویہ کی

تعداد مین نہین، بلکہ صدہا پیدا ہوچکے ہین، یہ سچ ہے کہ خاص عرب کی سرزمین سے ابتک کوئی ایسا فلسفی نہین پیدا ہوا ہے، جسکی عظمت تمام دنیا مین مسلم ہوتی، تاہم حوالی عرب یعنی یمن کے علاقہ مین دو ایک شخص اس پایہ کے پیدا ہوئے ہین، اور خاص عرب جو ابتک اس وصف سے محروم رہا، اسکا سبب صرف یہ ہے کہ عرب کے تمام ارباب علم نے اپنی توجہ مخصوص علم دین و اسرار شریعت پر مبذول رکھی، لیکن یہی لوگ جب اپنے وطن سے باہر نکل کر شام، مصر، ٹیونس، الجزائر، مراکش و اسپین مین قدم رکھتے تھے تو انہین مین سے نامور حکما، و فلاسفہ پیدا ہونے لگتے تھے، ان مشاہیر عرب کی شہرت قیامت تک قائم رہیگی کہ دنیا کے موجودہ ذخیرہ علم و حکمت کے اصلی ماخذ انہین کے کارنامے ہین، جو لوگ اسکے ثبوت کے متلاشی ہین انہین چاہیے کہ ابن خلکان، ابن اصیبعہ، ابن سعید و ابن ندیم کی ورق گردانی کرین، اگر ان کتابون کی مدد سے صحیح واقفیت پیدا کیجائے تو اسلام کی تنگ خیالی و تعصب پر کبھی زبان نہ کھل سکے،

پین اسلامی تحریک کا وجود ان دماغون سے باہر کہین نہین ہے، جنپر "زرد خطرہ" "سیاہ خطرہ" "سرخ خطرہ" یا "سفید خطرہ" کا عفریت سوار رہتا ہے، میرے نزدیک تو پین اسلامزم کے وہمی خطرہ سے جسکا وجود صرف مسیحی اوہام پرستون کے دماغون تک محدود ہے، بدرجہا زاید امن عالم کے لئے خطرناک یورپ کی ہوس ملک گیری و جوع الارض ہے، اور اس امر کا فیصلہ مین آپکے ان ناظرین کے جنھون نے مشرقی ممالک کی سیاحی کی ہے، انصاف پر چھوڑتا ہون کہ نوع انسانی کے لئے اپنے مذہب کے ساتھ جوش محبت رکھنا زیادہ خطرناک ہے یا یورپ کا جوش قومیت؟ -

غالب

دیوان غالب اُردو کے جدید ایڈیشن (نظامی پریس بدایوان) پر ہند و تعلیم یافتہ گروہ کے ایک ممتاز رکن پنڈت منوہر لال زتشی ایم اے، فیلو الہ آباد یونیورسٹی وانسپکٹر مدارس الہ آباد نے ایک انگریزی پرچہ مین ریویو تحریر کیا ہے، جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ ہندو اصحاب کے علمی طبقہ مین اردو شاعری خصوصاً غالب کی شاعری سے متعلق کیا خیالات ہین،

پنڈت صاحب موصوف لکھتے ہین کہ سالہا سال سے ہمارے ہم وطنون کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ مین اردو شاعری بدنام رہی ہے، اور اس بدنامی کے اسباب واضح ہین مثلاً خود فن شاعری مین انحطاط، تعلیم یافتہ گروہ کی جاہلانہ رعونت، اور زمانہ کی خشک مزاجی وغیرہ، اسمین بھی شبہہ نہین کہ انیسوین صدی کا رُبع آخر خاص طور پر انحطاط کا زمانہ تھا، اور یہ کہنا ایک امر واقع کو بیان کرنا ہے، کہ اس دور مین مرزا داغ کو مستثنیٰ کرنے کے بعد، جنکا کلام باوجود شہوانی مضامین کے صحیح شاعری کا نمونہ ہے، ایک بھی اعلیٰ پایہ کا شاعر نہین پیدا ہوا، یہ زمانہ وہ تھا کہ اساتذۂ قدیم وفات پا چکے تھے، اور اُنکے بجاے ہزارون نظم نویس جو نکل پڑے تھے اُنمین سے بہترین افراد کا منتہاے کمال یہ تھا کہ رعایت لفظی کی پابندی اور حُسن تناسب کے ساتھ قدیم مضامین کو از سرِ نو موزون کردین، اور جو بدترین تھے انکی شاعری تو تمامتر فحاشی اور نفرت انگیز ابتذال کا مجموعہ تھی، انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ نمونہ دیکھکر نفس اُردو شاعری سے متعلق یہ بدگمانی ہوگئی کہ یہ محض عیاش ورنگین طبع اشخاص کے سامان ضیافت کے مرادف ہے حالی اور اُن کے پیرؤون نے اس عام بدمذاقی کی راہ سے الگ ہوکر اردو شاعری کی اصلاح اور اسے فطرت (نیچر) کے مطابق بنانے کی کوشش کی، حالی بحیثیت مصلح کامیاب اور بحیثیت

شاعر نا کام رہے، انکی ناکامی کا اصلی راز یہ ہے کہ اُنھون نے شاعری مین بجاے جذبات کے خشک واقعات، اور بجائے تخیل کے عقل سے کام لینا چاہا[1]، اور اُنہین کامیابی اس حیثیت سے ہوئی کہ ان کا اصلاح مذاق کا منتر کارگر ہوگیا، اردو شاعری سے فحاشی و ابتذال کا عنصر دور ہوگیا، لوگون کا مذاق سخن درست ہوچلا، اور اسمین کوئی شبہہ نہین کہ زمانہ حال کے بہترین شعراء اقبال، چکبست، و حسرت موہانی کا کلام اپنے پیشرو ؤن سے مضامین مین پاکیزہ تر، طرز ادا مین لطیف تر اور ادبی حیثیت سے صحیح تر ہے،

اس اصلاح کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اساتذۂ اردو کے کلام کو ازسرِ نو مقبولیت حاصل ہونے لگی، اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقون مین ان ہستیون کی جانب التفات پیدا ہونے لگا، جنکے امتیاز کو نہ زمانہ مٹا سکتا ہے، اور نہ جنکے مذاق سخن پر کبھی کسی کو حرف گیری کی گنجائش ہوسکتی ہے، ان اساتذہ مین غالب کا مرتبہ سب سے بلند ہے، اسلئے ہم سب کو نظامی پریس بدایون کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اس نے پچھلے چند سال کے اندر دیوان غالب کے تین نہایت عمدہ ایڈیشن شایع کردیئے ہین، مضمون و زبان، عمق خیال و حسن ادا، مضمون آفرینی و شیرین بیانی، معنویت و دلکشی، ہر حیثیت سے غالب اسوقت تمام دوسرے شعراء سے زیادہ جدید طبقہ مین مقبول و محبوب ہے، اور اگر یہ صحیح ہے کہ شاعری نام ہے الہامات فطری و موسیقیت کے ازدواج کا، علو خیال و حسن بیان کے اجتماع کا، تو اسمین کوئی شبہہ نہین کہ غالب کا یہ امتیاز ہمیشہ

---

[1] فاضل مضمون نگار کی اس راے سے اتفاق کرنا دشوار ہے کہ حالی کو شاعر کی حیثیت سے ناکامی ہوئی، حالی کا قدیم عاشقانہ کلام کسی طرح مومن، شیفتہ، و آتش سے فروتر نہین، بلکہ انکی بعض غزلین تو اس پایہ کی ہین کہ اُنہین بلا تکلف دیوان غالب مین جگہ دیجاسکتی ہے، رہی کلام کی عام مقبولیت سو مسدس اور بعض دوسری نظمون، بیوہ کی مناجات، شکوہ حالی سے بڑھکر اردو مین شاید ہی کسی اور کا کلام مقبول ہوا ہو۔ (معارف)

قائم رہیگا، یہ بالکل صحیح ہے کہ غالب اپنی زندگی و شاعری کسی شے مین رسوم و تقلید کا پابند نہ تھا، ایک امریکی مصنف نے خوب کہا ہے کہ اگر انسان کو بڑا ہونا ہے تو اسے مجتہد ہونا چاہیئے، اور غالب اپنی زندگی کے ہر شعبہ مین قیود و رسوم سے آزاد تھا، مذہب کے جو معنی عموماً لئے جاتے ہین، اس معنی مین وہ ایک غیر مذہبی شخص تھا، اپنی نظم و نثر مین کہین بھی وہ مصطلح مفہوم مین خدا وغیرہ پر اپنا اعتماد ظاہر نہین کرتا، البتہ اسکے ہر شعر مین ایک عمیق روحانیت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے، اسکا کلام گویا ویدانت کا تصوف منظوم لباس مین ہے، اور غالب اپنے ایک ایک لفظ سے اپنے صوفی ہونے کا ثبوت دیتا ہے، اشعار ذیل ملاحظہ ہون،

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہین | حیران ہون پھر مشاہدہ ہی کس حساب مین

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن | دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہوتا تو خدا ہوتا | ڈبویا مجھکو ہونے نے نہوتا مین تو کیا ہوتا

یہی نہین کہ غالب کا ہر شعر بجائے خود ایک داستان غم ہے، تلاش حقیقت کے لئے ایک نالۂ مضطر ہے، طلسم کشائی دہر کے لئے ایک صدائے درد ہے، بلکہ اسکے کلام مین تاثیر کا کمال یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے کو بھی اپنا ہمرنگ بنا لیتا ہے، اور اسکے قلب مین اپنی ہی سی روح جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ براؤننگ کی طرح غالب مشکل پسند ہے، اور بے شبہہ اسکے کلام کے بعض حصون کے متعلق یہ خیال بالکل صحیح ہے، لیکن دوسری طرف اسکا ایسا کلام بھی موجود ہے جو اپنی صفائی و سادگی کے لحاظ سے بے نظیر ہے، اور جسمین حسن ادا و لطف بیان کے ساتھ ساتھ

سوز و گداز بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، شلاً

کوئی اُمید بر نہین آتی | کوئی صورت نظر نہین آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی | اب کسی بات پر نہین آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون | ورنہ کیا بات کر نہین آتی
ہم وہان ہین جہان سے ہکو بھی | کچھ ہماری خبر نہین آتی
مرتے ہین آرزو مین مرنے کی | موت آتی ہے پر نہین آتی
کعبہ کس منھ سے جاؤ گے غالب | شرم تمکو مگر نہین آتی

لیکن غالب پرستی کے لئے یہ ضروری نہین کہ دوسرے معبودان ادب کی خداوندی سے انکار کر دیا جائے، میر کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، سو برس سے اسکی جو عظمت قائم ہے اسمین اب بھی فرق پڑنے کی کوئی وجہ نہین، اور عظمت بھی کیسی جسکا فیاضانہ اعتراف خود غالب کو ہے، ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

آتش کا موضوع سخن محدود ہے، پھر بھی اپنی اس محدود و مختصر قلمرو مین اُسکی فرمانروائی مسلّم ہے، ؎

بندش الفاظ جڑنے سے نگین کے کم نہین
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

انیس نے اپنے تئین صرف مرثیہ کے حدود کا پابند رکھا ؎

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی مین | پانچوین پشت ہے شبیر کی مداحی مین

لیکن اس میدان مین اُن کا کوئی حریف نہین، اور اُنکی بعض رباعیات تو فصاحت کے دار الضرب مین سب سے زیادہ کھری ثابت ہوئی ہین،

آجکل سائنس کا دور دورہ ہے، زمانہ مادّی علوم کی جانب متوجہ ہے، طلبہ کے لئے نل کی ساخت کے اصول جاننا زیادہ قابل قدر سمجھا جاتا ہے، بمقابلہ اِسکے کہ کالیداس کے شکنتلا، یا ورڈس ورتھہ کے ٹنٹرن ایبے کے لطائف ادبی پر اُنکی نظر ہو، ایسی حالت مین اسکی بہت سخت ضرورت ہے کہ ہمارے جذبات عالیہ واحساسات لطیفہ، مادّی علوم کی تحقیقات، تجارتی ہنگامہ آرائیون، کاروباری چیخ پکار، اور سیاسی شور وشغب کے روزافزون بار سے پامال ہونے سے کچھ تو محفوظ رہ سکین۔

اخبار علمیّہ

ماہ گذشتہ مین ایک شخص مسمّٰی ٹامس میرس نے امریکہ مین وفات پائی، جسکی بابت خیال ہے کہ وہ دنیا کا معمر ترین شخص تھا، وفات کے وقت اسکی عمر ۱۲۶ سال کی تھی، اُس کے گھر مین انجیل کا ایک نسخہ تھا، جسپر اسکی تاریخ ولادت ۵ اجنوری ۱۷۹۲ء درج تھی، اسکا مولد نارتھ ویلز (انگلستان) تھا، اُسکو نپولین کے زمانہ کی لڑائیان خصوصًا جنگ واٹرلو بطور چشمدید واقعات کے اچھی طرح یاد تھین، پچاس برس سے اسکی سکونت امریکہ مین تھی، اُسکی عمر ۲۶ سال کی تھی، جب اسکی معشوقہ کا انتقال ہوگیا، اسوقت سے وہ برابر عورت کی صحبت سے محترز رہا،

امریکہ مین یونیورسٹیان دو قسم کی ہین، ایک سرکاری، دوسرے پرائیوٹ، دونون کی مجموعی تعداد ۶۰۰ ہے، ریاستہائے متحدہ کی تقریبًا ہر ریاست اپنی ایک علٰحدہ یونیورسٹی رکھتی ہے اور متعدد پرائیوٹ یونیورسٹیان، لیکن شہرت، ناموری، اور علمی کارنامون کے لحاظ سے عمومًا پرائیوٹ یونیورسٹیان سرکاری یونیورسٹیون پر ہر طرح تفوق رکھتی ہین، چنانچہ ئیل، ہرورڈ، کولمبیا، پرنسٹن و شکاگو کی مشہور عالم یونیورسٹیان غیر سرکاری ہین، ہر یونیورسٹی کے عمومًا پانچ شعبے ہوتے ہین، شعبۂ علوم، شعبۂ فنون، شعبۂ زراعت، شعبۂ طب، اور شعبۂ قانون،

کالجون مین یہ تمام مضامین صرف دو عنوانات کے تحت مین آجاتے ہین، شعبۂ علوم، و شعبۂ فنون، اکثر یونیورسٹیون مین پانچ پانچ کالج ہوتے ہین :-

(۱) کالج برائے علوم وفنون،

(۲) کالج برائے انجینیرنگ،

(۳) کالج برائے زراعت،

(۴) کالج برائے طب،

(۵) کالج برائے قانون،

بعض یونیورسٹیون مین انکے علاوہ تجارتی کاروبار کے لئے بھی کالج ہوتے ہین، چند یونیورسٹیون مین صحافت یا فن اخبارنویسی کی بھی باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے، کچھ یونیورسٹیان ایسی بھی ہین جو بذریعہ مراسلت تعلیم دیتی ہین، طلبہ اپنی مشکلات اساتذہ کی خدمت مین بذریعہ ڈاک بھیجدیتے ہین، اور وہ ڈاک ہی سے اُن کے جوابات بھی ارسال کردیتے ہین، ہزارہا طلبہ جو باضابطہ مدارس مین داخل ہوکر تعلیم پانے کا وقت نہین نکال سکتے، اسی ذریعہ سے مستفید ہوتے رہتے ہین،

عموماً امریکی یونیورسٹیان حسب ذیل ڈگریان عطا کرتی ہین:-

(۱) اے، بی، (یہ ہمارے ہان کے بی، اے کے مرادف ہے، یعنی "بالغ العلوم")

(۲) بی، ایس، (یہ ہمارے ہان کے بی، اس، سی کے مرادف ہے، یعنی "بالغ الفنون")

(۳) اِل، اِل، بی، (قانونی گریجویٹ کی ڈگری)

(۴) اے، ایم، (یہ ہمارے ہان کے ایم، اے، کے مرادف ہے، یعنی "کامل العلوم")

(۵) ایم، اس، (یہ ہمارے ہان کے ایم، اس، سی کے مرادف ہے، یعنی "کامل الفنون")

(۶) پی، ایچ، ڈی، (ڈاکٹر آف فلاسفی، فلسفہ کی اعلیٰ ترین سند)

(۷) ایم، ڈی، (ڈاکٹر آف مڈیسن، طب کی اعلیٰ ترین سند)

(۸) ڈی، ڈی، اس، (ڈاکٹر آف ڈینٹل سرجری- امراض دندان کے متعلق اعلیٰ ترین سند)

بعض یونیورسٹیون مین انکے علاوہ کچھ اور ڈگریان بھی ہوتی ہین، مثلاً ٹبل یونیورسٹی ایک خاص ڈگری، پی، ایچ، بی- (بیچلر آف فلاسفی) کی دیتی ہے،

صنف نسوان کے لئے امریکہ مین عموماً جداگانہ کالج ہین، اسی طرح طب، زراعت، تجارت، انجینیرنگ، وغیرہ مخصوص صنایع وفنون کے لئے، نیز طبقہ عمال کے لئے علٰحدہ کالج ہین جو یونیورسٹیون کی نگرانی سے آزاد ہین، بڑے بڑے کارخانہ دارون کے قائم کردہ کالج ان کے علاوہ ہوتے ہین، جنمین انکے اہل حرفہ کے بچے تعلیم پاتے ہین،

نیویارک (امریکہ) کے ایک نوتعمیر ہوٹل مین جسکا نام ایمبیسیڈر ہوٹل ہے، ایک عجیب وغریب صنعت یہ رکھی گئی ہے کہ اسکی چودہوین منزل پر جو سطح زمین سے تقریباً دوسو فٹ بلندی ایک چمن لگایا گیا ہے جو شاداب گھاس اور خوشنما پھولون کا مجموعہ ہے، اس چمن کا عرض بارہ فٹ اور طول دوسو فٹ ہے، اسکے گرد ایک نہایت نفیس اور مضبوط کٹہرہ بھی لگادیا گیا ہے تاکہ تماشائی بے خوف وخطر اسکی سیر کرسکین،

ایک قدیم مصری تاجدار توت اخ امر کا سنگین مجسمہ حال مین لوور کے عجائب خانہ نے دس ہزار پونڈ کی قیمت دیکر خرید کیا ہے، ۱۸۶۰ء سے یہ مجسمہ ایک فرنچ شہزادہ کے قبضہ مین چلا آتا تھا، اور بہت کچھ شکستہ حالت مین ہے، روایت ہے کہ ولادت مسیح سے ہزارہا سال قبل اس بادشاہ کے طریق حکومت سے برہم ہوکر اسکی رعایا نے اسکے مجسمہ کو غارت کرنیکی کوشش کی تھی

اگر ایک شخص یہ بیان کرے کہ پانی لوہے کو گلا دیتا ہے تو کوئی بھی اسپر یقین نہ کریگا، لیکن ایک سائنس دان لکھتا ہے، کہ اگرچہ خالص و بے آمیز پانی برق آفرین نہین، لیکن اگر اہین کچھ بھی تیزابیت پیدا ہوجائے تو وہ فوراً موصل امواج برق بنجاتا ہے، اب اگر کسی تیزاب آمیز پانی کے ذخیرہ سے برقی رَو کو گذارین تو وہ پانی اپنے دو اجزا ترکیبی آکسیجن و ہائڈروجن مین تقسیم ہوجائیگا، جنہین بآسانی شیشہ کے مرتبانون مین محفوظ کیا جاسکتا ہے، آکسیجن و ہائڈروجن کے اس مرکب کو اگر ذرا سی بھی آگ دکھادین تو دفعتہً اسقدر تیز و شدید شعلۂ آتش پیدا ہوگا جو چند منٹ مین لوہے کی دبیز چادر کو بھی پگھلا دیگا،

امریکہ کی مشہور کولمبیا یونیورسٹی نے اپنے ہان ایک جدید قاعدہ یہ نافذ کیا ہے کہ اسکے طلبہ کو اپنے آخری دو برسون مین دنیا کی مشہور ترین کتب مین سے کم و بیش پچاس کی تعداد مین ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے، چنانچہ اس نے بیالیس [۴۲] مصنفین کے نام بھی ازخود پیش کئے ہین، جنکی تصانیف کا مطالعہ، اسکے نزدیک دنیا کے بہترین لٹریچر کا مطالعہ ہے، ان مصنفین کے اسمائے گرامی مع انکی قومیت یا زبان تصنیف کے حسب ذیل ہین :-

---

	نمبر	نام	
یونانی	(۱)	ہومر	(شاعر)
	(۲)	ہیروڈوٹس	(مورخ)
	(۳)	تھیوسی ڈایڈس	تذکرہ نویس
	(۴)	عسقلیس	(شاعر و ڈراما نویس)
	(۵)	یوریپیڈیس	(")

یونانی	(۶)	ارسٹافینیز	(شاعر و ڈراما نویس)
	(۷)	فلاطون	(فلسفی)
	(۸)	ارسطو	(〃)
	(۹)	لکریشیس	(شاعر و فلسفی)
	(۱۰)	موفوکلیز	(شاعر و ڈراما نویس)
رومی	(۱)	ورجل	(شاعر)
	(۲)	ہورلیس	(〃)
	(۳)	پلوٹارک	(تذکرہ نویس)
	(۴)	مارکس آریلیس	(حکیم اخلاق)
ائمہ مسیحیت اور قرون وسطی	(۱)	سینٹ آگسٹائن	(متکلم و واعظ)
	(۲)	نابیل انگن لائڈ	(〃)
	(۳)	رولنڈ	(شاعر)
	(۴)	ٹامس اکوئیناس	(متکلم)
اطالوی	(۱)	دینتے	(شاعر)
	(۲)	پیٹرارک	
انگریز	(۱)	شکسپیر	(شاعر و ڈراما نویس)
	(۲)	ملٹن	(شاعر)
	(۳)	بیکن	(فلسفی)
	(۴)	ہیوم	(〃)

قوم	نمبر	نام	حیثیت
انگریز	(۵)	ایڈم اسمتھ	(اقتصادی)
	(۶)	مکالے	(ادیب)
	(۷)	ڈاردن	(سائنٹسٹ)
	(۸)	لائل	(//)
جرمنی	(۱)	لسنگ	(شاعر و حکیم)
	(۲)	گیٹے	(//)
	(۳)	شلر	(//)
	(۴)	کینٹ	(فلسفی)
	۵	ہیگل	(//)
	(۶)	نیٹشے	(مورخ و فلسفی)
فرنچ	(۱)	مولیار	(افسانہ نویس)
	(۲)	مانٹسکو	(ادیب)
	(۳)	والٹیر	(//)
	(۴)	روشو	(//)
	(۵)	مانٹین	(//)
	(۶)	ہیوگو	(افسانہ نویس)
روسی	(۱)	ٹالسٹائے	(حکیم و افسانہ نویس)
اسپینی	(۱)	سروینٹیس	(افسانہ نویس)

دنیا کا سب سے بڑا ہوٹل شگاگو (امریکہ) مین تعمیر ہونا تجویز ہوا ہے، انجینیرون نے اسکا جو نقشہ بنایا ہے، اسمین چار ہزار کمرے رکھے ہین! ہوٹل سے متعلق چار سو علحدہ باورچیخانے ہونگے، ایک تھیٹر ہال ہوگا جسمین ڈہائی ہزار آدمی بیٹھ سکین گے، اور ایک عمارت سولہ منزلون کی ہوگی!! ہوٹل کے مجموعی مصارف کا تخمینہ ڈیڑہ کرور ڈالر قرار پایا ہے،

سر آرتھر ہیجٹ نے رایل جیوگرافیکل سوسائٹی کی خدمت مین دنیا کا ایک نقشہ پیش کیا ہے جو دو نصف دائرون کی شکل مین ہے، اور جو ہالینڈ مین سترہوین صدی کے وسط مین تیار ہوا تھا اسکی ایک نقل برٹش میوزیم کے کتبخانہ مین بھی ہے، مگر وہ بعض حیثیات سے ناقص ہی بخلاف اسکے یہ کاپی ہر طرح سے مکمل ہے۔

مسیو بیرونی نے فرنچ اکاڈمی آف سائنس کے سامنے آفتاب کی عمر سے متعلق اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اسکو وجود مین آئے ہوئے بیس لاکھہ سال سے لیکر ساٹھ لاکھہ سال تک کی مدت ہوئی ہے،

رایل کالج آف سرجنس (لندن) کے سامنے پروفیسر کیتھ نے ایک لکچر کے دوران مین بعض ایسے آلات اور اعضاے جسم جمجمہ وغیرہ پیش کیے جن سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ ولادت مسیح سے پانچ ہزار سال قبل بھی جراحی اعمال بالبد کے وہ طریقے رائج تھے جنھین عصر جدید کا پیداوار سمجھا جاتا ہے، اس زمانہ کے ایک روزنامچہ مین ان شرائین و اوردہ کے نام تفصیل کے ساتھ ملے ہین، جنکی دریافت کو زمانۂ حال کے فن تشریح کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا تھا

امریکن فارسٹری میگزین لکھتا ہے کہ برٹش کولمبیا (جنوبی امریکہ) مین بعض درخت ایسے دریافت ہوئے ہین جنمین شکر پیدا ہوتی ہے، یہ شکر نیم رقیق ونیم جامد مادہ کی شکل مین درخت کی چھال سے رستی رہتی ہے، اور تھوڑی دیر مین معمولی شکر کی طرح جم کر خشک اور ٹھوس ہوجاتی ہے یہ شکر ذائقہ مین نہایت شیرین ہوتی ہے، اور اسکی ہر ڈلی ½ انچ سے لیکر ۲ انچ تک قطر مین ہوتی ہے، چھونے مین ذرا سخت ہوتی ہے، لیکن منھ مین ڈالتے ہی لعاب دہن کے اثر سے گھل جاتی ہے، اور کھانے مین چپکتی مطلق نہین، برٹش کولمبیا کے دیسی باشندون کو اس کا حال ہمیشہ سے معلوم تہا، اور وہ برابر اس سے شیرین کام ہوتے رہے، حکمران طبقہ کو البتہ اب اسکا حال معلوم ہوا ہے،

دنیا مین سب سے زیادہ جسامت کی بڑی تین گھڑیان (کلاک) امریکہ مین ہین، ان تینون مین سب سے بڑی گھڑی جرسی کے گھنٹہ گھر مین نصب ہے، اسکا قطر ½ ۳۸ فٹ کا ہی اور اسکی بڑی سوئی ۲۰ فٹ طویل ہے، اسکی چھوٹی سوئی کا وزن کئی من ہے، اور اسے روزانہ آدھ میل سے زیادہ کا چکر کاٹنا پڑتا ہے،

شمالی افریقہ کے مارخوار (سانپ کہانے والے) افراد ہر سال اپنی ایک کانفرنس منعقد کرتے رہتے ہین، اِدہر پانچ سال سے اسکا انعقاد ملتوی تہا، مگر اب چند روز ہوئے اسکا اجلاس ہوا، اسمین سترہ ماہرین فن ٹیونس، الجیریا، وغیرہ دُور دراز مقامات سے آکر شریک ہوئے، جنمین سے اکثر افراد فرنچ سپاہ مین سپاہیون کی حیثیت سے فرانس کی سرزمین پر لڑ چکے تھے، چھوٹے بڑے چار سو زندہ سانپون سے زاید فراہم کئے گئے، اور ہر شخص اس امر کا امتحان

دیئے بڑہا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سانپ جلد سے جلد نگل سکتا ہے، امتحان کا طریقہ یہ تہا کہ ہر شخص ایک سانپ کو پکڑ کر اسکے منہ کی طرف سے اپنے منہ مین رکہتا تہا، اور جونہی اسکی دم غائب ہوتی تہی فوراً اسے باہر کہینچکر پہینکدیتا تہا، اور معاً دوسرا سانپ منہ مین رکہتا تہا، آخر مین جس شخص نے کم سے کم مدت مین چوبیس (۲۴) سانپ نگلے، وہ مستحق انعام قرار پایا، اور اُسے بطور تمغہ کے ایک گولہ جسمین پیتل کی کیلین اور زنجیرین لگی ہوئی ہتین انعام ملا۔

مشہور ماہر طبیعیات سر آلیور لاج نے ادہر امریکہ مین متعدد لکچر دیئے، ان سب کا خلاصہ یہ تہا کہ موت کو انسانی ہستی کے خاتمہ کا مرادف قرار دینا قطعاً غلط ہے، موت کے وقت انسان اپنے جسم خاکی کو بے شبہہ چھوڑ دیتا ہے، لیکن اُسکا جوہر اصلی کسی دوسرے قالب یا شکل مین یقیناً باقی رہتا ہے۔

ادبیات

افادات اکبر

درد تو موجود ہے دل مین دوا ہو یا نہو
بندگی حالت سے ظاہر ہی خدا ہو یا نہو

جہومتی ہے شاخ گل کہلتے ہین غنچے دمبدم
باا ثر گلشن مین تحریک صبا ہو یا نہو

وجد مین لاتے ہین مجہکو بلبلون کے زمزمے
آپ کے نزدیک با معنی صدا ہو یا نہو

کر دیا ہی زندگی نے بزم ہستی مین شریک
اسکا کچھ مقصود کوئی مدعا ہو یا نہو

کیون سول سرجن کا آ نا روکتا ہی ہمنشین
اسمین ہی اک بات آنر کی شفا ہو یا نہو

مولوی صاحب نہ چھوڑینگے خدا گو بخشدے
گھیر ہی لین گے پولس والے سزا ہو یا نہو

ممبری سے آپ پر تو وارنش ہو جائیگی
قوم کی حالت مین کچھ اس سے جلا ہو یا نہو

معترض کیون ہو اگر سمجھے تہین صیاد دل
ایسے گیسو ہون تو شبہہ دام کا ہو یا نہو

حادثے اپنے طریقون سے گذرتے ہی رہے
کیون ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے

صفحۂ ہستی پر آخر کس قلم کی ہے کشش
نقش مٹتے ہی رہے لیکن اُبھرتے ہی رہے

انتظار آخر اجل سے کر گیا یان ہمکنار
چشم بد دور آپ اپنے گھر سنورتے ہی رہے

یہ بات تو کھری ہی ہرگز نہین ہی کھوٹی
عربی مین نظم ملت، بی اے مین حرف روٹی

لیکن جناب لیڈر یہ شعر سن کے بولے
بندھوائینگے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی

اس بات کو خدا ہی لبس خوب جانتا ہے
کسکی نظر ہے غائر کسکی نظر ہے موٹی

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود آخر ہے
شکم بولا کہ اسکی بحث کیا بندہ تو حاضر ہے
شکم کی پیٹھ ٹھونکی نفس امارہ نے خوش ہوکر
صدای باطنی اُٹھی کہ یہ کمبخت کافر ہے

اس سے تو اس صدی مین نہین ہمکو کچھ غرض
سقراط بولے کیا اور ارسطو نے کیا کہا
بہر خدا جناب یہ دین ہمکو اطلاع
صاحب کا کیا جواب تہا باو نے کیا کہا

دینِ خدا ہے حق کی تجلّی کے واسطے
دنیا اُٹھی ہے اپنی تعلّی کے واسطے
عارف جو ہین رہین گے وہ اللہ ہی کے ساتھ
اللہ ہی ہے انکی تسلّی کے واسطے

یہ ممبری کی دُھن مین مذہب سے منحرف ہین
مسجد مین متحد تھے ووٹون مین مختلف ہین

گائے کا تو کچھ ٹھکانا بہائی گاندہی نے کیا
شیخ جی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہی دیکھئے

مطبوعات جدیدہ

تاریخ سہسرام، سہسرام صوبہ بہار کا نہایت قدیم شہر ہے، جسکو شیر شاہ کے مولد ومنشا ہونے کا شرف حاصل ہے، مولوی ابو محمد صاحب مصلح نے اسکی ایک تاریخ لکھی ہے جسمین سہسرام کی قدامت، اُسکے حکمران خاندان، اُسکے آثار قدیمہ، عمارات، مساجد، مقابر اور اوقاف وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، پھر چھبیسوین فصل مین سہسرام کے مشائخ، اولیا، اور اُسکے بعد اہل قلم، اہل سیف، اور دیگر مشاہیر کے حالات لکھے ہین، اُنتالیسوین فصل مین سہسرام کے مناظر طبعیہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور یہین پر کتاب کی جلد اول ختم ہوگئی ہی اسکے بعد دوسری جلد شروع ہوئی ہے جسکی دو فصلین اس جلد مین بھی شامل کیگئی ہین، کتاب کی ترتیب مین مولوی صاحب موصوف نے نہایت محنت، دقت، اور عرقریزی سے کام لیا ہے، اور تاریخ کی مختلف کتابون کے علاوہ مختلف یادداشتون، شجرون، نسب نامون، اور کتبون سے بھی مدد لی ہے، جس سے کتاب مفصل ہونے کے ساتھ دلچسپ بھی ہوگئی ہے، بہرحال یہ مولوی صاحب موصوف کی پہلی کوشش ہے جسکے لئے وہ داد کے مستحق ہین، کتاب کی قیمت عمر ہے، اور محمد عبدالرحمن خان محلہ عالم گنج سہسرام (ضلع آرہ) سے مل سکتی ہے،

شباب اُردو - وطن بلڈنگ لاہور سے اس نام کا ایک ادبی رسالہ جاری ہوا ہے جسکے ایڈیٹر خان احمد حسین خان بی، اے آنریری ایڈیٹر خان بہادر شیخ عبدالقادر بی، اے سابق ایڈیٹر مخزن، جائنٹ ایڈیٹرز خانصاحب شیخ عبدالعزیز بی، اے اور خواجہ دل محمد ایم، اے ہین اور یہ اسکی ایک ایسی خصوصیت ہے، جسمین ابتک ہماری زبان کے صرف دو تین

رسالے اسکے شریک ہوسکے ہین، مضامین کے لحاظ سے پرچہ دلچسپ ہے، اور نظمین بھی عمدہ ہین، اسمین کبھی کبھی مشاہیر کی تصویرین بھی شامل کیجاتی ہین، چنانچہ اس پرچہ مین لسان العصر اکبر الہ آبادی کی تصویر شامل کیگئی ہے، قیمت صہ رسالانہ ہی، اور مذکورہ بالا پتہ سے ملسکتا ہے۔

ادیب، ممالک متوسط کے دار السلطنت ناگپور سے یہ ایک علمی رسالہ جاری ہوا ہے، جسکے اڈیٹر مولوی عبد الغنی صاحب ایم، اے (علیگ) ہین، ہمارے پیش نظر اسکا دوسرا نمبر ہے جو مضامین کے لحاظ سے قابل داد ہے، نظم کا حصہ بھی اچھا ہے، چنانچہ اس نمبر مین علامہ شبلی مرحوم کی ایک غزل شایع کیگئی ہے، زبان کے لحاظ سے البتہ کسیقدر اصلاح کی ضرورت ہے، جو نہایت آسانی کے ساتھ کیجاسکتی ہے، رسالہ کی قیمت سے (۳) رسالانہ ہے جو اسکی ضخامت اور ظاہری محاسن کے لحاظ سے مناسب ہے، پتہ: ادیب، ناگپور۔

تاج، یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو جبل پور سے تاج الدین صاحب کی اڈیٹری مین دوبارہ جاری ہوا ہے، تاج الدین صاحب مذہبی اور قومی تحریکات کے سلسلہ مین عام طور پر روشناس ہوچکے ہین، اسلئے اُنکا نام لینے کے بعد یہ بتانے کی ضرورت باقی نہین رہتی کہ یہ پرچہ کس نوعیت اور کس مرتبہ کا ہوگا، اخبار پر قیمت درج نہین ہی، مذکورہ بالا پتہ سے ملیگا۔

مجلد ششم	ماہ ذیحجہ ۱۳۳۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۰ء	عدد سوم

مضامین

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعتہائے انسانی" کے اصول نفسیہ کا

ترجمہ، از مولانا محمد یونس فرنگی محلی، قیمت عہ/

"مینجر"

شذرات

ہندوستان کے لیے ماہ گذشتہ کا اہم ترین حادثہ مسٹر تلک کا انتقال تھا، اپنی سیاسی حیثیت سے قطع نظر کرکے مسٹر تلک ملک کی علمی زندگی کے بھی ایک بہت بڑے عنصر تھے، وہ سنسکرت زبان کے ماہر اور ہندؤن کے علوم قدیمہ کے ایک زبردست عالم تھے، قدامت وید کے متعلق انہون نے جو فاضلانہ مقالہ پہلی اورنیٹل کانفرنس کے سامنے ۱۸۹۲ء مین پیش کیا تھا، اُسے مستشرقین کے حلقہ مین خاص وقعت کے ساتھ دیکھا گیا۔ اسکے بعد سے مسٹر تلک نے وید وگیتا کے متعلق متعدد بلند پایہ تصانیف و مضامین سنسکرت اور انگریزی مین شائع کئے، اور ماہرین فن انکی وسعت نظر و تبحر علمی کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے ہندوستان اپنی بزم علمی کے اِس رُکن رکین کے اُٹھ جانے پر جس قدر بھی تاسف کرے بجا ہے،

اس پرچہ مین اخبار علمیہ کے زیر عنوان دانتے کی شش صد سالہ برسی کے اہتمام کا نقشہ ناظرین کی نظر سے گزریگا، دانتے انگلستان کا نہین، اٹلی کا باشندہ تھا، اسکے احسانات انگریزی زبان پر نہین بلکہ اپنی ملکی زبان پر ہین، اسکے مذہبی معتقدات اہل انگلستان سے نہین، اسکی سیاسی تعلیم انگریزی حکومت کی نہین، اسے نسلی قرابت انگریزی قوم سے حاصل نہین، لیکن بہ اینہمہ اختلافات آج انگلستان اسکی پرتش کر رہا ہے، اور انگریزی قوم بغایت

انہاک و اہتمام اسکی چھٹی صد سالہ برسی منانے مین مصروف ہے! اسکے مقابلہ مین فارسی و اُردو کو اپنی مادری و قومی زبان ماننے والے براہ کرم یہ فرمائین، کہ سعدی و حافظ، نظامی و جامی، میر و غالب کی روحون کے ساتھ انکا کیا سلوک ہے؟ جو قوم اپنے اسلاف کے عقلی و ذہنی، روحانی و اخلاقی ترکہ کو اس درجہ حقیر و ناقابل التفات سمجھتی ہے، اگر فطرت کی عدالت اسکے استحقاق حکومت و امارت کے دعویٰ کو ناقابل التفات سمجھے، تو کون اس فیصلہ کو نامنصفانہ کہہ سکتا ہے؟

مسٹر پی، سی، رائے اسوقت ہندوستان کے سب سے بڑے ماہر کیمیائیات ہین - انکی سائینٹفک عظمت، بیرون ہند کے معاصر علماء فن کو مُسلّم ہے، کچھ روز ہوے لوگون نے ان سے اصرار کیا کہ وہ اپنے تئین کونسل مین انتخاب کے اُمیدوار کی حیثیت سے پیش کرین، اس تحریک کے جواب مین پروفیسر موصوف نے الفاظ ذیل ارشاد فرمائے،

"مین سیاسی مسائل سے کافی دلچسپی رکھتا ہون، لیکن جسوقت تک ملک مین کم از کم تیس ماہرین کیمیا نہ پیدا ہو جائین، مین میدان سیاست مین قدم نہین رکھ سکتا - ملک مین اسوقت اہل سیاست کا قحط نہین، بلکہ انکی تعداد ضرورت سے بہت زاید ہے، ملک کو اب ضرورت ارباب سیاست کی نہین، بلکہ سائنس دانون اور محققین کیمیا کی ہے - اور انہین کا اسوقت قحط ہے - جسوقت تک اس جماعت کی تعداد مین معقول اضافہ نہ ہولیگا، ہمارے درد کی دوا نہین ہوسکتی - سیاسیات مین بھی کرنے کے بیسیون کام ہین، لیکن مین اس مین جسقدر وقت دونگا، اسی قدر اپنی مخصوص خدمت علم و فن سے قاصر رہونگا۔"

سنتے ہین کہ کسی زمانہ مین مسلمان بہی بڑے بڑے مناصب ملکی کو استغنا، علم و فن کی قربان گاہ پر نذر چڑہا دیتے تھے،

حبشیون کا شمار دنیا کی "شائستہ" و "متمدن" اقوام مین نہین، اور صدی ڈیڑھ صدی اُدھر تو حیوانات کی طرح علانیہ انکی تجارت ہوتی تھی، اور انکا مقصدِ حیات صرف یہی ہوتا تھا، کہ مدۃ العمر سفید فام مخلوقات کی غلامی کرتے رہین۔ اِسوقت امریکہ مین انکی تعداد کچھ کم ایک کروڑ ہے، آج سے دس سال پیشتر اس جماعت کے پاس نشر خیالات کا کوئی آلہ نہ تہا، نومبر سنہ۶ مین اسکے ایک ممتاز رکن ڈاکٹر ڈیو بوایس نے اپنے قومی اغراض وحقوق کے تحفظ کے لیے ایک ماہوار رسالہ کرائسیس (The crisis) جاری کیا، پہلا نمبر ایک ہزار کی تعداد مین شائع ہوا، اور ہاتھون ہاتھ نکل گیا، اسکے بعد سے ہر نمبر کی تعداد اشاعت مین حیرت انگیز اضافہ ہوا، تا آنکہ سنہ۱۹ کے آخری اعداد کے بموجب اُسکے خریدارون کا شمار ۹۴،۹۰۰ تک پہونچ چکا ہے! بہتر ہوتا کہ ۳۳ کرور آبادی کی "عام و مشترک زبان" مین نکلنے والے جملہ رسائل اپنی اپنی تعداد اشاعت کی مجموعی میزان سامنے لاکر اپنی قوم، اور اس نوخیز وقلیل التعداد قوم کی قدر شناسی صحافت کے درمیانی فاصلہ کی پیمایش کرتے،

مدراس کے نامور ریاضی دان راما نجم کی خبر وفات کسی پچھلے معارف مین درج ہوچکی ہے یورپ کے اعلیٰ علمی رسائل مدت تک انکے ماتم مین سوگوار رہے، اور متعدد ماہرین فن کے قلم نے اس حادثۂ عظیم پر علم و فن کی جانب سے فریضۂ تعزیت ادا کیا، کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر جی، ایچ، ہارڈی نے سائنٹیفک ہفتہ وار نیچر مین جو تعزیت نامہ

شایع کیا ہے، اس مین بار بار اس قسم کے فقرے ملتے ہین "یہ بالکل یقینی ہے، کہ مرحوم کی مہندسانہ فضیلت اعلیٰ ترین پایہ کی تھی، اور وہ ایک بالکل استثنائی قوت فکر واجتہاد کا شخص تھا" "اُسکے تقریباً بیس مقالات شایع ہوے، جنھون نے زمانۂ جنگ ہی مین تمام دنیاے ریاضیات کو اپنی جانب متوجہ کر لیا"۔ "اُسکے پیش نظر صرف وہ مسایل تھے، جن تک معدودے چند افراد کی رسائی ہو سکتی ہے"۔ "اسکی قوت استنباط بالکل حیرت انگیز تھی، جسکی کوئی نظیر کسی یورپین ریاضی دان مین میری نظر سے آج تک نہین گزری" "اس نوعمری مین وہ جتنے کارنامہ چھوڑ گیا، وہ عجیب وغریب ہین، اور آج سے بیس سال کے بعد عجیب تر معلوم ہونگے"۔

لیکن مرنے والے کے کمالات فن سے کہین زیادہ عجیب یہ واقعہ ہے، کہ ایک غریب ایشیائی کی وفات کے متعلق "عالی دماغ" "متمدن" یورپ کے اکابر فن کو اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا پڑے! ع سو زندگی نثار ہون اِس ایک موت پر،

کلکتہ کے ایک انگریزی تعلیمی معاصر نے فرزندان ہند کے اُن مضامین ومقالات کی فہرست شائع کی ہے، جو ادہر چار پانچ سال کے عرصہ مین انگلستان وامریکہ کے بلند ترین سائینٹفک رسائل فزیکل ریویو، فلاسوفیکل میگزین، وغیرہ مین مسایل طبعیات کے متعلق شائع ہوے ہین۔ اس پایہ کے مجتہدانہ مقالات تعداد مین پندرہ ہین، جنکے مصنفین کلکتہ ولاہور، لکھنو وبنارس، کے نونہالان وطن ہین (جن مین بیشتر حصہ فرزندان بنگال کا ہے) لیکن اس سلسلہ مین قابل ذکر بات صرف اتنی ہے، کہ مقالہ نگارون کی اس ساری جماعت مین ابوریحان وفارابی، موسیٰ وجابر، طوسی وقطب الدین رازی کے کسی ہم قوم کا نام نہین،

مغرب کو مشرق سے جو بیگانگی ومغایرت قائم ہے، اس مین تنہا "انہین" کا قصور نہین، بلکہ ہماری خطا بھی شامل ہے، حکمران وفاتح اقوام سے یہ توقع رکھنا کہ وہ محکوم ومغلوب اقوام کی اصلی زندگی سے صحیح واقفیت پیدا کرینگی، سرشت انسانی کے متعلق ایک ناقابل عمل خوش ظنی قائم کرنا ہے، دراصل یہ فرض ہمارا تھا، کہ ہم اپنے علوم وفنون، تہذیب وتمدن، افکار وخیالات، جذبات ومعتقدات، کے ایک ایک جزئیہ سے انہین آگاہ کرتے۔ اور جن آنکھون پر نخوت ورعونت، امارت وحکومت کے پردے پڑے ہوئے ہین، اُن کے یہ حجابات دور کرنے کی اپنے ہاتھون سے بار بار کوشش کرتے، لیکن افسوس ہے، کہ ارشاد وہدایت، تبلیغ ودعوت کے اس مقدس فرض سے برابر غفلت برتی جاتی رہی، اور یہ اسی کا خمیازہ ہے، جو آج مختلف مصایب کی شکل مین تمام عالم اسلامی پر نازل ہو رہا ہے۔ تاہم غنیمت ہے، کہ ہجوم مصائب مسلمانانِ ہند مین اس ضرورت کا کچھ احساس پیدا کر چلا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ سے لنڈن سے جو ہفتہ وار پرچہ مُسلم آوٹ لک نکلنا شروع ہوا ہے، وہ اسی احساس کا عملی نتیجہ ہے، مسلمانون کی جو ضروریات ہین، انکے لحاظ سے اگرچہ یہ پرچہ بالکل ناکافی ہے، پھر بھی کچھ نہ ہونے سے اسکا ہونا بہرحال بہتر ہے، وفد خلافت کی کارگزاریان، دشمنان خلافت کی سرگرمیان، ٹرکی کے متعلق عام معلومات کا اندراج اور ان پر تبصرہ، اسکا خاص موضوع ہے، اور یہ مقصد اسوقت یہ کامیابی کے ساتھ پورا کر رہا ہے،

ناانصافی ہوگی اگر اس سلسلہ مین خواجہ کمال الدین صاحب کی خدمات کو نظرانداز کر دیا جائے۔ مواعظ وخطبات سے قطع نظر کرکے مخالفین کے مرکز مین سکونت اختیار

کرکے اپنے ماہوار رسالہ اسلامک ریویو کے ذریعہ سے جو اہم وعظیم الشان خدمت وہ انجام دے رہے ہین، وہ دور حاضرہ مین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل بے نظیر ہے، اس رسالہ کا مشن خالصۃً مذہبی ہے جو دنیوی اغراض کے شائبہ سے بھی پاک ہے۔ اور اسکے بعض مضامین اس پایہ کے ہوتے ہین کہ بلا تکلف یورپ کے اعلیٰ علمی رسائل مین جگہ پاسکتے ہین، مسلمانان ہند کے لیے یہ امر اور زیادہ باعث مسرت ہے، کہ یہ سعادت بجاے باشندگان ممالک اسلامیہ کے، انہین کے ایک ہموطن کے نصیب مین آئی،

"ترک موالات" کی تحریک چند ماہ سے بڑی سرگرمی کے ساتھ ہو رہی ہے، اور بعض حلقون مین اسپر عمل بھی شروع ہوگیا ہے، اسکے سیاسی پہلوؤن پر گفتگو کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، لیکن اصولی حیثیت سے یہ عرض کردینا ضروری ہے، کہ ابتک اُسکا جو پروگرام (نقشۂ عمل) ملک کے سامنے پیش کیا گیا ہے، وہ بہت ہی سطحی اور سرسری ہے۔ اصل یہ ہے کہ خالص مادی و سیاسی ذرائع سے ہمارے اصلاح حال کی جتنی کوششین ہونگی، بالآخر سب ناکام ثابت ہونگی حقیقی ضرورت اسکی ہو کہ نسخۂ اصلاح مین روحانی و اخلاقی اجزا کی آمیزش کافی تعداد مین رکھی جاے، گاندھی صاحب کی مقدس شخصیت سے توقع تھی کہ وہ اس اہم نکتہ کو ضرور ملحوظ رکھینگے، لیکن حیرت وحسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس باب مین انکی ذات بھی مایوس کُن ثابت ہوئی۔ خطابات کی واپسی، اعزازات سے دست برداری، ملازمت سے استعفاء وغیرہ مراتب مجوزہ سے سیاسی فوائد جو کچھ بھی حاصل ہون، لیکن ان مین سے کوئی شے ہمارے درد کا درمان نہین ہوسکتی، تاوقتیکہ اُس اندرونی

زندگی کی اصلاح نہ ہو، جو ابتک تمام مفاسد کی اصل و بنیاد رہی ہے۔ زخم کو اوپر سے خشک کرنے کی کوشش قطعاً بیسود رہے گی، جب تک اندر سے اسکا اندمال نہو، اور مادۂ فاسد دفع ہوکر مزاج اپنی طبعی حالت پر نہ آجاوے،

دست بردار ضرور ہونا چاہیے، مگر کس شے سے؟ حب جاہ اور خواہش نام و نمود سے، ترک یقیناً کرنا چاہیے؟ مگر کیا چیز؟ کذب و ناراستی، مکر و ریاکاری، استعفار قطعاً داخل کرنا چاہیے، مگر کس چیز سے؟ زر پرستی و طمع دنیوی سے" تایب ضرور ہونا چاہیے" مگر کس شے سے؟ نفس پرستی اور جذبات کی غلامی سے، درحقیقت واپسی کے قابل محض کسی مخصوص قوم کی دی ہوئی مخصوص عزت نہین، بلکہ نفس مغربی تمدن ہے اور اسکے پھیلائے ہوے امراض اخلاقی و روحانی، مثلاً نخوت و رعونت، حرص و طمع، زرپرستی و زن مُریدی، نفاق اور ڈپلومیسی، اسراف و نمایش، شقاوت و بیدردی، آوارگی و عصمت فروشی، مےنوشی و قماربازی، اور خودغرضی و خودپرستی۔ حق پرستونکی زبان پر یہ شکوہ نہ ہونا چاہیے، کہ ہمارے قبضہ سے فلان فلان ملک نکلا جا رہا ہے، بلکہ ماتم اسکا ہونا چاہیے کہ ہمارے اخلاق و عقایدٗ ہماری عصمت و شرافت، ہماری خودداری و خداترسی، ہماری قناعت و دیانت، ہمارا صبر و استقلال، ہمارا خلوص و ایثار، اور ہماری للہیت و روحانیت، ہم سے رخصت ہوئی جا رہی ہے یہی وہ نکتہ ہے، جسے لسان العصر حضرت اکبر اپنی زبان مین یون ادا کرتے ہین ؎

تو اب جب ہر کہ ناخوش ہوس بنا پر تم	دلون کو طاعتِ حق سے یہ دور کرتے ہین
نہ یہ کہ عیش مین سیری ہین پہ خلل انداز	ہمین ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہین

غلط فہمی نہ ہونا چاہیے۔ یہ جو کچھ کہا گیا، اس سے "ترک موالات" کے مجوزہ نقشۂ عمل کی مخالفت ہرگز مقصود نہین، اور نہ ہمین اس تجویز سے نفیًا یا اثباتًا کوئی سرو کار ہے، البتہ اپنے ضمیر اور اپنی بصیرت کے مطابق جو صورت اصلاح قوم کے متعلق بہتر معلوم ہوئی اسکی جانب متوجہ کردیا گیا زمانہ خود اسکا فیصلہ کردیگا، کہ آخری فوز و فلاح کی بہترین صورت کیا ہے آیا مادیت وظاہر پرستی کی وہ راہ، جس پر یورپ وامریکا اور انکی تقلید مین ایشیا کے بھی مصلحین و رہبران قوم عمومًا چل رہے ہین، یا اصلاح باطن، تزکیۂ نفس، و صفائے روح کا وہ مسلک جس کی ہدایت جملہ انبیاء کرام، جملہ بانیان مذاہب، جملہ عارفان حق، اور جملہ ائمۂ اخلاق شروع سے آج تک کرتے آئے ہین،

مقالات

حقیقتِ علم

(۶)

(از مولانا محمد یونس فرنگی محلی)

یہ تین صورتین قانون ایتلاف ذہنی کی ہین، اوران سب صورتون مین مشترک یہ ہے کہ بعض مخصوص اشیاء یا مفاہیم کو دوسری بعض مخصوص اشیاء، اور مفاہیم کے ساتھ ایک ایسا گہرا تخصیصی تعلق ہوتا ہے کہ جب اول الذکر اشیاء، یا مفاہیم کا تصور ہم کرتے ہین تو انکے ساتھ آخرالذکر اشیا یا مفاہیم کا تصور بھی ہمارے ذہن مین ضرور پیدا ہوتا ہے، لیکن اب باقی رہی یہ بات کہ علاقہ مقارنت، علاقہ مماثلت، اور علاقہ تضاد کی خود حقیقت کیا ہے، اور ذہن مین یہ تصورات کس طرح اور کس بنا پر پیدا ہوتے ہین، اسکے بیان کرنیکا یہ محل نہین، البتہ یہ ضرور ہے کہ مرکب تصورات کی پیدائش ذہن مین انہی اصول ثلثہ کی بنا پر ہوتی ہے، لیکن اگر ان قوانین کی مزید تفصیل اور شواہد درکار ہون تو پروفیسر بین کی کتاب "مطالعہ ذہن" اور ہربرٹ اسپنسر کی کتاب "اصول علم النفس" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

(۳۴) تصور کی غلطیان اور انکے اسباب

(۱) تصور کی غلطی کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ہم اپنے احساس اور اس شے کے مابین فرق نہین کرتے، جس نے یہ حس ہمارے ذہن مین پیدا کیا ہے، اسی طرح ہم اپنے ذہنی تصور مین اور اس شے مین بھی اکثر فرق نہین کرتے ہین، جسکا یہ تصور ہے، تصور کے متعلق یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح احساس اور وہ شے جو احساس پیدا کرتی ہے،

دونون علٰحدہ علٰحدہ چیزین ہین، اسی طرح تصور ذہنی اور وہ شے جسکا یہ تصور ذہنی ہے، یہ دونون بھی الگ الگ چیزین ہوتی ہین، مین نے لکھنؤ مین آصف الدولہ کا امام باڑہ دیکھا تھا، اب حیدرآباد مین بیٹھکر مین لکھنؤ کے امام باڑہ کا تصور کر رہا ہون تو وہ امام باڑہ جو میرے تصور مین ہے، اور وہ امام باڑہ جو خارج مین موجود ہے، یہ دونون الگ چیزین ہین، جو امام باڑہ میرے ذہن مین ہے وہ ایک ذہنی کیفیت ہے اور جو خارج مین ہے وہ ایک موجود واقعی ہے، اسی طرح جو آواز مین نے کل سُنی تھی اگر مین آج اسکا تصور کردن تو اسکا مطلب یہ نہونا چاہیئے کہ آواز کا یہ تصور جو میرے ذہن مین ہے یہ وہی آواز ہے جو مین نے کل سُنی تھی، کل والی آواز خارج مین فنا ہوگئی ۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ تصور کی تعریف سے معلوم ہوچکا ہے، تصور ایک ذہنی کیفیت ہے جو غیر مرئی اشیا، کو نفس کے سامنے مرئی صورت مین ظاہر کرتی ہے، لیکن وہ چیزین جنکا ہم تصور کرتے ہین کئی طرح کی ہوتی ہین، بعض چیزین وہ ہین جو خارج مین بالفعل موجود ہین خواہ وہ محسوس و مرئی ہوتی ہون یا غیر محسوس و غیر مرئی ہون، مثلاً آفتاب کہ وہ محسوس و مرئی ہوتا ہے اور بالفعل موجود بھی ہے، لیکن مثلاً خدا اور فرشتے وغیرہ کہ یہ خارج مین بالفعل موجود تو ہین مگر محسوس و مرئی نہین ہوتے ہین، دوسری چیزین وہ ہین جو بالفعل غائب یعنی غیر موجود ہین خواہ یہ چیزین ایسی ہون کہ اُن کا وجود نہ کبھی ہوا اور نہ ہوسکتا ہے، مثلاً بھوت پریت یا عنقا اور رخ وغیرہ یا ایسی ہون کہ جنکا وجود ہوچکا ہو، اور اب غیر موجود ہون مثلاً وہ آواز جو مین نے کل سُنی تھی یا وہ غذا جو کل مین نے کھائی تھی یا وہ لوگ جو مر گئے ہین اور یا یہ چیزین ایسی ہون کہ جو آئندہ موجود ہونگی مثلاً وہ جنین جواب پیدا ہوگا یا وہ پھول جو آیندہ موسم باران مین کھلیگا، غرض یہی چار پانچ طرح کی چیزین ہین جنکا ہم تصور کرتے ہین ان مین سے اول الذکر قسم کی چیزین یعنی وہ جو موجود بالفعل ہین محسوس و مرئی ہوتی ہون یا غیر محسوس و غیر مرئی ہون ظاہر ہے کہ انکا وہ تصور جو ہمارے ذہن مین ہوتا ہے اسکو ان چیزون کے وجود خارجی سے

کوئی نسبت نہین ہوتی، ہمارے تصورات ہماری ذہنی کیفیتین ہین، اور یہ چیزین خارج مین موجود ہوتی ہین، اسی طرح وہ چیزین جنکا وجود خارج مین ابتک نہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، ان کا تصور بھی خود ان چیزون سے مختلف ہوتا ہے، اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان چیزون کا وجود زیادہ تر خود ہمارے تصور پر مبنی ہوا کرتا ہے، لیکن بہوت کا وہ تصور جو میرے ذہن مین ہے، اور وہ خیالی تصویر جو کبھی کبھی مجھے نظر پڑتی ہے یہ دونون چیزین ایک نہین ہوسکتین میرا تصور ایک ذہنی کیفیت ہے اور خارج مین جو تصویر مجھے نظر پڑتی ہے وہ ذہنی کیفیت نہین بلکہ ذہن کی پیدا کردہ تصویر ہے اسی طرح وہ چیزین جو موجود ہوچکی ہین یا وہ جو آیندہ پائی جائینگی انکے تصورات بھی خود ان چیزون سے مختلف ہوتے ہین ماحصل یہ کہ جتنی چیزین ہین یا خود تصور کی پیدائش کی باعث ہوتی ہین یا خود تصور کی پیدا کردہ ہوتی ہین مگر خود تصور نہین ہوتین، تصور کی تھیوری مین یہ نکتہ گو بادی النظر مین اہم نہین معلوم ہوتا لیکن اسی نکتہ کے فراموش کرنے کے باعث قدمار نے اپنے فلسفہ کی یہ عجیب و غریب بنا قرار دی تھی کہ جو چیز تصور مین آسکتی ہے وہ خارج مین ضرور موجود ہے نیز یہ کہ جن دو چیزون کا تصور ممتاز صورت مین ہوتا ہے وہ وجود خارجی مین بھی اسی امتیاز کی شان کے ساتھ علٰحدہ علٰحدہ پائی جاتی ہین، یہی دو اصول تھے جنکی باعث قدمار کا فلسفہ الفاظ اور تصور کے گورکھدھندے مین ہمیشہ پہنسا رہا، اور کبھی الفاظ اور مبہم تصورات کی بھول بھلیان سے باہر نہ نکل سکا، غرض تصور کی تھیوری مین یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے جسکو ملحوظ رکہنے سے ہم فلسفہ کے بیشمار مغالطات سے اپنے تئین محفوظ رکہہ سکتے ہین

(۴۳) تصور کی غلطی کا دوسرا سبب　لیکن تصورات کی غلطی کا دوسرا بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ چونکہ ہمارے تصور کے حدود بے انتہا وسیع ہین اسلئے ہمارے تصورات مین بڑا حصہ ان معلومات کا ہوتا ہے جو خود ہمارے ذہن کے پیدا کردہ ہوتے ہین، پس جسوقت تصور مطلق العنان ہوجاتا ہے تو وہ ان اشیار کو بھی مرئی صورت مین لاکر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جنکا وجود عادۃً محال ہے یا جنکا وجود قوانین فطرت کے خلاف ہے یا جنکا وجود ہمارے استقرار تام کے خلاف ہے یا جنکا وجود قانون

علیت کے منافی ہے مثلاً یہ ایک قانون فطرت ہے کہ حیوانات (جنمین انسان بھی شامل ہے) بلا غذا کے زندہ نہین رہ سکتے، لیکن ہمارا ذہن ان افراد و اشخاص کا بھی تصور کر سکتا ہے جو بلا غذا زندہ رہتے ہون یا مثلاً یہ ایک قانون فطرت یا استقرار تام ہے کہ کوئی مادی چیز ہوا مین معلق نہین رہ سکتی، لیکن ہم ایک ایسے تابوت کا تصور کر سکتے ہین جو ہوا مین معلق رہتا ہے یا مثلاً اتبک ایسے جانور نظر نہین پڑے جنکی ٹانگین چارپایون کی سی اور چہرہ انسان کا سا ہو مگر ہم اس قسم کے جانورون کا تصور کر سکتے ہین، ہمارے تجربہ حسی مین کبھی ایسا درخت نہین آیا جسکے پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہون، مگر ہمارا ذہن اس قسم کے درخت کا تصور کرنے مین مشاق ہے، لیکن کیا ہمارا تصور ان چیزون کا وجود خارجی تسلیم کرنے مین حق بجانب ہے؟ اگر ہم اپنے دل سے یہ سوال کرین تو یقیناً ہم اسکا جواب نفی مین پائین گے، لیکن اگر کوئی شخص ان تمام تصورات پر ایمان رکھتا ہے تو محض اس بنا پر کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز کا تصور ہمارے ذہن مین پیدا ہوتا ہے ضرور ہے کہ اسکا وجود خارج مین بھی اسی طرح ہو، حالانکہ ہم اوپر بتا چکے ہین کہ یہ کوئی ضروری نہین کہ جس چیز کا تصور ہمارے ذہن مین پیدا ہو وہ اسی طرح خارج مین بھی موجود ہو، اعمال تصور کی تجدید کے بیان مین یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمل تخلیط سے جو تصورات پیدا ہوتے ہین انکا وجود خارج مین اس مخلوط شکل مین نہین ہوتا نیز یہ کہ جتنے تصورات ہمارے ذہن مین ان چیزون کے پیدا ہوتے ہین جو خارج مین موجود نہین ہین بلکہ جنکا خارج مین پایا جانا محال ہے، انکی پیدائش زیادہ تر عمل تخلیط کی بنا پر ہوتی ہے اور ان تصورات کا ہمارے اوپر بعض وقت ایسا استیلا ر ہو جاتا ہے کہ ہم انکو موجود واقعی سمجھنے لگتے ہین، پس ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر تصور واقعی نہین ہوتا بلکہ جو تصور جتنا واقعہ خارجی کے مطابق ہوگا اسی قدر وہ زیادہ صحیح ہوگا، اس اصول کو ہم نے اوپر اس طرح بیان کیا تھا کہ جب کسی تصور کی واقعی حقیقت اور اہمیت دریافت کرنا ہو تو اسکو تحلیل کر کے احساس کے مرتبہ تک لانا چاہیئے یعنی یہ دریافت

کرنا چاہیئے کہ یہ تصور کس احساس کی بنا پر پیدا ہوا ہے، اور صحت و غلطی مین اس احساس کا کیا رتبہ ہے
حاصل یہ کہ اکثر ہمارے تصورات مین غلطی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ انکو محسوسات یا احساسات سے
مطابق کر کے نہین دیکھا جاتا، بلکہ محض تصور کی شہادت کو ایمان کی بنا قرار دیا جاتا ہے، لیکن اگر
تصور کے ایک ایک زینہ مین یہ بات اچھی طرح جانچ لیجایا کرے کہ ہمارا تصور کس احساس کی بنا پر پیدا
ہوا ہے اور اس احساس کا صحت و غلطی کے لحاظ سے کیا مرتبہ ہے تو ہمارے تصور مین کبھی غلطی واقع
نہو، یہ دوسرا اہم نکتہ ہے جسکو فراموش کرنے سے قدماء فلاسفہ نے اپنے قیاسات اور دلائل کو محض
عقلی تخمینات کے درجہ تک پہنچا دیا اور فلسفہ کی وہ اساس اور بنا مضبوط ہو گئی جسکو اصطلاح مین
استدلال ذہنی یا سبجکٹو متیھڈ[1] کہا جاتا ہے، فلسفہ کے اس اصول کی تشریح چونکہ بے موقع ہے

[1] فلسفیانہ براہین دو طرح کے ہوتے ہین، براہین ذہنی اور براہین واقعی یعنی سبجکٹو متیھڈ اور ابجکیٹو متیھڈ ان دونون کی حقیقت کی تشریح امریکن فلسفی لویس نے جو مشہور تاریخ فلسفہ کا مصنف ہے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے جو اسی کے اوراق سے درج ذیل ہے،

اشیاء خارجی اور انکے تصورات کے مابین مطابقت پیدا کرنا استدلال کی اصل غرض ہے لیکن استدلال کی شکل دو طرح کی ہوتی ہے، اول یہ کہ استدلال کی ہر منزل مین تصورات ذہنی کو اشیاء خارجی کے قدم بقدم اس طرح ترتیب دینا کہ استدلال کی ہر منزل مین تصورات مطلق العنان نہو سکین، بلکہ اشیاء خارجی پر برابر منطبق ہوتے رہین، دوسرا طرز یہ ہے کہ استدلال کے مقدمات کو اس طرح ترتیب دینا کہ بجائے اسکے کہ تصورات کا انطباق اشیاء خارجی پر ہوتا ہو خود تصورات تصورات پر منطبق ہوتے ہون، بات یہ ہے کہ جن اشیاء کا احساس نفس کو ہوتا ہے انکے باہمی تعلقات کا تو احساس ہوتا نہین بلکہ تعلقات کے اس خلا کو اپنے قیاس کے ذریعہ سے پر کرنا ہوتا ہے، اسلئے فکر کرنے وقت دو حرکتین نفس مین پیدا ہوتی ہین ایک تعقل سے قیاس تک اور دوسری قیاس سے تصدیق و اذعان تک، لیکن استدلال ذہنی مین نفس تعقل سے قیاس تک جا کر رک جاتا ہے، بخلاف استدلال واقعی کے کہ اسکا بڑا جزء (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اسلئے ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہین چاہتے، اس جانب صرف اشارہ کردیا ہے تاکہ واقفکار ناظرین حقیقت علم کے ضمن مین فلاسفۂ متقدمین کے مغالطات سے بھی واقف ہوتے جائین -

یہ تصور کی غلطیون اور انکے اسباب کی اجمالی تشریح ہے، چونکہ ہمکو اس مضمون مین صرف علم کے بسیط اقسام سے بحث کرنا ہے اسلئے ہم تصور کی پیچیدہ غلطیون اور اُنکے اسباب سے یہان پر بحث کرنا نہین چاہتے، تصور کی غلطیون کی بحث نفسیات مین نہایت معرکۃ الآرا اور طول طویل بحث ہے جسکی تفصیل کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہین، اب ہم تصور کی حقیقت اسکی وسعت اسکے حدود اور اسکی غلطیون سے بالاجمال بحث کرنیکے بعد علم کے تیسرے مرتبہ تجرید ذہنی سے بحث کرتے ہین -

(۳۵) تجرید ذہنی یا تعقل کی غرض اور ضرورت اور احساس و تصور سے اس کا تعلق

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ علم کے تین مدارج ہین، احساس بسیط، تصور اور تجرید ذہنی یا تعقل، یہان ہماری مراد تجرید ذہنی سے

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) تصدیق و اذعان ہے، پس استدلال واقعی اس حرکت ذہنی پر جو استدلال ذہنی مین بھی پائی جاتی ہے، اسی طرح مشتمل ہوتا ہے جس طرح سائنس مابعد الطبیعیات کے اصول و مباحث پر سائنس دان اور فلسفی دونون تعقل اور قیاس سے برابر کام لیتے ہین، لیکن سائنس دانون کے دلائل چونکہ زیادہ تر واقعات خارجی کے مطابق ہوا کرتے ہین اسلئے وہ اپنے قیاسات کو واقعات خارجی پر منطبق کرکے استدلال کی ہر منزل مین تصدیق و اذعان کے پیدا کرنیکی بھی کوشش کرتے ہین، بخلاف ایک فلسفی کے کہ چونکہ اسکے استدلالات اسکے تصورات ذہنی پر مبنی ہوا کرتے ہین، اسلئے وہ تصدیق و اذعان حاصل کرنے کی اتنی پرواہ نہین کرتا، حاصل یہ کہ ان دونون طرز استدلال مین فرق صرف اسقدر ہے کہ استدلال واقعی اشیار کی باہمی خارجی نسبتون اور تعلقات پر مبنی ہوتا ہے، اور استدلال ذہنی کو اشیار کی خارجی نسبتون سے بحث نہین ہوتی بلکہ اسکی بنار تصورات کی ذہنی نسبتون پر ہوتی ہے -

وہ ذہنی عمل نہین ہے جو عمل تخلیط وتحلیل کا مقابل اور قسیم ہے بلکہ یہان تجرید ذہنی سے علم کا ایک خاص درجہ مراد ہے جو ذہنی قوانین کی بنا پر احساس اور تصور کے حاصل کردہ معلومات مین اضافہ کرتا ہے، احساس وتصور کی ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ اُن کا تعلق زیادہ تر جزئیات سے تھا، بخلاف تجرید ذہنی یا تعقل کے کہ اسکا تعلق جزئیات سے نہین بلکہ کلیات سے ہے، یعنی احساس وتصور سے صرف افراد جزئیہ مثلاً زید عمرو بکر وغیرہ کا علم حاصل کیا جاتا تھا، لیکن تجرید ذہنی یا تعقل مین آکر اس سے آگے ترقی ہوتی ہے اور یہان وہ اعلی معلومات حاصل کیے جاتے ہین جنکا خارج مین کہین نام ونشان نہین ہوتا، احساس وتصور مین ہمکو خاص خاص موجودات خارجی کا علم ہوتا تھا، ہم جن چیزون کو اپنے حواس سے محسوس کرتے تھے اُنکے متعلق نفس مین کیفیت حسی پیدا ہوتی تھی یا جو چیزین اسوقت ہمارے حاسہ کے سامنے نہین ہین وہ مرئی صورت مین ہمارے ذہن کے سامنے پیش کیجاتی تھین لیکن تعقل کے مرتبہ مین آکر اب احساس کی حد ختم ہوگئی، اب نفس ان محسوسات کو جمع کرکے اُنسے ایک حقیقت کلیہ اخذ کرتا ہے اب یہان اُسکو زید عمرو بکر سے مطلب نہین بلکہ اب وہ خود انسان کا علم حاصل کرتا ہے، اب اُسکو قانون جذب وکشش یا قانون حرکت یا قانون عدم فنا، مادہ سے بحث نہین بلکہ اب وہ ایک عالمگیر "نیچر" "کل حقیقت" کی جستجو کرتا ہے، غرض تعقل کو احساس وتصور کی طرح جزئیات سے کوئی بحث نہین ہوتی بلکہ اس مرتبہ مین حاصل شدہ جزئیات سے کلیات کا علم حاصل کیا جاتا ہے، پس اس پوری تقریر سے معلوم ہوا کہ احساس اور تصور دونون یا ان مین سے کوئی ایک تعقل کا مواد فراہم کرتے ہین۔

(۳۶)

کلیات کے وجود کے متعلق مختلف فلاسفہ کے مذاہب وخیالات

لیکن قبل اسکے کہ ہم تعقل کی حقیقت کی تشریح کرین یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالاً اس بات سے بھی آگاہ کردین کہ کلیات کے وجود کے متعلق فلاسفہ نے کیا مذاہب اختیار کیے ہین؟ یہ ظاہر ہے کہ ہماری زبان مین جتنے موضوع

الفاظ استعمال کئے جاتے ہین ان کا کوئی نہ کوئی مصداق خارج مین ضرور ہوتا ہے خواہ یہ مصداق کوئی ذات ہو شلاً زید عمرو بکر، گھوڑا اور گاڑی وغیرہ یا کوئی صفت ہو شلاً شجاعت سخاوت وغیرہ، یا کوئی عرض ہو شلاً سیاہی سپیدی وغیرہ یا کوئی مقدار و وزن ہو جیسے چار پانچ وغیرہ یا کوائف نفسانیہ ہون، شلاً احساس، تصور، محبت وغیرہ غرض جتنے الفاظ مستعمل ہوتے ہین انکا کوئی نہ کوئی مصداق ضرور ہوتا ہے لیکن یہ الفاظ دو طرح کے ہوتے ہین، بعض الفاظ تو وہ ہین جنکے مصداقات جزئیات خارجیہ ہین شلاً یہ گھوڑا وہ ہاتی، زید، عمرو بکر وغیرہ، اور بعض الفاظ وہ ہین جنکے مصادیق ایک یا چند جزئیات خارجیہ نہین ہین بلکہ وہ خارج مین بہت سے جزئیات پر صادق آتے ہین، شلاً نوع انسان وغیرہ، پہلی قسم کے الفاظ کو جنکا صدق خارج مین مخصوص مخصوص جزئیات پر ہوتا ہے، الفاظ جزئیہ کہتے ہین اور دوسرے قسم کے الفاظ کو کلیات تو اب سوال یہ ہے کہ جزئیات کے مصداقات تو ظاہر ہے کہ خارج مین موجود ہوتے ہین لیکن آیا اسی طرح کلیات کے مصداقات بھی خارج مین یا ذہن مین موجود ہین یا نہین -

یہ اصل بحث ہے جو تصورات کلیہ کے متعلق ما بہ النزاع ہے، تصورات کے وجود کے متعلق فلاسفہ کے مختلف خیالات ہین،

(۳۷)

ریلزم یا خارجیت (۱) قدما کا سب سے پہلا خیال یہ تہا کہ ہر لفظ کا ایک مصداق خارج مین ضرور ہوتا ہے جس طرح زید کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جو خارج مین موجود اور مشاہد و مرئی ہے اسی طرح انسان کا اطلاق بھی ایک خاص شے پر ہوتا ہے جو خارج مین موجود ہے اور انسان کے تمام افراد مین مشترک طور پر پائی جاتی ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ زید کے مصداق کا علم ہمکو حواس سے ہوتا ہے، لیکن انسان کے مصداق کا علم حواس سے نہین بلکہ عقل سے ہوتا ہے پھر اس قسم کے عقلی مصداقات صرف انہی الفاظ کے ساتھ خاص نہین ہوتے جنکا اطلاق بالاشتراک بہت سے

افراد پر ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے مصداقات عقلی ہر اس لفظ کے مقابل مین بھی ہوتے ہین، جنکا اطلاق کسی ذات پر ہوتا ہو مثلاً جس طرح لفظ انسان ہے کہ اسکا ایک مصداق عقلی ہے، جسکا تعقل عقل کرتی ہے اسی طرح لفظ زید کے بھی دو مصداق ہین، ایک مصداق تو وہی ذات ہے جو خارج مین مشاہد ہوتی ہے اور دوسری وہ ذات ہے جسکا وجود عقلی ہے اور جسکا ادراک عقل کرتی ہے، غرض ہر لفظ کے دو مصداق ہوتے ہین ایک ان مین سے مشاہد و مرئی ہوتا ہے اور دوسرا غیر مشاہد اور عقل سے ادراک کیا جاتا ہے اسی دوسری قسم کے عقلی مصداق کو کلیات کہتے ہین یہ کلیات بھی خارج مین اُسی طرح موجود ہین جسطرح جزئیات لیکن کلیات جزئیات سے اشرف ہین کیونکہ کلیات اصل اور جزئیات اسکے پر تو ہین، نیز کلیات کا وجود بھی جزئیات کے وجود سے اشرف واعلیٰ ہے، کیونکہ کلیات کا وجود عقلی اور جزئیات کا وجود حسی ہے، گویا ان لوگون کے نزدیک وجود دو طرح کے ہوتے ہین وجود حسی اور وجود عقلی، اور اسی لحاظ سے انکے نزدیک موجودات کی بھی دو قسمین ہوگئی ہین موجودات حسیہ اور موجودات عقلیہ، موجودات حسیہ وہ ہین جنکا ادراک حواس سے ہوتا ہے اور موجودات عقلیہ وہ ہین جنکا ادراک عقل کرتی ہے، یہ مسلک افلاطون اور سقراط کا ہے اور اصطلاح مین اس مذہب کو ریلزم کہتے ہین، افلاطون اس قسم کے کلیات کو اصطلاح مین آئڈیاز یعنی تصورات اور فارمس یعنی مُثُل کہتا ہے اور یہی کلیات یا عالم عقلی ہے جو افلاطون کی اصطلاح مین عالم مثال کہلاتا ہے۔[۵]

---

[۵] افلاطون کے نظریۂ امثال کے لئے دیکھو ریپبلک فیدو اور طیماوس افلاطون کے بعد اسکے اس نظریہ کی تعبیر و تاویل کے بارہ مین سخت اختلاف ہوگیا ہے افلاطون کے نزدیک یہ امثال زیادہ تر اوصاف نفسانیہ اور عوارض تک محدود ہین لیکن فورفوریوس نے اسکی تشریح کرتے ہوئے جواہر واعراض، کلیات وجزئیات سب اس نظریہ کو حاوی کر دیا۔

پر افلاطون اور سقراط کے علاوہ فیثاغورس اور دوسرے فلاسفہ اور تھے جو اسی قسم کے خیالات رکھتے تھے لیکن انکے اور افلاطون کے خیالات مین فرق تھا، ریاضیین کا مذہب یہ تھا کہ شکل اور ہیئت اور تعلیمات اصل کائنات ہین اور انکا وجود عقلی ہے، فیثاغورث کا مذہب یہ تھا کہ عدد اصل کائنات ہے اور اسکا وجود حقیقی اور عقلی ہے، لیکن افلاطون اور سقراط اس بات کے قائل تھے کہ یہ تصورات کلیہ اور مثل اصل کائنات اور موجود حقیقی ہین، غرض یہ تین مذاہب تھے جو کم وبیش تھوڑے تھوڑے تغیر کے ساتھ کلیات کے وجود خارجی حقیقی پر ایمان رکھتے تھے اور ان سب مذاہب پر ریلزم کا اطلاق ہوتا ہے۔

کنسپچولزم یا تصوریت (۴۸) (۲) لیکن اس مذہب کے مقابل مین دوسرا مذہب افلاطون کے بہت زمانہ کے بعد یورپ مین جان لاک نامی ایک فلسفی نے ایجاد کیا، جان لاک کا مذہب یہ ہے کہ کلیات کا وجود خارج مین نہین ہوتا بلکہ ان کا وجود صرف ذہن کے اندر ہوتا ہے یعنی یہ کہ جن جن اوصاف مین متعدد افراد جزئیہ مشترک ہوتے ہین اُنکے مصادیق کا ایک قدر مشترک تصور ذہن کے اندر پیدا ہوتا ہے جو اس کلی کا مصداق ہوتا ہے اور جسکو خود ہمارا ذہن پیدا کرتا ہے اور یہ تصور ذہنی موجودات خارجیہ ہی سے حاصل کیا جاتا ہے، یہ مذہب سابق الذکر مذہب کے بالکل عکس ہے سابق الذکر مذہب مین کلیات کو موجودات خارجی واقعی تسلیم کیا ہے، لیکن اس مذہب مین وہ موجودات ذہنی تسلیم کئے گئے ہین، اسی طرح سابق الذکر مذہب مین کلیات موجودات واقعی اصلی اور مبدء کائنات فرض کئے گئے ہین، لیکن اس مذہب مین انکو موجودات ظلی غیر واقعی فرض کیا گیا ہے غرض ہر طرح سے یہ مذہب سابق الذکر مذہب کا عکس ہے، اس مذہب کو اصطلاح مین کنسپچولزم یا تصوریت کہتے ہین، اس مذہب کو یورپ مین خواہ جان لاک نے ایجاد کیا ہو لیکن ابن رشد کی تصانیف مین اس مذہب کا پتہ چلتا ہے اور علماے اسلام مین

اشاعرہ و متکلمین نے وجود ذہنی کا انکار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اسلام میں بعض لوگ تصورات کے وجود ذہنی کے قائل تھے، حقیقت یہ ہے کہ علمائے اسلام کے علاوہ خود ارسطو نے جو مذہب اختیار کیا تھا وہ بھی فلسفۂ تصوریت کے قریب قریب تھا،

(۳۹)
معقولات ثانیہ | (۳) افلاطون کے مذہب کا اصلی مدعا یہ تھا کہ مثلاً زید عمرو بکر وغیرہ مختلف افراد انسانی مختلف التشخص اور متحد النوع پائے جاتے ہین یعنی یہ کہ یہ سب گو اپنے تشخصات مین مختلف مگر انسانیت مین متحد ہین ان مین قدر مشترک انسانیت جو ہے وہ خارج مین ایک موجود حقیقی ہے جسکا وجود افراد کے وجود سے علحدہ ہے یہ افلاطون کے مذہب کا خلاصہ ہے، لیکن ارسطو نے اس مذہب مین اسقدر ترمیم کی کہ اس نے ان افراد کو جو حقیقت مین متحد مگر تشخص مین مختلف تھے، ان افراد سے جو تشخص اور حقیقت دونون مین مختلف تھے متمائز کیا پھر اس امتیاز کو اسقدر وسعت دی کہ ان چیزون کو جو حقیقت اور تشخص دونون مین متحد نہین ان چیزون سے جو نوعیت اور حقیقت مین متحد نہین ممیز کیا، یعنی دوسرے لفظون مین اشخاص و انواع اور انواع و اجناس کی تفریق کرکے یہ بات ایجاد کی کہ مثلاً اشخاص کے اعتبار سے انکی اپنی ذہنی صورت یہ معقولات اولی ہین اور انواع مثلاً انسان کی صورت ذہنی اشخاص کی صورت ذہنی کے لحاظ سے معقولات ثانیہ ہین مثلاً زید کے تصور ذہنی کے بعد اسکی انسانیت کا تصور یہ معقولات ثانیہ مین ہے، اور اس طرح کلیات کا وجود خارج مین کہین علحدہ نہین ہے بلکہ ان کا وجود ذہن کے اندر ہے یعنی انکا تعقل ذہن مین ہوتا ہے، یہ تفریق ارسطو کی ایجاد ہے اور گویا کہ اسکا مذہب کنسپچولزم یا تصوریت کے قریب قریب مطابق ہے۔

(۴۰)
نامنیلزم یا اسمیت | (۴) تصورات کلیہ کے وجود کے متعلق چوتھا مذہب برکلے اور مسٹر ہیلی کا ہے برکلے کے مذہب کو اصطلاح مین نامنیلزم یا فلسفۂ اسمیت کہتے ہین، اس مذہب کا مطلب یہ ہے کہ

کلیات ایسے اسمار موضوعہ ہین جن سے کوئی شے خارج مین مراد نہین بلکہ تصور کلی صرف چند افراد کے تصور سے عبارت ہے گویا کلی کا تصور کہتے ہی اسکو ہین کہ ذہن مین چند جزئیات کا تصور مع انکے تشخصات کے ہوگیا، اگر یہ کہا جاے کہ ہم نے انسان کا تصور کیا تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے زید، عمرو بکر کا مع انکے تشخصات کے تصور کیا، لیکن یہ مدنظر رکھکر کہ ان افراد کے تشخصات اس نوع کی حقیقت مین داخل نہین اور نوع کے تشخص نہین بلکہ ان افراد کے تشخص ہین تو اس مذہب کے مطابق الفاظ کلیہ کے مصادیق نہ خارج مین موجود ہین اور نہ ذہن کے اندر بلکہ الفاظ کلیہ محض اسمار ہین،

جمیس ل کا مذہب[(۱۴)] (۵) پانچوان مذہب وجود کلیات کے متعلق جمیس ل کا ہے اور وہ یہ ہے کہ مختلف افراد جزئیہ جب جب بار بار ہماری نظر کے سامنے سے گذرتے ہین تو نفس ان سب کو ملاکر ان سے ایک مفہوم کلی اخذ کرتا ہے جو ان سب افراد مین قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے، اسی قدر مشترک وصف کلی کا نام کلی ہے، پس گویا اس مذہب کے مطابق کلی کا وجود نہ ذہن مین ہے اور نہ خارج مین بلکہ کلی محض ایک انتزاعی شے ہے،

غرض تصورات کلیہ کے وجود کے متعلق یہ پانچ مذاہب ہین جو فلاسفہ نے ایجاد کئے ہین ہمکو ان مذاہب کی صحت وغلطی سے کوئی بحث نہین، اب ہم ذیل مین یہ بتاتے ہین کہ ذہن مین کلیات کا تعقل کیونکر ہوتا ہے؟ بالفاظ دیگر عمل تعقل کی حقیقت کیا ہے؟ جس سے یہ بھی ظاہر ہوجائیگا کہ ہمارے نزدیک ان پانچ مذاہب مین سے کونسا مذہب صحیح ہے،

عمل تعقل کی حقیقت کی تشریح[(۴۲)] ہم پہلے بیان کرچکے ہین کہ علم کا پہلا درجہ احساس ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حاسہ کے سامنے جو شے آتی ہے اسکا علم ہمکو اپنے اعصاب حسی کے ذریعہ سے ہوجاتا ہے پھر دوسرا درجہ تصور کا ہے جسمین یہ کوئی ضروری نہین کہ وہ شے جسکا ہم تصور کررہے ہین ہمارے حاسہ کے سامنے اسوقت موجود بھی ہو بلکہ صرف یہ ضروری ہے کہ کسی وقت وہ ہمارے حاسہ کے

سامنے سے گذر چکی ہو اور اسکا ہم احساس کر چکے ہون، فرض کرو کہ ہم نے متعدد بار متعدد موقعون پر گلاب کے پہول دیکہے تھے انکی خوشبو سونگہی تہی اور اُنکے رنگون کو خوب غور سے دیکہا تہا، اب فرض کرو کہ اسوقت ہمارے سامنے گلاب کا کوئی پہول موجود نہین، لیکن ہم اپنے سابقہ تجارب کو بذریعہ قوائین تصور جمع کر رہے ہین یہ ظاہر ہے کہ جو احساس حاسۂ باصرہ سے ہوتا ہے وہ دیگر حواس کے احساسات سے زیادہ واضح زیادہ ممتاز اور زیادہ یقینی ہوتا ہے، تو اب اس لحاظ سے ان گلاب کے پہولون مین انکی خوشبو کا احساس جو ہمکو ہوا تہا اس سے زیادہ واضح اُنکے رنگون کا احساس تہا تو گلاب کے پہول سے رنگ کا تصور بھی دیگر اوصاف کے تصورات سے زیادہ واضح ہوگا اسی اصول کے مطابق اب فرض کرو کہ ہم اپنے ذہن مین گلاب کے پہول کے متعدد تصورات کا باہم مقابلہ کرتے ہین اور مقابلہ کرنیکے بعد ہمکو پتہ چلتا ہے کہ جتنے متعدد پہول ہم نے دیکہے اُنکے رنگ ایک ہی قسم کے تھے اور انکی خوشبو بھی ایک ہی طرح کی تھی، اب اس مقابلہ کے بعد ہمارے ذہن مین ایک مشترک رنگ اور ایک مشترک خوشبو کا خیال پیدا ہوتا ہے، اسی مشترک خیال کو جو مختلف افراد جزئیہ کے استقصاء اور انکے باہمی مقابلہ سے پیدا ہوتا ہے کلی کہتے ہین، پس تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ تعقل کلیات کے لئے چند باتین ضروری ہین،

(۱) احساس، یعنی متعدد افراد کا متعدد مواقع پر حاسہ کے سامنے سے گذر جانا،

(۲) تصور، یعنی قبل کے احساس کو ذہن مین جمع کر کے اُنکو مرئی صورت مین ذہن کے سامنے کرنا۔

(۳) مقابلہ، یعنی ان متعدد تصورات کا باہم مقابلہ کر کے اُنسے قدر مشترک نکالنا۔

یہ عمل تعقل کی نفسانی تشریح ہے، لیکن ایک بات بتا دینا اور ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تعقل کلی کے لئے گو اسکی ضرورت نہین ہوتی کہ پہلے سے کوئی خیال بھی ذہن مین موجود ہو، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے، بلکہ ان کلیات کا تعقل کرتے وقت جو نہایت پیچیدہ ہوتے ہین اکثر یہی ہوتا ہے کہ اگر ذہن مین

پہلے سے کوئی خیال موجود نہین ہوتا تو نفس کلی کا انتزاع بھی نہین کرسکتا ہے، لیکن یہ عام حالت نہین ہے بلکہ عام حالت یہی ہے کہ خیال کلی متعدد تصورات کے باہمی مقابلہ سے پیدا ہوتا ہے نہ یہ کہ خیال کلی سے تصورات کا قدر مشترک نکلتا ہو مثلاً اگر ہم نے کبھی سفید چیزین نہین دیکھی ہین اور نہ کبھی ہمارے ذہن مین سپیدی کا خیال پیدا ہوا ہے تو ہم متعدد سپید چیزون کو دیکھکر اُنکے تصورات کا باہمی مقابلہ کرسکتے ہین اور اس ذریعہ سے سپیدی کا مفہوم کلی اخذ کرسکتے ہین،

پس تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ تعقل کلیات بھی درحقیقت ایک قسم کا استقصا اور استقرا ہی لیکن جب کوئی مفہوم کلی حاصل ہوجاتا ہے تو وہ اسی طرح دوسرے کلیات کے اخذ کرنیکا معیار بنجاتا ہے جس طرح تصورات جزئیہ اسکے اخذ کرنے کا معیار تھے یعنی مثلاً فرض کرو کہ ہم نے متعدد سپید اشیا کے تصورات کا باہم مقابلہ کرکے سپید کا مفہوم کلی حاصل کرلیا ہے، نیز یہ بھی فرض کرو کہ ہمارے ذہن مین بجز سپید کے مفہوم کلی کے دیگر مفہومات کلیہ ابھی حاصل نہین ہوے ہین، اب فرض کرو کہ ہماری نگاہ کے سامنے سے سرخ، سیاہ اور دیگر رنگون کی اشیا گذرین اور انکے تصورات ہمارے ذہن مین مجتمع ہوے، پس اب ہم اس صورت مین نہ صرف یہ کرینگے کہ ان جدید تصورات کا باہم مقابلہ کرینگے بلکہ اب ہم ان جدید تصورات کا آپس مین مقابلہ کرنے کے بعد اس مقابلہ سے جو مفہوم کلی حاصل ہوگا اسکا مقابلہ سپید رنگ کے قدیم مفہوم کلی سے بھی کرینگے جو پہلے سے ہمارے ذہن مین پیدا ہوچکا ہے اور اگر ان رنگون کو ہم سپید رنگ کے مثل نہ دیکھینگے تو ایک دوسرا مفہوم ہمارے ذہن مین ایک دوسرے رنگ کا پیدا ہوگا۔

اسی طرح ایک دوسری صورت اور ہی اور وہ یہ ہے کہ مثلاً ہمارے ذہن مین چند حیوانات کا باہمی مقابلہ کرنے سے حیوان کا ایک خاص مفہوم کلی حاصل ہوا، اب فرض کرو کہ جن حیوانات کے تصورات کو جمع کرکے یہ مفہوم کلی حاصل کیا تھا، انکے علاوہ اب کوئی دوسرا جانور ہمکو نظر پڑا تو اب ہم یہ کرینگے کہ

اس جانور کے حالات کو ان دیگر جانوروں کے حالات سے تطبیق دینگے جو ہمارے ذہن مین پہلے پیدا ہو چکے ہین یہانتک کہ حیوان کا مفہوم کلی جو پہلے ہمارے ذہن مین پیدا ہوا تھا اسمین اس جدید مثال سے ایک خاص اضافہ ہو جائیگا مثلاً ہمارے ذہن مین حیوان کا مفہوم کلی یہ پیدا ہوا تھا کہ حیوان ان جانورون کو کہتے ہین جو کہاتے پیتے چلتے پہرتے ہین، اب فرض کرو کہ ہمکو ایک دوسرا جانور ایسا نظر آیا جو نہ صرف کہاتا پیتا، چلتا پہرتا ہے بلکہ وہ ادراک بھی کرتا ہے، پس اسی طرح جو مفہوم کلی حیوان کا پہلے ہمارے ذہن مین پیدا ہو چکا ہے اسمین اور وسعت پیدا ہو گئی ہے اور اب ایک نیا مفہوم حیوان کا ہمارے ذہن مین پیدا ہوا جو پہلے مفہوم سے مختلف ہے، پس اسی طرح جتنے مفہومات کلیہ ذہن مین پیدا ہوتی ہین وہ دیگر مفہومات کلیہ کے پیدا کرنے مین اعانت کرتے ہین اور دیگر مفہومات کلیہ کے لئے معیار بنجاتے ہین اور یون ہی برابر معلومات اور مفہومات کلیہ مین وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے،

الغرض تقریر بالا سے خوب واضح ہو گیا کہ عمل تعقل اصل مین مرکب ہوتا ہے تین قسم کے افعال ذہنی سے کہ اگر ان مین سے ایک بھی فوت ہو گیا تو عمل تعقل پورا نہوگا اور وہ تین افعال ذہنی یہ ہین،

(۱) احساس، یعنی کسی شے کا حاسہ کے سامنے آکر اعصاب کو متاثر کرنا اور اعصاب کے اس تاثر کو نفس کا قبول کر لینا،

(۲) تصور، یعنی قبل کے احساسات کو نفس کا اسوقت جمع کرنا جبکہ یہ چیزین حاسہ کے سامنے موجود نہون،

(۳) مقابلہ، یعنی ان تصورات کا باہم مقابلہ کر کے اُنسے قدر مشترک نکالنا۔

عمل تعقل کے متعلق ڈاکٹر دہویل کے اصول | علم کے تینون مراتب احساس، تصور، تعقل کے تشریحات کا بیان ختم ہو گیا، لیکن تعقل سے جو ایک مفہوم کلی حاصل ہوتا ہے، اسکی صحت کے معیار کے متعلق ڈاکٹر دہویل نے دو اصول قائم کئے ہین،

(۱) یہ کہ مختلف تصورات کا باہمی مقابلہ سے جو قدر مشترک اخذ کیا جاتا ہے اور وہ واقعی قدر مشترک ہو خیالی اور وہمی نہو شلاً اگر فرض کرو کہ ہمین یہ مقصود ہے کہ تمام حیوانات کی تقسیم ہم باعتبار انکے رنگون کے کرین اور اس غرض سے ہم نے مختلف تصورات کا مقابلہ کرکے سپید جانور اور سیاہ جانور اس قسم کے تقسیمات لبطور قدر مشترک پیدا کئے تو یہ مفہومات کلیہ اس لحاظ سے کہ ہمین محض رنگون کے اعتبار سے حیوانات کی تقسیم کرنا تھی اور دیگر اعتبارات سے ہم نے قطع نظر کر لیا تھا واقعی ہونگے اور جو قدر مشترک اس صورت مین اخذ کیا جائیگا وہ صحیح ہوگا لیکن اسکے یہ معنی نہونگے کہ یہ مفہومات کلیہ اسوقت بھی صحیح تسلیم کئے جائین جب ہم حیوانات کی تقسیم کسی دوسرے اعتبار سے کرین،

(۲) یہ کہ جو مفہوم کلی حاصل ہوا ہے وہ صاف اور واضح ہو یعنی یہ کہ واقع مین نہایت محنت اور احتیاط کے ساتھ اشیاء کی باہم مماثلتون کو خوب جانچ لیا گیا ہو اور اس جانچ کے بعد یہ مفہوم کلی حاصل کیا گیا ہو عمل لتعقل کی صحت کے ان دو اصول کو ڈاکٹر وہویل نے قدیم فلسفہ سے مثالین دے دیکر خوب سمجھایا ہے، جسکو ہم بیان کرنا بیکار اور باعث تطویل سمجھتے ہین،

غرض تقریر بالا سے خوب اچھی طرح واضح ہوگیا کہ کلیات کا تعقل اسوقت تک نہین ہوسکتا تاوقتیکہ متعدد جزئیات حواس کے سامنے سے نہ گذرلین، اس بنا پر مندرجۂ بالا تقریر سے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہین،

(۱) مفہومات کلیہ کا وجود نہ خارج مین ہے اور نہ ذہن کے اندر بلکہ ہمارے حواس کے سامنے سے جب متعدد مثالین ایک ہی قسم اور ایک ہی طرح کی گذرتی ہین تو ہمارا ذہن ان متعدد اشیار سے جو قدر مشترک انتزاع کرتا ہے اسی کا نام کلی ہے،

(۲) قضایاے کلیہ جو قائم کئے جاتے ہین مثلاً یہ کہ اجتماع ضدین محال ہے یہ قضایاے کلیہ بھی اسی قسم کے تجربات اور سابق علوم کی مدد سے بناے جاتے ہین مثلاً اگر ہمکو یہ معلوم ہوتا کہ

سپید رنگ اور سیاہ رنگ دونون ایک وقت مین ایک ساتھ جمع نہین ہوسکتے ہین اور اسی قسم کے دیگر مثالون کا علم ہکو نہوتا تو یہ قضیہ کلیہ ہم کسی طرح نہین بتا سکتے تھے،

(۳) اگر جزئیات کا علم ہکو نہ ہو تو کلیات کا علم بھی ہکو نہو سکیگا، افلاطون اور قدمار کے نزدیک کلیات کے علم سے جزئیات کا علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ کلیات جزئیات سے اشرف ہین، کلیات لایزال اور قدیم اور جزئیات حادث ہین، کلیات غیر فانی اور جزئیات فانی ہین کلیات کا وجود عقلی اور جزئیات کا وجود حسی ہے، مگر ہمارے نزدیک ہمارے احساسات ہی خود عقل کے جاسوس ہین جب ہم حسی دنیا سے آنکھ بند کرلین گے تو کبھی ہمین عقلی دنیا تک رسائی حاصل نہوگی،

(۴۴) نتیجہ اور تتمۂ مباحث | غرض احساس، تصور، اور تعقل، علم کے مراتب ہین، ان تینون مراتب مین سب سے زیادہ یقینی علم وہ ہے جو حواس سے حاصل ہوتا ہے، اور گو اس مرتبہ مین غلطیان ہوتی ہین لیکن یہ غلطیان حاسہ کی نہین ہوتین بلکہ وہ غلطیان یا

(۱) اسوجہ سے پیدا ہوتی ہین کہ ہم احساس اور اس شے کے مابین جو احساس کی باعث ہے امتیاز نہین کرتے ہین یا

(۲) اس وجہ سے کہ ہم احساسات مرکبہ مین اپنے تمام حواس کی شہادتون کو فراہم نہین کرتے بلکہ ایک یا چند حاسون کی شہادت کو تسلیم کرکے اپنی عقل کو دخیل کردیتے ہین، یا

(۳) اس وجہ سے کہ ہمارے احساسات مین بڑا حصہ ہماری اپنی فکر و نظر کا ہوتا ہی ہمارے اوپر قوت خیال اتنی مستولی ہے کہ جب ہم اپنے کسی احساس کو الفاظ مین ادا کرتے ہین تو کچھ نہ کچھ بڑھا گھٹا ضرور دیتے ہین اور وہ باتین بھی اپنے حاسہ کے جانب منسوب کردیتے ہین جو اسکے جانب منسوب ہونے کے قابل نہین اور یا پھر

(۴) اسوجہ سے کہ بعض وقت ہمارا اختلال دماغی حواس کی اطلاعون مین غلطی پیدا کردیتا ہے،

لیکن احساس کے بعد دوسرا مرتبہ صحت مین تصورات کا ہے، البتہ وہی تصور قابل اعتماد ہوسکتا ہے جو احساس صادق سے حاصل ہوا ہو لیکن چونکہ تصور مین بڑا حصہ انتزاع عقلی کا بھی شامل ہوتا ہے اسلئے اکثر تصور مین غلطی ہو جاتی ہے،

اسکے بعد آخری مرتبہ پھر صحت مین تعقل کا ہے لیکن اگر تعقل مین اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ احساس اور تصور دونون مین کوئی غلطی نہوئی ہو اور پھر تیسرے ذہنی عمل مقابلہ مین کسی قسم کا سقم نہو تو اس صورت مین تصورات کلیہ ضرور صحیح ہونگے بلکہ استقرا تام کے ذریعہ ہونگے،

غرض ہمارے علم کی ابتدا ہمارے حواس سے ہوتی ہے اور ذرائع علم صرف یہی حواس ہین اگر انسان ان حواس سے محروم ہوتا تو اسکی حالت جماد محض کی سی ہوتی لیکن نہ یہ صحیح ہے کہ علم اشیاء کا باشباحہا ہوتا ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ علم اشیاء کا بانفسہا ہوتا ہے، ذہن مین اشیاء کی نہ کوئی تصویر آتی ہے اور نہ خود وہ شے بلکہ اصل مین ہے یہ کہ ہمارے اعصاب مین تاثر کی قابلیت فطرت کے جانب سے ودیعت کیگئی ہے، اور چونکہ ہم جس طرح مادہ کی حقیقت سے واقف نہین اسی طرح نفس ذہن کی حقیقت سے بھی ہم ناواقف محض ہین، اسلئے ہمین ان مباحث سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہیئے کہ علم اشیاء کا بانفسہا ہوتا ہے یا باشباحہا ہمکو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف نفس عقلی کے آثار ذہنی ہین، انہین آثار کے قوانین اور اصول کا دریافت کرنا ہمارا فرض ہے،

یہ ہے تفصیل علم و تصور کی اس تھیوری کی جو زمانہ حال مین صحیح تسلیم کیجاتی ہے، اور اسی پر یہ طویل صحبت ختم ہوتی ہے،

مصریون کی مذہبی حالت

از مولوی عبد الرزاق ندوی

(نمبر ۲)

یہ عام دستور ہے کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہو جاتے ہین تو دعا کے قبل ایک شخص باواز بلند صاحب قبر کا نام لیکر کہتا ہی "فاتحہ پڑہو سید فلان پر" جسے سنتے ہی سب پر تعمیل واجب ہو جاتی ہے، کیونکہ اعتقاد یہ ہے کہ اس فرمائش کے بعد اگر کوئی شخص تساہل کرے تو اسپر ولی اللہ کا عتاب نازل ہوتا ہے، چنانچہ اس خوف سے تمام نمازی خشوع و خضوع کے ساتھ پہلے فاتحہ خوانی اور پھر دعا کرتے ہین اور جب چلنے لگتے ہین تو جوش اور عقیدت کے ساتھ قبر کا کئی مرتبہ طواف کرتے، اسکے کٹھرہ کو ہر چہار طرف سے بوسہ دیتے، اور پھر نظرِ لطف و کرم کی التجائین کرتے ہوے رخصت ہوتے ہین،

صرف یہی نہین بلکہ حماقت اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ مرادون اور منتون کی تحریرین بزرگان دین کے نام بذریعہ ڈاک بھی آتی ہین، جو قبر کے کٹھرہ مین ڈالدی جاتی ہین، چنانچہ ایک مرتبہ میرے رفیق و فیق مولانا سید عثمان صاحب اس قسم کا ایک لفافہ امام شافعی کے مزار سے اٹھالاے تھے، جو اسکندریہ سے بھیجا گیا تھا، اور جسمین القاب و آداب کے بعد مرقوم تھا،

یا امام، انی عشقت زینب بنت	اے امام، مین زینب بنت .... پر عاشق ہو گیا
و ارید التزوج بها فامد دلی ید المعونۃ	ہون، اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہون، اے آقا!
و سهل لی هذا الامر یا سیدی	دست اعانت دراز کیجئے اور میری مہم کو آسان ۔

حیرت ہے کہ جس طرح یونانیون نے ہر چیز کے علحدہ علحدہ دیوتا بنا رکھے تھے، اسی طرح مصریون

نے بھی بزرگان دین پر نظام کائنات کے کام تقسیم کر دیئے ہین، چنانچہ سید بدوی اولاد دیتے ہین، سیدۃ زینب آنکھین اچھی کرتی ہین، شادیون کا انتظام امام شافعی کے سپرد ہے، اور مخلوق کو سانپ سے بچانا سید رفاعی کا فرض ہے۔ ... یہان پر مجھے ایک دلچسپ حکایت یاد آگئی ہے، جسے ایک ازہری عالم نے جہلا مین بیٹھکر بڑے جوش وخروش سے بیان کیا تھا، آپ نے فرمایا، لوگو! تم اولیاے کرام سے مرادین تو مانگنے جاتے ہو، لیکن طلب صادق اور اعتقاد کامل نہونیکی وجہ سے اکثر نامراد واپس آتے ہو، حالانکہ اگر پورے اعتقاد، اور پوری منت ولجاجت سے عرض کرو تو ناممکن ہے کہ فائز المرام نہ لوٹو! کیا تم نے اس نابینا کا قصہ نہین سُنا جو "سیدۃ نفیسہ" (محلہ ہے) مین رہتا، اور روزانہ سیدۃ زینب سے اپنی بینائی کے لئے دعائین کیا کرتا تھا، مگر وہان سے کوئی جواب نہ ملتا تھا، آخر ایک روز رینگتا ہوا مزار پر آیا اور کہنے لگا جب تک میری آنکھین اچھی نہو جائینگی، اسوقت تک مین اس در سے نہ اُٹھونگا، نہ کھاؤنگا، نہ پیونگا اور نہ سوؤنگا، چنانچہ کئی روز گذر گئے، لیکن وہ برابر اپنی ہٹ پر قائم رہا، آخر ایک شب کو جب مسجد آدمیون سے خالی ہوگئی تو اس نے دیکھا کہ مخملی فرش بچھ رہے ہین، اور زمردین تخت اور زرنگار کرسیان لگ رہی ہین جنپر سراپا فضیلت وتقدس بزرگ آآکر متمکن ہو رہے ہین بعض کے سرون پر سفید عمامے ہین، اور بعضون پر سیاہ وسبز، بعض لوگ نقاب پوش ہین، اور بعض لمبی لمبی عبائین زیب تن کئے ہوئے ہین، جب یہ سب اپنی اپنی نشستون پر بیٹھ جاتے ہین تو سب کے آخر مین ایک پرہیبت وجلال ہستی نمودار ہوتی ہے، سب دست بستہ ایستادہ ہوجاتے ہین، وہ صدر مجلس مین بصد عزو وقار ایک بلند اور چتر دار تخت پر رونق افروز ہوتی ہے، سب آداب بجالاتے اور اشارہ پانے پر بیٹھ جاتے ہین اور مجلس پر سکوت وخاموشی طاری ہوجاتی ہے،

لوگو! تم نے جانا بھی کہ یہ کسکی محفل تھی؟ یہ دربار نبوی تھا، جسمین عمامہ پوش سیدنا حسین علیہ السلام

سید بدوی، امام شافعی، سید رفاعی اور دیگر اولیاے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، اور نقاب پوش، سیدۃ زینب اور سیدۃ نفیسہ رضی اللہ عنہما وغیرہ تہین، مختصر یہ کہ اس مہر سکوت کو صدر مجلس سے ایک آواز بلند ہوکر توڑتی ہے کہ "یا بنتی زینب" مجمع سے سیدۃ زینب برآمد ہوتین اور پایہ تخت کو بوسہ دیکر کھڑی ہو جاتی ہین، ارشاد ہوتا ہے، کیون زینب! کیا تمہین یہ مرتبہ اسی لئے دیا گیا تہا کہ میری امت کے ایک غریب اندہے کو جو تم پر قربان ہے اس طرح پریشان وناشاد کرو، دیکھو تمہارے در پر پڑے پڑے اسکی کیا حالت ہوگئی ہے اور اب وہ لب گور ہو رہا ہے، سیدۃ زینب دست بستہ عرض کرتی ہین، حضور والا خطا ہوئی! حضرت اقدس مطمئن رہین، فوراً اسکی آنکہین درست ہوجائینگی، چنانچہ صبح ہونے سے پہلے ہی اس نابینا کی آنکہین بینا ہوگئین، اور آخر عمر تک دن مین بھی وہ تارے گنتا رہا، اس نابکار شخص کی یہ جاہلانہ تقریر یہین تک پہنچی تھی کہ میرا جام صبر لبریز ہوگیا، لیکن ضبط کرکے مین نے کہا، کیون حضرت مولانا جب وہ اندہا تہا تو اس نے دربار کی یہ کیفیت کس طرح دیکھی اور بیان کی؟ اسپر تو حضرت مولانا، اول بہت چراغ پا ہوے، اور پھر معتقدون (جو اعتراض کو سمجھ گئے تھے) کا رنگ بدلا ہوا دیکھکر یہ کہتے ہوے اٹھ کھڑے ہوئے "مین بدعقیدہ وہابیون سے منھ نہین لگانا چاہتا۔

ولی پرستی کا یہ عالم ہے کہ خدا کی قسم جھوٹی کہا لینا تو ممکن ہے، اگر ولی کی نہین، چنانچہ استاذی الاکبر حضرت سید رشید رضا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے استاذ شیخ محمد عبدہ مفتی مصر مقدمات کا صحیح فیصلہ کرنے مین مشہور تھے، جسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ گواہ کو پیشتر خدا کی قسم دیتے، اور جب اسکی شہادت مین کچھ شبہہ معلوم ہوتا تو اسے کسی ولی اللہ کی قسم دلاتے جسپر اسکا رنگ فق ہوجاتا اور وہ ٹھیک ٹھیک حالات بیان کردیتا، مصریون کی عام عادت ہے کہ جب وہ کوئی پختہ عہد سچے دل سے کرتے ہین تو دوسرے فریق کے ہاتھ مین ہاتھ دیکر عہد کو مضبوط کرنے لئے کسی

بزرگ کا نام لیکر فاتحہ پڑہتے ہین، اُن کا اعتقاد ہے کہ اس طرح وہ بزرگ شاہد ہوجاتا ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے پر اپنا قہر نازل کرتا ہے، اب کوئی بتائے کہ یہ سب شرک نہین تو اور کیا ہے ؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ،

مصری اولیاء اللہ مین سب سے زیادہ اہمیت "سید بدوی" کو دیجاتی ہے، جنکی قبر (جو شہر طنطا مین واقع ہے) مرجع خلائق بنی ہوئی ہے، اور جسپر ایک عظیم الشان مسجد بنی ہوئی ہے، جسمین جامع ازہر کی وضع کا ایک بڑا مدرسہ بھی ہے جسمین صدہا طالب علم شب و روز رہتے اور مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہین، ہندوستان مین جو مقبولیت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو حاصل ہے اس سے کہین زاید مصر مین سید بدوی کو ہے، چنانچہ انکے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے، سر پر بال رکھے جاتے، اور جو شخص سات مرتبہ انکی زیارت کر آتا ہے، اُسے حاجی کہنے لگتے ہین، کیونکہ انکے خیال مین سید بدوی کی سات زیارتین ایک حج کا ثواب رکھتی ہین، یہ اعتقاد بھی ان مین عام ہو رہا ہے کہ کسی زمانہ مین حج کا راستہ بند ہوجائیگا، اسوقت مسلمانان مصر کا حج سید بدوی کے مزار پر ہوا کریگا، انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہندوستانی تو سال مین ایک ہی مرتبہ شیخ صاحب موصوف کی گیارہوین پر اکتفا کرتے ہین، لیکن مصری اپنے سید کے سالانہ تین عرس بڑی دہوم دہام سے کرتے ہین، جنمین بیشمار مخلوق جمع ہوتی اور خود مسجد کے اندر فسق و فجور کا وہ بازار گرم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ! انکو یہ سُن کر سخت تعجب ہوتا تہا کہ ہندوستانی مسلمان سید بدوی کے نام تک سے بھی واقف نہین[1]، اور اس سے بھی زیادہ حیرت اُنہین یہ معلوم کر کے ہوتی تھی کہ مین نے باوجود اُنسے واقف ہونے اور مصر مین عرصہ سے موجود ہونے کے ابتک اُنکی زیارت نہین کی ہے، چنانچہ وہ نہایت ہی ہمدردانہ اور ترحمانہ لہجہ مین

---

[1] اسی طرح ہندوستانی متعجب ہونگے کہ ان کے "پیران پیر دستگیر" سے مصری عموماً ناآشنا ہین۔

کہتے تھے کہ تم مصر آکر کیون اس نعمت سے محروم رہے ہو؟ کم ازکم ایک مرتبہ تو عتبات عالیہ کے دیدار سے مشرف ہولو!

سید بدوی مغرب اقصی (مراکش) کے باشندہ تھے، ۵۹۶ھ مین شہر فاس مین پیدا ہوئے مصر کو ہجرت کی اور شہر "طنطا" مین ربیع الاول ۶۷۵ھ مین وفات پائی اور وہین دفن ہوئے، آپ نہایت عابد و زاہد اور پرہیزگار تھے، چہرہ پر ہمیشہ نقاب پڑی رہتی تھی، اسی لئے "الملثم" یعنی نقاب پوش کے لقب سے مشہور ہوگئے، پورا نام مع سلسلہ نسب کے یہ ہے، ابوالفتیان الملثم السید احمد البدوی بن علی بن ابراہیم بن محمد بن ابی بکر بن اسمعیل بن عمر بن علی بن عثمان بن حسین بن محمد بن موسیٰ بن یحیی بن عیسیٰ بن علی الہادی بن محمد الجواد بن حسن العسکری بن جعفر بن علی الرضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین ابن فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

سید بدوی کے علاوہ دیگر بزرگان دین کے بھی بکثرت عرس ہوا کرتے ہین جنمین ہندوستان کی مانند قوالی اور نغمہ و سرود یا عیاشی سمع کا رواج نہین ہے، بلکہ خوش الحان قاری قبرون پر تلاوت کرتے ہین، جنکی تعداد ایام عرس مین بہت زیادہ ہوجاتی ہے، ورنہ عام طور سے محکمہ اوقاف کی جانب سے بڑے بڑے قرآن خوان مقرر رہتے ہین جو روزانہ تلاوت مین مشغول رہتے ہین، چنانچہ مزار حسینی پر تین سو قاری ہین جنمین سے ہر ایک کی تنخواہ ۱۵ سے زاید ہے،

مسلمانون کی حالت درحقیقت نہایت ہی قابل رحم ہے، اگر تسلیم بھی کرلیا جاے کہ مُردون کو نیاز فاتحہ سے ثواب ملتا ہے تو بھی یہ کہان کی عقلمندی ہے کہ زندون کو چھوڑکر انکی خبر لیجائے؟ پہلے اپنی بگڑی کو بناؤ، پھر دوسرون کی خبر لینا، انہین دنیا مین جو کچھ کرنا تھا وہ کرگئے، اُنکے اعمال کا دفتر بند ہوگیا، جو بوگئے ہین وہی کاٹین گے، اگر وہ جو بوگئے ہین تو تمہاری کوششون سے وہان انہین

گیہوں نہیں مل سکتے، خدائی فیصلہ سُن لو، تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون مسلمانو ادراتو آنکہیں کہولو، تمہین تعلیم کی ضرورت ہے، تمہین صنعت وحرفت کی ضرورت ہے تمہین تجارت کی ضرورت ہے، غرضکہ کون ایسی شے ہے جسکی تمہین ضرورت نہین ہے، خدارا اپنے اوپر رحم کرو، اگر زیادہ نہین توکم ازکم دس سال تک اس تمام رقم کو قومی ضرورتون کے لئے وقف کردو، جو فاتحہ خوانی، گیارہوین اور عرسون وغیرہ مین صرف کرتے ہو، صرف اتنے ہی مین تم دیکھلوگے کہ کیا سے کیا ہوجاتے ہو، اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون!"

مصریون کی قبر پرستی کے سلسلہ مین اُن کوششون کا ذکر بھی ضروری ہے جو میرے استاذ حضرت سید رشید رضا، ۲ سال سے اسکے باطل کرنے کے لئے کررہے ہین، انھون نے اس آخر زمانہ مین شاید سب سے اول اس بدعت کے برخلاف پُراثر آواز بلند کی ہے، جسکی وجہ سے اکثر لوگ اُنکے مخالف ہوگئے ہین، علماے ازہر خصوصیت کے ساتھ زہر اگلا کرتے، اور عوام الناس کو اُنسے متنفر و بیزار کرنے مین سعی بلیغ کیا کرتے ہین، حتی کہ انھون نے ایک مرتبہ تو لوگون کو انکے قتل پر بھی آمادہ کردیا تھا، اگر پولیس کی دست اندازی نہوتی تو عالم اسلامی کو عرصہ دراز تک اس مصلح عظیم کا ماتم کرنا پڑتا -

نیز بڑی ناشکری ہوگی اگر شیخ سبکی کے بھی جہاد عظیم کا تذکرہ نہ کیا جاے جسکا سلسلہ اُنھون نے عرصہ دراز سے جاری کررکہا ہی شیخ سبکی ایک عالم باعمل ہین، جو قریہ بہ قریہ اور مزرعہ بہ مزرعہ مسلمانون کو وعظ و نصیحت کرنے اور اتباع سنت کی دعوت دیتے پھرتے ہین، مقام مسرت ہے کہ اُنکی کوششین بارآور ہوتی نظرآتی ہین، ہزارہا کی تعداد مین مسلمان انکے ہاتھ پر توبہ کرچکے اور اُنکے سلسلہ مین داخل ہوچکے ہین، اُنکے مریدین مین جوش اسلامی بھی ہے اور ظاہری وضع وقطع مین بھی وہ مسنون طریقہ کو نہین چھوڑتے، شیخ صاحب موصوف کا اثر ملک مین برابر بڑھ رہا ہی اور اُمید بندھتی ہی کہ مسلمانان مصر کو اُنسے بہت فائدہ پہنچیگا -

قرامطۂ یمن

(از پروفیسر جمیل الرحمن ایم اے، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد)

مضمون ذیل کتاب السلوک فی طبقات العلماء والملوک مصنفہ قاضی ابی عبد اللہ یوسف المعروف بہ بہاء الجندی سے ماخوذ ہے، الجندی کا نام ابو عبد اللہ بہاء الدین بن یوسف بن یعقوب ہے، مگر وہ جندی کے نام سے ہی زیادہ مشہور ہین، جس سے شاید یہ مطلب ہو کہ انکا تعلق قبیلہ بنو معافر کی شاخ جند سے ہے، اُنکی کتاب کا نام جیسا کہ کشف الظنون مین مذکور ہے، "کتاب السلوک فی طبقات العلماء والملوک" ہے، اسکا ایک قلمی نسخہ پیرس کی لائبریری مین موجود ہے یہ کتاب یمن کے رہنے والے علماء کے حالات کے متعلق ہے، اور اسی لئے اسمین امام شافعی کا حال بھی ملتا ہے، کیونکہ اُنکے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یمن مین پیدا ہوئے تھے، الجندی کا انتقال ۷۳۲ھ مین ہوا۔ (مترجم)

اسعد[۱] بن یعفر کے زمانہ مین قرامطہ نے یمن مین خروج کیا، ان کا ایک سردار علی بن فضل ہے، جو یافع کے اضلاع مین ظاہر ہوا، اور دوسرا منصور بن حسن جو منصور الیمن کے نام سے مشہور ہے، یہان ہم اُنکے کچھ حالات بیان کرینگے جو یمن کے مشہور و معروف فقیہ اور سُنّی عالم

[۱] بنو یعفر کے متعلق کہا جاتا ہی کہ وہ تبع یمن کی اولاد مین سے تھے، انھون نے جلد ہی صنعا مین ایک خود مختار سلطنت قائم کر لی تھی، ۲۳۶ھ مین یعفر بن عبد الرحمن نے صنعا اور جند پر قبضہ کر لیا اسکے بعد اُسکے بیٹے محمد بن یعفر نے خلیفہ معتمد کی اطاعت قبول کی، اور ۲۷۰ھ مین خلیفہ کی طرف سے اپنے علاقہ کا عامل مقرر ہوا، اسکو اُسکے بیٹے ابراہیم نے ۲۷۹ھ مین قتل کر دیا اور خود بادشاہ ہوا اُسکا بیٹا اسعد بن یعفر اسکا جانشین ہوا، اسی کے زمانہ مین قرامطہ کا خروج ہوا۔ (مترجم)

ابو عبد اللہ محمد بن مالک ابن ابی القبائل نے بیان کئے ہین، یہ شخص صلیحی کے وقت مین قرامطہ کے مذہب مین داخل ہوگیا تھا، مگر جب تحقیق سے اُسے اُنکے مذہب کی برائیان معلوم ہوئین تو اس نے اُنسے کنارہ کشی اختیار کی، اور ایک مشہور رسالہ لکھکر لوگون کو اُن کے فریب و دغا سے بچانے کی کوشش کی،

وہ لکھتا ہے کہ علی بن فضل عرب کے قبیلہ لاحدون (یا الاجدون) سے تعلق رکھتا تھا، اور مذہبًا اثنا عشری تھا، ایک دفعہ مکہ معظمہ سے حج کے بعد واپس آتے وقت وہ حضرت امام حسین کے مزار مبارک پر ٹھہرا، اور رونا پیٹنا شروع کیا، اور کہا کہ یا ابن رسول اللہ کاش کہ مین بھی اسوقت آپ کے ساتھ ہوتا جبکہ فاجرون کی قوم نے آپکو نرغہ مین لے لیا تھا۔

ایک شخص میمون نام اسوقت مزار کا مجاور تھا، اور اسکا بیٹا عُبید اسکو کام مین مدد دیا کرتا تھا، جب ان دونون نے ابن فضل کو دیکھا تو اُسکو اپنا شکار بنانا چاہا، چنانچہ میمون اُسکو الگ لیگیا، اور اس سے کہا کہ یہ بات یقینی ہے کہ اسکا بیٹا عُبید ایک سلطنت کا بانی ہوگا اور اسکی اولاد ایک مدت تک اُسکی مالک رہیگی، مگر یہ کام یمن مین شروع ہونا چاہیئے، اور وہ بھی اسکے داعیون کی معرفت، علی بن فضل نے فوراً کہا کہ یمن مین بہت آسانی سے ہوسکتا ہے، کیونکہ وہان کے لوگون کو اس قسم کی باتون مین خاص ملکہ حاصل ہے، یہ سُن کر میمون نے اسکو وہین ٹھہرنے کے لئے کہا تاکہ وہ اس معاملہ مین غور و فکر کرسکے،

میمون نسلاً یہودی تھا، اسلام اور مسلمانون کو ہمیشہ حسد و رشک کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے اس نے ظاہر طور پر اسلام قبول کر لیا تھا، اور حضرت امام حسین کے مزار پر معتکف ہوگیا تھا، یہ شخص شام کے ایک شہر سلمیۃ، اور اپنے آپکو حضرت علی کی اولاد سے کہتا تھا، اگرچہ تمام علویون کو اس سے قطعی انکار رہے، (واللہ اعلم) مگر ابن مالک کا

خیال ہے کہ وہ نسلاً اور مذہباً دراصل یہودی تھا۔

اسکے ساتھ مزار ہین عقیل ابن ابی طالب کی اولاد کا ایک شخص منصور بن زادان بن حوشب بن الفرح بن المبارک بھی رہتا تھا، اور دونوں مین بڑی گہری دوستی تھی، اسکا دادا زادان کوفہ کا رہنے والا اثنا عشری شیعہ تھا، جب میمون یہان آیا تو اس نے منصور کی بزرگی اور اسکے رعب سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اس سے دوستی بڑہائی، اور اسکی صحبت مین رہنے لگا، میمون نہایت ہی ذکی اور ذہین آدمی تھا، مگر اپنا ذہن محض اپنی بھلائی کے لئے خرچ کرنے کا عادی تھا، وہ علم نجوم کا بڑا ماہر تھا، جس سے کہ اسکو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ منصور ضرور بادشاہ ہوگا اور اسکے بیٹون کے داعیون مین شامل ہوگا، علی بن فضل کے ملجانے سے میمون یہ سمجھا کہ وہ اب اپنے ارادون مین کامیاب ہوسکتا ہے، کیونکہ فضل یمنی تھا، اور وہان کے لوگون کی عادتون اور خصلتون سے پوری طرح واقف تھا۔

علی بن فضل کو چھوڑکر میمون منصور کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اے ابوالقاسم، دین اور ہر قسم کے علم کی بنیاد یمن مین پڑی، جب تک ستارے قائم ہین ایسا ہی ہوگا، میری راے یہ ہے کہ تم اور ہمارا اپنا ساتھی علی بن فضل یمن کی طرف جاؤ، اور میرے بیٹے کے لئے کوشش کرو جس سے تمھارے لئے کافی دولت اور قوت حاصل ہوسکتی ہے، منصور کو میمون کی تمام چالین اور طریقے معلوم تھے، اس نے فوراً اُسکی تجویز منظور کرلی اور جانے کے لئے تیار ہوگیا اب میمون نے علی اور منصور کا سامنا کرادیا، اور اُنکے درمیان عہد و پیمان کرنے کے بعد چند ہدایتین کین، منصور نے آیندہ کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے،

وہ کہتا ہے کہ "جب میمون نے ہمین یمن بھیجنے کا قصد کیا تو مجھے چند ہدایتین کین جنمین سے بعض یہ ہین کہ جب مین یمن مین داخل ہون تو اپنا ارادہ کسی پر ظاہر نہ کردن، کیونکہ مین بہت جلد

کامیاب ہونگا، اور دو دفعہ اللہ اللہ کہنے کے بعد کہا کہ اپنے ساتھی علی بن فضل کا خیال رکھنا اور اس سے اچھا سلوک کرنا، کیونکہ اسکا عروج شروع ہونے ہی والا ہے، مگر ابھی اسکا وجود خطرہ سے خالی نہین، پہر ابن فضل کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ اپنے ہمراہی کے حقوق کا خیال رکھنا، اور اُسکی حکم عدولی سے محترز رہنا، کیونکہ بہرحال وہ تجھسے زیادہ تجربہ کار اور جہاندیدہ ہے، اگر تو نے اسکا کہا نہ مانا تو تو کہین کا نہ رہیگا، یہ کہکر اس نے ہمین رخصت کیا، اور ہم حاجیون کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے، حج سے فارغ ہونے کے بعد ہم یمن کے حاجیون کے ساتھ ہو لئے، اور غلافقہ کے مقام پر پہنچے، یہان اس بات کا عہد و پیمان کرنے کے بعد کہ ایک دوسرے کو نہ بھولین گے، اور اپنی نقل و حرکت سے ایک دوسرے کو باخبر رکھین گے، جدا ہوگئے، مین وہان سے روانہ ہوا اور جند کے مقام پر آیا، اس زمانہ مین یہ شہر جعفری کے ہاتھ مین تہا، جسکو اس نے بنو یعفر سے فتح کیا تہا -

مگر میمون نے مجھے سخت تاکید کردی تھی کہ مین اپنا کام عدن لاعۃ نام ایک مقام سے شروع کرون، کیونکہ وہان کامیابی کی زیادہ امید ہے، مگر مجھے معلوم نہ تہا کہ وہ کس طرف واقع ہے چنانچہ جند سے مین عدن آبین پہنچا، وہان دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ عدن لاعۃ حجۃ کی سمت مین واقع ہے، اب مین اس فکر مین پڑا کہ وہان کے کچھ آدمی یہان موجود ہین یا نہین، چنانچہ مجھے چند آدمیون کا پتہ ملا جو تجارت کی غرض سے وہان آئے ہوئے تھے، مین اُن سے جا کر ملا، اور بہت جلد ان سے مانوس ہوگیا، مین نے اپنی نسبت یہ ظاہر کیا کہ مین اہل علم مین سے ہون اور انکے پہاڑی علاقہ کی سیر کا خواہشمند ہون، اور انکے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہون اُنھون نے اسے منظور کرلیا، اور چلتے وقت مین انکے ساتھ ہوگیا، راستہ مین احادیث سُنا کر مین نے اپنا وقت گذارا، اور نماز پڑھنے کی اُنکو تاکید کی، چنانچہ ان لوگون نے میرے وعظ و نصیحت پر

عمل کرنا بھی شروع کردیا، لاعة پہنچکر مین نے صدر مقام کا پتہ دریافت کیا، اور جاے وقوع معلوم کرکے اسکی طرف روانہ ہوا، یہان آکر مین نے اُسکی چند مساجد کو اپنا جولانگاہ بنایا، اور عبادت و ریاضت مین مشغول ہوگیا، جسکی وجہ سے لوگون کو مجھسے عقیدت ہوگئی، جب مجھے یہ معلوم ہوکہ مین نے اُنکے دلون مین خوب جگہ کرلی ہے، تو مین نے اُن سے کہا کہ میری یہان آنے سے غرض یہ ہے کہ تم سب کو اس مہدی کے ظہور کی بشارت دون جسکا ذکر آنحضرت نے کیا ہے، چنانچہ بہتون نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور زکوٰۃ میرے پاس جمع کرنے لگے، جب بہت سا مال جمع ہوگیا تو مین نے کہا کہ میرے لئے کوئی ایسی جگہ ہونی چاہیئے کہ یہ تمام مال و دولت محفوظ رہ سکے، اور مسلمانون کے بیت المال کا کام دے، چنانچہ عین محرم کا قلعہ جو پہلے ایک قبیلہ بنو عدعا کے قبضہ مین تھا، میرے لئے تیار کرایا گیا، اور مین تمام مال و متاع سمیت اسمین منتقل ہوگیا، راستہ مین وہ پانچ سو آدمی جنھون نے مجھے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا، مع اہل و عیال کے میرے ساتھ ہولئے، یہان پہنچکر مین نے علانیہ عبید اللہ ابن میمون کے مہدی ہونے کا وعظ شروع کیا اور لوگ جوق جوق میرے پیرو ہونے شروع ہوگئے؟

اس واقعہ کے بعد منصور نے کوہ مسوّر پر قبضہ کرلیا اور طبل و رایات کا استعمال شروع کیا، اسکے ساتھ تیس طبلچی رہتے تھے، اور جہان وہ جاتا تھا دُور سے طبلون کا شور سُنائی دیتا تھا اس نواح مین ابن یعفر کا ایک قلعہ تھا جسمین اُسکا والی مقیم تھا، منصور نے یہ قلعہ اس سے چھین لیا اور اب یہ سمجھکر اُسکو پورا غلبہ حاصل ہوگیا ہے، اس نے تمام حالات سے میمون کو اطلاع دی، اور لکھا کہ وہ اپنے دشمنون پر غالب آگیا ہے، اس پیغام کے ساتھ اس نے میمون کے واسطے نہایت ہی بیش قیمت تحائف بھی روانہ کئے، یہ واقعات ۲۹۰ھ مین پیش آئے، جب میمون کے پاس یہ تحائف اور پیغام پہنچے، تو اس نے اپنے بیٹے عبید اللہ سے کہا کہ لے تیری سلطنت کا

آغاز ہوگیا ہے، مگر مین یہ چاہتا ہون کہ وہ باقاعدہ طور پر مغرب سے شروع ہو، اس کام کیلئے اس نے ابو عبداللہ الحسین بن احمد بن محمد بن زکریا المعروف بہ شیعی الصنعانی کو مغرب کی طرف روانہ کیا، اور حکم دیا کہ مصر مین داخل ہوکر لوگون کو اسکے بیٹے کی اطاعت اور فرمان برداری پر مائل کرے، ابو عبداللہ مغرب مین آیا، یہ شخص ایک جید عالم تہا، اور سیاسی قابلیت کی وجہ سے اسکا نام ہر ایک فرد بشر کی زبان پر تہا، مگر وہ ۲۹۶ھ سے پہلے اس کام کو نہ کرسکا، اسکے بعد اس نے مہدی کو لکھا کہ تمام کام تیار ہے اور لوگ اسکی اطاعت کے لئے مستعد ہین، بہتر ہے کہ اب وہ خود مصر کی طرف روانہ ہوجائے، چنانچہ عبید اللہ الملقب بہ مہدی[۱] فوراً روانہ ہوگیا۔ جسوقت وہ افریقہ پہنچا تو تمام اختیارات شیعی کے ہاتھ مین تھے، مگر اس نے سب کچھ مہدی کے حوالہ کردیا، اسکے بہائی نے اسے ملامت کی کہ تو نے برا کیا کہ تمام بنا بنایا کام دوسرے کے سپرد کردیا، ملامت اور ندامت اسقدر بڑہی کہ آخر شیعی نے مہدی سے غدر کی ٹہان لی، مگر وہ خبردار ہوگیا، اور آخر درمیان جمادی اول ۲۹۸ھ مین اس نے ایک ہی وقت مین دونون بہائیون کو قتل کرادیا، یہی عبید اللہ المہدی مغرب اور بعد مین مصر کے بادشاہون کا بانی مبانی ہوا، ابن خلکان عبیدیون کے حسب ونسب کا ذکر کرتے ہوئے لکہتا ہے کہ وہ عبید اللہ کی اولاد مین سے تھے، بعض لوگ انکے دعوی کے مطابق اُنہین علوی کہتے ہین، اور اسطرح اُنکے دعوی کی تصدیق کرتے ہین، واللہ اعلم۔

---

[۱] شجرۂ نسب:-

حضرت علی
|
حضرت امام حسین
|
امام زین العابدین
|
محمد الباقر
|
جعفر الصادق
|
اسمعیل
|
محمد المکتوم

محمد المکتوم ہی کی اولاد اور جانشین ہونے کا عبید اللہ المہدی کو دعوی تہا۔ (مترجم)

مذکورہ بالا صفحات مین مین نے قرامطہ کا حال جتنا کہ اسکا تعلق یمن سے تہا، اور منصور کے جو ایک نہایت ہی لائق اور مدبر بادشاہ تہا، اس کام مین مدد کرنے کا حال بیان کر دیا ہے، اب مین علی بن فضل کا کچھ حال بیان کرونگا، جس سے اسکے حال اور واقعات کا پتہ لگیگا، اسکے نسب اور وطن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہین، مورخون نے آیندہ کا حال اس طرح پر بیان کیا ہے کہ علافقہ مین منصور سے الگ ہو جانے کے بعد وہ پہاڑون کے راستہ سے جند پہنچا اور وہان سے آبین آیا، اسوقت یہ شہر قبیلہ اصابح کے ایک شخص محمد بن ابی العلی کے ہاتہہ مین تہا، وہان سے چل کر وہ یافع کے ایک مقام پر آیا، یہان کے لوگ اس زمانہ مین ارذل ترین خلائق تھے، انسے دور اُس نے جنگل مین عبادت و ریاضت شروع کی، لوگ اسکے واسطے کہانا لاتے مگر وہ تہوڑا کہاتا، آنے والون کو اس امر سے تعجب ہوتا، یہ لوگ پہاڑ کی چوٹی پر رہتے تھے، انھون نے اس سے درخواست کی کہ وہ بھی ان مین آرہے، اول اول اُس نے انکار کیا مگر جب انھون نے اصرار کیا تو کہا کہ وہ ان مین اس وجہ سے رہنا نہین چاہتا کہ وہ شرابی فاسق اور فاجر ہین، یہ معلوم کرکے اُنھون نے اسکی اطاعت کا حلف اُٹھایا، اور اس نے بھی اجر کا وعدہ کیا، اب یہ لوگ اپنی زکوۃ اسکے پاس جمع کرنے لگے، یہانتک کہ اُسکے پاس بہت سا مال و متاع جمع ہو گیا، اب اس نے آبین پر حملہ کرکے اُسکے والی کو قتل کیا، اور اس علاقہ کے جان و مال کو اس کے پیروؤن کے لئے مباح قرار دیا، یہان بھی اسکو بڑا مال ہاتھ لگا، اب اس نے مذیخرہ[۱] کا قصد

---

[۱] مذیخرہ کا شہر جعفر ابن ابراہیم المناخی نے آباد کیا، کوہ توبان پر آباد تہا، اور جسوقت کہ علی بن فضل نے ۲۹۱ھ مین اسپر حملہ کیا ہے خود جعفر بن ابراہیم المناخی بادشاہ تہا، مگر آخر علی بن فضل شکست کہا کر وہان سے یافع واپس چلا گیا، جعفر ذوالمثلہ اور ذوالمناخ حمیری قبائل سے تعلق رکہتا تہا، اور رفتہ رفتہ تمام مخلاف جعفر کے علاقہ پر قابض ہو گیا تہا جو اسی کے نام سے مشہور تہا، پانچ مہینہ بعد ۲۹۲ھ مین علی بن فضل (بقیہ بر صفحہ دیگر)

کیا جو اسوقت جعفری بادشاہ کے ہاتھہ مین تہا، اور کوہ ریتہ کے مشہور شہرون مین سے تہا، چند لڑائیون کے بعد جعفری قتل ہوا، اور اسکا ملک حسب دستور لوٹا گیا، اور عورتین قید کر لی گیئن، ابن مالک نے ان تمام واقعات کا اپنے رسالہ مین مفصل ذکر کیا ہے، مگر اس جگہ اسکا اعادہ فضول ہے

علی بن فضل کو مذیخرہ کا شہر بہت پسند آیا، اور اسی کو اس نے اپنا دار السلطنت مقرر کیا، اب اس نے نبوت کا دعوی کیا، اور اپنے پیروؤن کے لئے شراب، بیٹیان اور بہنین حلال کر دین، رجب کی پہلی جمعرات کو وہ جند واپس آیا، اور ممبر پر چڑھکر وہ مشہور ابیات پڑہین جو ذیل مین درج ہین،

خذی الدف یا ہذہ والعبی وغنی ہزاریک ثم اطربی + تولی نبی بنی ہاشم وہذا نبی بنی یعرب

لکل نبی مضی شرعة. وہذی شریعة ہذا النبی + فقد حط عنا فروض الصلوٰة وحط الصیام ولم تتعب

اذا الناس صلّوا فلا تنہضی وان صوموا فکلی واشربی + ولا تطلبی السعی عند الصفا ولا زورة القبر فی یثرب

ولا تمنعی نفسک المعرسین من الاقربین مع الاجنبی + فبم ذا حللت لہذا الغریب وصرت محرمة للاب

الیس الغراس لمن ربّہ وسقاہ فی الزمن المجدب + وما الخمر الا کماء السماء محلل فقدست من مذہب

اسکے بعد اسکا زور بڑہتا گیا، اس نے مخلاف جعفر اور جند کو فتح کیا، اور صنعا پر چڑہائی کرنے کا ارادہ کیا، یہ شہر اسوقت اسعد بن ابراہیم بن محمد بن یعفر کے قبضہ مین تہا، راستہ مین وہ ذمار کے پاس سے گذرا اور سہران کا قلعہ فتح کیا، یہان کے والی اور اکثر باشندون نے اسکا مذہب قبول کیا، باقی اسعد ابن یعفر سے جا ملے، مگر جب اسکو اپنے دشمن کی طاقت کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی صنعا سے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر حملہ آور ہوا، اور مذیخرہ کو فتح کرنے مین کامیاب ہو گیا، جعفر وہان سے بہاگ کر تہامہ چلا گیا اور دریائے زبید کے میدان مین پناہ لی، اس نواح کے بادشاہ نے اسکی فوج سے مدد کی جسکی مدد سے وادی نخلہ کے مقام پر اس نے علی بن فضل سے سنہ ۲۹۲ مین مقابلہ کیا، مگر وہ اور اسکا بھتیجا ابو الفتوح دونون مارے گئے، جعفر بن ابراہیم کا زمانہ سلطنت سنہ ۲۷۹ھ سے سنہ ۲۹۲ تک ہے، (مترجم)

بھاگ نکلا، اس طرح جمعرات کے دن تیسری رمضان کو علی بن فضل شہر مین داخل ہوا، اور جامع مسجد مین ٹہرا، اسکے آنے کے دن سخت بارش ہوئی، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شہر کی تمام موریان بند کردیجائین، اور خود صنعا کی قیدی عورتون کو لیکر منارہ پر چڑہ گیا، جہان سے اُس نے ننگا کرکے انہین پانی مین پھینکنا شروع کیا، اور جنکو پسند کیا اُنکی عصمت وہین خراب کی، کہتے ہین کہ اس ظالم کے پنجے مین بہت سی کنواری لڑکیان بھی پھنس گئی تہین،

جو پانی مسجد مین جمع ہوگیا تہا، وہین چھوڑ دیا گیا، یہانتک کہ وہ چھت تک پہنچ گیا، اسکے نشانات ابتک موجود ہین، اس واقعہ کا ذکر قاضی سَرِی نے کیا ہے، جنکا ذکر آیندہ کتاب مین آئیگا۔

یہ کام کرکے علی بن فضل نے اپنا سر منڈایا، اسکی پیروی مین ایک لاکہہ آدمیون نے ایسا کیا، اسکے بعد اس نے ابن عنبسہ کے مکان کو منہدم کرنے اور کہودنے کا حکم دیا، کیونکہ اسکا خیال تہا کہ اسمین بہت سا سونا دفن ہے، مگر کہودنے سے صرف دس ہزار دینار وصول ہوئے، ابن عنبسہ اور اعیان صنعا کی طرح اسعد کے ساتھ بھاگ گیا تہا، اسے جب اپنے مکان کی بربادی کا حال معلوم ہوا تو رنج کی وجہ سے بیمار ہوگیا، اور اسی صدمے سے بالآخر جان دی،

منصور کو جب ابن فضل کے صنعا مین داخل ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا، اور اس سے ملنے کے لئے آیا، دونون ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے، یہان سے ابن فضل نے حراز اور مہجم کا محاصرہ کرکے اسکو فتح کرلیا، اسی طرح کدار بھی فتح ہوا، اب اس نے زبید کا قصد کیا، بغداد کی طرف سے اسکا حاکم ابوجیش اسحاق بن ابراہیم بن محمد تہا، کہتے ہین کہ وہ شہر چھوڑکر بھاگ گیا، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ لڑا، اور علی بن فضل کے ہاتھ سے مارا گیا، زبید کا شہر حسب دستور لوٹا گیا، اور عورتین قید کی گئین، مورخین کا بیان ہے کہ اس موقع پر

علاوہ اور عورتون کے چار ہزار صرف کنواری لڑکیاں اسکے ہاتھ آئین، یہان سے ابن فضل براہ میراد مذیخرہ کی طرف روانہ ہوا، میراد زبیدہ کے مشرق مین ایک پہاڑ ہے، جب وہ مع اپنے لشکر کے مداحیص یامشاحیص نام ایک مقام پر پہنچا تو اس نے وہان قیام کا حکم دیا، اور جب لشکر نے کمرین کہول دین تو اس نے سبکو جمع کیا اور کہا کہ تمکو معلوم ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلے ہو، مگر حصیب کی بیشمار عورتین تمہارے پاس قید ہین، مین یہ نہین چاہتا کہ وہ اپنے اثر سے تمہارے نیک ارادون مین دخل انداز ہون، اسلئے جسکے پاس جتنی عورتین ہون انکو قتل کردے لوگون نے فوراً اسکے کہنے پر عمل کیا، اور برسون زمین ان مظلومون کے خون سے سرخ رہی، اسی وجہ سے اس مقام کا نام مداحیص یامشاحیص پڑگیا، مذیخرہ پہنچکر اس نے تمام راستون اور خاصکر حج کے راستون کو بند کرنیکا حکم دیا، اور کہا کہ اگر حج کرنا ہی ہے تو حرف (جو مذیخرہ کے قریب ایک مقام ہے) کا حج کرو، اور الثالثی مین عمرہ کرو، الثالثی حرف کے قریب ایک وادی ہے،

آخرکار جب اسے معلوم ہوگیا کہ اب یمن پر پورا تسلط اور قبضہ ہے تو اس نے عبید بن میمون کو جسکا کہ وہ ابتک اپنے آپکو داعی کہتا تھا، بالائے طاق رکھا اور خود مختار ہوگیا، اسکی خبر اس نے منصور کو بھی دی، منصور نے جواب مین لکھا کہ تو کس طرح ایسے شخص کو چھوڑ سکتا ہے جو تیرے تمام عروج کا باعث ہے؟ کیا تجھے وہ تمام عہد وپیمان یاد نہین رہے جو تیرے اور اسکے درمیان ہوئے تھے، اور کیا تو وہ ہدایات بھول گیا کہ کیسے اس نے ہمکو اتفاق سے رہنے اور نفاق سے بچنے کی ہدایت کی تھی، مگر ابن فضل نے اسکے کہنے کی کچھ پروا نہ کی بلکہ کہلا بھیجا کہ اگر تو میرے اطاعت کے لئے تیار نہین ہے تو جنگ کے لئے تیار ہوجا، میرا حال تو ابی سعید الجنابی[1] جیسا ہے، کیا اس نے

[1] ابوسعید الجنابی، بحرین کے علاقہ کا بادشاہ تھا، جو اسکے زمانہ مین قرامطہ کے قبضہ مین تھا، اس نے ۳۰۱ھ مین انتقال کیا، اور تمام عمر عبید اللہ کا مطیع اور فرمان بردار رہا، اسکے انحراف کے متعلق نہین کہا جاسکتا (بر صفحہ دیگر

بُرا کیا، کہ خود مختار ہوگیا، جب منصور کے پاس یہ خط پہنچا تو اسے اسکی بغاوت کا یقین ہوگیا، اور وہ فوراً کوہ مسور کی قلعہ بندی پر متوجہ ہوا، اور کہا کہ "مین نے ابکے اور اس جیسے اور باغی اور طاغی لوگون کے لئے اس پہاڑ کو قلعہ بند کیا ہے، جب مین صنعا مین پہلی دفعہ اس سے ملا ہون تب ہی شرارت اسکے چہرے سے عیان تھی"۔ تھوڑے ہی عرصہ مین ابن فضل نے لڑائی کی تیاری کردی، اور دس ہزار چیدہ فوج کے ساتھ مذیخرہ سے روانہ ہوا، اور شبام مین داخل ہوا، اور اسکی اور منصور کی فوج کے درمیان مختلف جنگین ہوئین، جسکے بعد ابن فضل لاعۃ کے مقام مین داخل ہوگیا اور کوہ جمیعۃ پر چڑھ گیا، اس پہاڑ کا نام فائش بھی ہے، اور کوہ مسور کے پاس واقع ہے، اور اس زمانہ مین بنو منتاب نام ایک قبیلہ کے قبضہ مین تہا، یہان آٹھہ ماہ تک اس نے منصور کا محاصرہ کئے رکھا، مگر بے سود، اسقدر دیر اسپر شاق گذرنے لگی، اور منصور کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی، ابن فضل نے کہا کہ مین اسوقت اس سے صلح نہ کرونگا جبتک وہ اپنا ایک بیٹا میرے پاس نہ بھیجدے، جو میری اطاعت قبول کرے، اور مشہور ہو نے پائے کہ مین ناکامیاب واپس ہوا ہون، بلکہ یہ کہ مین نے رحم کرکے منصور کی جان بخشی کردی ہی، منصور نے یہ شرط منظور کرلی، اور اپنے ایک بیٹے کو ساتھ لیکر آیا، جسکے گلے مین ابن فضل نے سونے کا طوق ڈال دیا۔

مذیخرۃ واپس آکر ابن فضل اسلام کے تمام محرمات کی تحلیل و اباحۃ مین منہمک ہوگیا، اس نے ایک بڑا مکان تیار کرایا، رات کے وقت وہ اسمین اپنے مذہب کے لوگون (مرد و عورت) کا غالب حصہ جمع کرتا تہا، مکان قندیلون وغیرہ سے روشن اور سجایا جاتا، وہان کے لوگ خوش طبعی مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ اسمین اصلیت کہانتک ہی ایک مین اسکی اس اطاعت اور فرمان برداری پر کچھ شبہہ کیا گیا تہا اور بس ورنہ اس نے کبھی کھلم کھلا مہدی سے انحراف نہین کیا۔ (مترجم)

اپنا تھوڑا سا وقت گذارتے، اسکے بعد چراغ گل کر دیئے جاتے، اور ہر ایک مرد کسی عورت کو پکڑ لیتا خواہ وہ اسکی قریبی رشتہ دار ہی ہوتی اگر کیسکو اپنی عورت بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے پسند نہ آتی تو وہ اسکو چھوڑ نہ سکتا تھا، ابن مالک نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مرد کو ایک بوڑھی عورت ملی وہ اسکو چھوڑ کر الگ ہوجانا چاہتا تھا مگر عورت نے کہا دو بُدٌ من ذی حکم الامیر (یعنی لا بُدّ من الذی حکم الامیر، یعنی ابن فضل)

اس قسم کے اسلام کے برخلاف شرمناک افعال ابن فضل سے سوا کسی سے صادر نہین ہوئے ہین نے اس مذہب کے اکثر واقف کار لوگون سے اسکے متعلق سوال کیا، انکی متفقہ راے کہ ابن فضل ایک زندیق تھا، برخلاف اسکے وہ لوگ منصور کو اپنے بڑے اور برگزیدہ لوگون مین شمار کرتے ہین، یہ راے مجھے بھی صائب معلوم ہوتی ہے،

ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ مذیخرہ ابن فضل کو اتنا پسند آیا تھا کہ اس نے اُسکو اپنا مستقر بنا لیا تھا، اس نے اسعد بن یعفر کو جسکا ذکر ہم پہلے کر آئے ہین صنعا پر اپنا نائب مقرر کیا، اسے بالکل یقین نہ ہوا تھا کہ وہ اس سے مل گیا ہے، بلکہ ہر وقت غدر اور بے وفائی کا خوف تھا، اُدھر اسعد بھی صنعا مین سلمانون کا انتقام لینے کے لئے پیچ وتاب کھا رہا تھا، اور اپنے آپکو ابن فضل سے مامون نہ سمجھتا تھا، اسی وجہ سے شاذ و نادر ہی صنعا مین ٹھہرتا تھا، ابن جریر کہتا ہے کہ ابن فضل کے اسعد کے نام خطوط کا عنوان یہ ہوتا تھا، من باسط الارض وداحیھا ومزلزل الجبال ومرسیھا علی ابن فضل الی عبدلا اسعد. یہ عنوان ہی اسکے کفر کی کافی دلیل ہے۔

اسعد کی نیابت کے زمانہ مین ایک اجنبی شخص اسکے پاس آیا، جس نے اپنے آپکو بغداد کا شریف اور باشندہ ظاہر کیا، یہ شخص اسعد کے پاس رہنے لگا، اور جلد ہی اسکا ندیم ہوگیا، لوگون کا خیال ہے کہ اسے خلیفہ نے ابن فضل کا حال سن کر وہان بھیجا تھا کہ کسی حیلہ سے اُسے قتل کر دے،

تہوڑی مدت تک وہ اسعد کے پاس ٹہرا رہا، یہ شخص جراح، عطار، اور فصد کے کہولنے اور زخمون کے علاج مین ماہر تہا، جب اسعد کا خوف ابن فضل کی طرف سے بہت بڑھ گیا تو ایک دن اس اجنبی نے کہا کہ مین نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ مین اپنی زندگی کو خدا اور مسلمانون پر تصدق کرکے انکو اس ظالم باغی کے ہاتہہ سے نجات دلاؤن، سو وعدہ کرکہ اگر مین اپنے کام مین کامیاب ہوکر واپس آؤن تو تو میرے ساتہہ اس ملک کو تقسیم کریگا جو تجھے حاصل ہو، اسعد نے فوراً وعدہ کیا، اور اجنبی نے سفر کی تیاری کی اور روانہ ہوگیا، اسعد اسوقت ہمدان کے علاقہ مین الجوف کے مقام پر ٹہرا ہوا تہا، اور ہر وقت ابن فضل کی طرف سے خطرہ مین تہا، اجنبی وہان سے روانہ ہوکر مذیخرہ آیا، اور ارکان دولت تک رسائی حاصل کی، انکی فصد کھولی، علاج کیا، اور اُنکے لئے مرکبات اور معجونین تیار کین، آہستہ آہستہ اسکا ذکر ابن فضل کے کانون تک پہنچا، لوگون نے بھی اسکی تعریف کی، اسکی طبابت کو خوب سراہا، اور کہا کہ وہ تیرے ہی لائق ہے -

ایک روز ابن فضل کو فصد کہلوانے کی ضرورت پڑی، اس نے اسے طلب کیا، طبیب نے جانے سے پہلے اپنے سر کے سامنے کے بالون مین جو بہت گہنے تھے، زہر ملا، ابن فضل کے سامنے آنے کے قبل اسے حکم ہوا کہ وہ اپنے کپڑے اُتار کر دوسرے کپڑے پہنے، اس نے تعمیل کی، اب اسے فصد کہولنے کے لئے قریب آجانیکی اجازت ملی، نشتر نکال کر اس نے مزید اطمینان کی غرض سے اُسے چوسا، اور پھر اپنے سر کے بالون سے اسے صاف کرلیا جس سے اسمین تھوڑا سا زہر لگ گیا، اسکے بعد فصد کھولی، اور اسے باندہ کر فوراً اپنا اسباب گدہے پر لاد مذیخرہ سے روانہ ہوگیا تاکہ اسعد بن یعفر سے جاملے،

تہوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ابن فضل کو زہر کا اثر معلوم ہوا، اور اب اس نے جانا کہ فاصد نے اسے دہوکہ دیا ہے، اسکی تلاش بے سود ثابت ہوئی مگر ابن فضل نے اسکی تلاش مین ادہر اُدہر آدمی

بھیجے کہ جہان کہین بھی ہو پکڑ لا جائے، چنانچہ سپاہی مختلف اطراف مین اسکی تلاش مین نکلے، آخر بعض نے اسے وادی سحول مین ایک مسجد المعروف بہ قینان مین جا لیا، مگر اپنے آپکو حوالہ کرنیکے بجاے اس نے انکا مقابلہ کیا، اور آخر شہید ہوگیا، اور وہین دفن ہوا، اب بھی اسکی قبر باعثِ برکت اور نزول رحمت ہے، مین بھی محرم ۶۹۶ھ مین وہان گیا ہون،

اسی کے ساتھ ابن فضل نے بھی جمعرات کی رات کو ۱۵- ربیع الاول ۳۰۳ھ مین انتقال کیا، مسلمانون کو اسکی وجہ سے سترہ سال مصیبت اٹھانی پڑی، اسعد کو ابن فضل کی موت سے بہت خوشی ہوئی، اور اہل یمن نے بھی خوشی منائی، انھون نے اسعد کو لکھا کہ مذیخرہ پر فوجکشی کرکے قرامطہ کا قلع قمع کردے، چنانچہ اس نے بھی تیاری شروع کی، اور صنعا، اور گرد و نواح کے علاقہ سے فوج جمع کی، جب مخلاف جعفر مین پہنچا تو تمام باشندے اس سے مل گئے، یہی حال جند اور معافر کا ہوا، اب اس عظیم الشان لشکر نے مذیخرہ کا رخ کیا،

ابن فضل نے ایک بیٹا چھوڑا تھا جو اپنی آنکھ کی سفیدی کی وجہ سے الفافا کے نام سے مشہور ہے، اسعد نے اپنے لشکر کے ساتھ مذیخرہ کا محاصرہ کر لیا، اور کوہ ثومان مین ٹھہرا، جسکا ذکر ہم جعفری کے بیان مین کر چکے ہین، اب اسکا نام جبل خولان ہے، کیونکہ اب وہان بنو لخم قبیلہ کے لوگ رہتے ہین، لشکر ایک مدت تک وہان پڑا رہا، جب کبھی مذیخرہ کی فوج اسپر چھاپہ مارتی تو مسلمان اسے شکست دیدیتے، یہ حال برابر جاری رہا، آخر اسعد نے منجنیق سے کام لیکر شہر پناہ کے ایک حصہ کو مسمار کر دیا اور شہر مین داخل ہوگیا، علی بن فضل کا بیٹا، اسکے خواص، خاندان کے تمام مرد، اور وہ تمام لوگ جنھون نے اسکا مذہب اختیار کیا تھا اسعد کے حکم سے قتل ہوے، ابن فضل کے تین بیٹیان تھین وہ قید ہوئین، اسعد نے ایک کو جسکا نام معاذۃ تھا چن لیا، اور اپنے بھتیجے قحطان کے حوالہ کر دیا، اس سے قحطان کا ایک بیٹا عبداللہ نامی ہوا، باقی دونون دوسرے سردارون کے

حصے مین آئین، اسعد اور مسلمانون کے مذیخرہ کے محاصرہ کی مدت ایک سال ہے، کہتے ہین کہ اس عرصہ مین اسعد نے اپنے ہتیار اور زرہ ذراسی دیر کے لئے بھی الگ نہین کئے تھے، مخلاف جعفر مین بھی قرامطہ کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، اور مذیخرہ اسوقت سے ابتک ویران پڑا ہوا ہے۔

اب رہا منصور سو وہ اپنی مقدمتہ الذکر حالت پر برابر قائم رہا، مگر ابن فضل کے مقابلہ مین وہ نہایت ہوشیار اور قابل حکمران تہا جسکی یادگارین ابتک قائم ہین، اس نے لاعۃ کے علاقہ کو مرنے تک نہ چھوڑا، اور ابن فضل سے پہلے ۳۰۲ھ مین مرگیا، حکومت اس نے اپنے بیٹے حسن اور ایک شخص عبداللہ ابن عباس الشاوری کی ماتحتی مین چھوڑی، شاوری پر اسے بہت اعتماد تہا اور وہ اکثر اسکے خطوط اور تحفے لیکر مہدی کے پاس جایا کرتا تہا، اس طرح مہدی بھی اس سے پوری طرح واقف تہا، منصور کو جب موت کا یقین ہوگیا تو اس نے دونون کو بلایا، اور وصیت کی کہ سلطنت کی حفاظت کرنا، اور بنو عبید ابن میمون سے اپنے آپ کو جدا نہ کرنا، کیونکہ ہم انہین کے لگائے ہوئے ایک پودے ہین، اگر ہم ان کے داعی نہ بنتے تو یہ حکومت حاصل نہوتی، مہدی سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکہنا اور کبھی اسکی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کرنا، کیونکہ مین نے یہ حکومت کثرت مال اور کثرت رجال سے حاصل نہین کی، اور اس ملک مین بھی اپنی مرضی کے خلاف ہی آیا، بلکہ اس مرتبہ کو محض مہدی کی برکت کی وجہ سے پہچانا جسکی بشارت خود آنحضرت صلعم دیچکے ہین"، یہی الفاظ وہ اکثر عوام الناس کے سامنے کہا کرتا تہا،

منصور کے مرنے کے بعد شاوری نے اسکی وصیت سے مہدی کو اطلاع دی جو اسوقت مہدیہ مین مقیم تہا، اور لکہا کہ احکام آنے تک داعی کی جگہ خالی رہیگی، ساتھ ہی یہ بھی یقین دلایا کہ وہ یہ فرض نہایت وفاداری اور دیانت سے منصور کے بیٹون کے بجائے ادا کرنیکو تیار رہے، اس خط کو اس نے منصور ہی کے ایک بیٹے کے ہاتھ روانہ کیا، اس نے مہدیہ پہنچکر خط مہدی کے

حوالہ کردیا، مہدی شاوری کو پہلے ہی سے جانتا تہا، اور اُسے معلوم تہا کہ وہ داعی کا کام اچھی طرح
انجام دیسکتا ہے، اسکے برعکس وہ منصور کی اولاد کی کمزوری سے ڈرتا تہا، ابن منصور خط کے
مضمون سے بالکل بے خبر تہا، مہدی نے شاوری کو جواب دیا، اور اسے مستقل طور پر اپنا داعی
مقرر کردیا، اور ابن منصور نا اُمید واپس آیا، مگر اس نے اپنا کینہ چھپائے رکہا، وہ اور اسکے بہائی
شاوری سے ملتے جلتے رہے، اور وہ بھی انکی توقیر وعزت ہمیشہ ملحوظ رکہتا تہا، ان مین سے کسی سے
وہ الگ نہ رہتا تہا بلکہ جب کبھی وہ چاہتے اُسکے پاس داخل ہوسکتے تھے، اور بغیر حاجب کی مدد کے
اس سے مل سکتے تھے، اسکے بعد وہ جو مہدی کے پاس خط لیکر گیا تہا، اسکی غفلت کے وقت
کمرہ مین داخل ہوا اور اسے قتل کرڈالا، پھر اس نے تمام علاقہ پر قبضہ کرلیا، قبضہ کے بعد اس نے
تمام گرد ونواح سے اپنی رعایا کو جمع کیا، اور انکو شاہد بنایا کہ اس نے پھر سُنّی مذہب اختیار کرلیا ہے
اور اپنے باپ کا مذہب ترک کردیا ہے، لوگون کو اس سے تعجب ہوا، اور وہ اس وجہ سے ان مین
ہردل عزیز ہوگیا، اور لوگ اسکی مدد کے لئے تیار ہوگئے، اسکا بہائی اُسکے پاس آیا، اور اسکو اس
امر کے متعلق بُرا بھلا کہا تہا، مگر اُس نے اسپر توجہ نہ کی، خفا ہوکر بہائی مہدی کی طرف چلا گیا، مگر قیروان
جاکر معلوم ہوا کہ مہدی فوت ہوچکا ہے، اور اُسکا بیٹا القائم بامر اللہ اسکا جانشین مقرر ہوا ہے،
مہدی کی موت اور قائم کا جانشین ہونا ۳۲۲ھ کا واقعہ ہے، ابن منصور وہین اسکے پاس رہنے لگا،
یہان اسکے بہائی نے اپنے باپ کے ہم مذہبون کو قتل کرنا شروع کیا، اور جلا وطن کیا،
حتی کہ اسکے قریب سوا ان لوگون کے جو اپنا مذہب خفیہ رکہتے تھے کوئی بھی باقی نہ رہا،
مگر شہر مین ایک جماعت ایسی رہ گئی جو خفیہ طور پر قیروان مین مہدی سے خط وکتابت کا
سلسلہ رکہتے تھے، پھر ابن منصور مسور سے عین محرم کی طرف روانہ ہوا، جسکا ذکر پہلے گذر چکا ہے
اور جسپر اسوقت بنو العرجار کے قبیلہ کا ایک شخص بادشاہ تہا، مسور پر اپنی غیر حاضری مین اُس نے

ابراہیم بن عبدالحمید الشیبی کو مقرر کیا؛ جو بنی مختاب کا داداہی اور جسکے نام سو کا نام مختاب ہوگیا، جب وہ عین محرم پر پہنچا تو ابن العرجا نے اچانک اسپر حملہ کیا، اور اسے قتل کر دیا، ابن عبدالحمید نے سنکر اپنے آپ بادشاہت کا دعوی کیا اور منصور کے اہل وعیال اپنی جان کے خوف سے کوہ حشب، (یا جبل بنی اعشب) کی طرف بھاگ گئے، مگر لوگون نے اُن پر حملہ کیا، اور انکو قتل کیا قید کیا اور لوٹا ابن العرجا اور ابن عبدالحمید کے درمیان ہین عہد نامہ ہوگیا، جسکی رُو سے دونون نے علاقہ کو آپس ہین بانٹ لیا، ابن عبدالحمید نے منصور کے مذہب کو ترک کر دیا، ایک جامع مسجد اور منبر تعمیر کیا، جسمین خلیفہ عباسی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، اس نے قرامطہ کا بھی تعاقب کیا، اور آخر اسکی کوشش سے ان مفسدون کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اگرچہ ایک نہایت ہی قلیل تعداد سور کے قریب رہ گئی جو اپنے مذہب کو چھپائے رکھتے تھے، اور ایک شخص کو جسکا نام ابن الطفیل تھا اپنا امیر سمجھتے تھے، اسکو ابراہیم نے قتل کروا دیا، اسکے بعد داعی کا کام ابن جُفتم یا ابن رحیم کے سپرد ہوا یہ شخص نہایت بردبار اور محتاط آدمی تھا، اسکی جاے سکونت ہمیشہ اس خوف سے چھپائی جاتی تھی کہ مختاب یا کوئی اور سُنّی اسے بھی قتل نہ کرے، اسکی خط وکتابت بھی قیروان مین مہدی کی اولاد کے ساتھ برابر جاری رہی، اسی کے زمانہ مین المعز بن القائم بن المہدی قیروان سے مصر کی طرف آیا، اور قاہرہ کا شہر آباد کیا، اور اسکو اپنا مستقر قرار دیا، جب ابن جفتم کی موت قریب آئی تو اس نے اپنے ہم مذہبون پر ایک شخص یوسف بن الاسج نامی کو مقرر کیا، ابن جفتم کی موت کے وقت حاکم (معز کا پوتا) قاہرہ پر حکمران تھا، ابن الاسج اسی کے لئے کوشش کرتا تھا اور اسکے لئے بیعت لیتا تھا، جب اسکی موت قریب آئی تو اس نے اپنا جانشین ایک شخص سلیمان بن عبداللہ الرواحی کو جو شام کے علاقہ کا رہنے والا تھا مقرر کیا، یہ مالدار آدمی تھا جسکو وہ لوگون کے دہوکہ دینے اور اپنے ہم مذہبون کی حفاظت مین صرف کیا کرتا تھا، جب کبھی کوئی اسکے قتل کا ارادہ کرتا تو صاف

کہتا کہ مین مسلمان آدمی ہون، لا الہ الا اللہ کا معترف ہون، میرا خون اور مال کسی طرح مباح نہین ہو سکتا ہے، وہ اسکو چھوڑ دیتا، مرتے وقت اس نے علی بن محمد الصلیحی کو اپنا جانشین مقرر کیا جو اخراج کا رہنے والا تھا، اور حراز کے شیعون مین سے تھا،

بگڑا ہوا اسلام

(از مولانا عبد السلام ندوی)

قرآن مجید اگرچہ مناظرہ کی کوئی کتاب نہین ہے، تاہم یہود، نصاریٰ، مشرکین، اور منافقین کو جن مذہبی شبہات نے ضلالت وگمراہی مین مبتلا کردیا تھا، قرآن مجید نے متعدد موقعون خطابی اور برہانی دلائل سے انکی تردید کی ہے، لیکن یہ کتنی افسوسناک بات ہی کہ اس طریقہ سے قرآن مجید نے جن مذہبی خرابیون کی اصلاح کی وہ ایک ایک کرکے آج خود اسلام مین نظر آتی ہین، مثلاً کفار اگرچہ نبوت کے معترف تھے، اور حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، بلکہ حضرت موسیٰ علیہم السلام کو بھی خدا کا پیغمبر مانتے تھے، تاہم انکا یہ خیال تھا کہ پیغمبر کو منزہ عن المادیت ہین عام انسانون سے بالاتر ہونا چاہیے، اس بنا پر اُنکے دل مین یہ شبہات پیدا ہوتے تھے کہ "پیغمبر عام انسانون کی طرح کیون کہاتا پیتا ہے، کیون بازارون مین چلتا پھرتا ہے خدا کسی فرشتے کو پیغمبر بنا کر کیون نہین بھیجتا؟ ہر شخص پر الگ الگ وحی کیون نہین نازل ہوتی؟ اور ان شبہات کی بنا پر وہ تشبیہ، تحریف، اور شرک مین مبتلا ہوجاتے تھے، لیکن آج اسلام پر یہی مصیبت ایک دوسری صورت مین نازل ہوئی ہے، یعنی بہت سے لوگ ہین جو ولایت کشف اور کرامت کے معترف تو ہین، لیکن اُنکے نزدیک اس زمانہ مین اولیار وصلحار کا وجود نہین ہوسکتا، اس بنا پر وہ بجاے اسکے کہ کسی صالح شخص کو اپنا مرجع بناتے، اُنھون نے گذشتہ اولیار کے مزارات کی طرف رُخ کیا، اور اس طرح شرک وبت پرستی کی وہی صورت پیدا ہوگئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین موجود تھی، چنانچہ شاہ

ولی اللہ صاحب مشرکین کے اس شبہہ کو نقل کر کے لکھتے ہین،

واگر در تصویر حال مشرکین وعقاید واعمال ایشان توقف داری احوال محترفان اہل زمان خصوصاً آنانکہ باطراف دار الاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ ولایت را چہ خیال کردہ اند وباوجود اعتراف بولایت اولیا متقدمین درین زمانہ وجود اولیاء محال می انگارند وبہ قبور وآستانہا می روند وانواع شرک بعمل می آرند وتشبیہ وتحریف چگونہ در ایشان راہ یافتہ است وبحکم حدیث صحیح لتتبعن سنن من قبلکم ازین آفات ہیچ چیز نیست کہ امروز قومی مرتکب آنند ومعتقد مثل آن عافانا اللہ سبحانہ عن ذلک[۱]

اہل اسلام کا یہ ضلالت آمیز اتحاد صرف کفار ومشرکین کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ وہ اور مذاہب کے ساتھ بھی اسمین شریک ہین، مثلاً عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور اسپر انجیل کے بعض مشتبہ الفاظ سے استدلال کرتے تھے لیکن قرآن مجید نے ہر موقع پر اسکی تردید کی اور انکو خدا کا بندہ قرار دیا، لیکن اسلام مین تصوف کی جو گرم بازاری ہوئی، اور اُس نے صلحاء واولیاء کا جو مستقل طبقہ قائم کر دیا، اسکی نسبت بھی قریب قریب اسی قسم کی خوش اعتقادی پیدا ہوگئی جس نے انکو عام انسانی ہستیون سے بالاتر قرار دیا اور خاندانی عصبیت وحسن عقیدت نے انکو کہان سے کہان پہنچا دیا، چنانچہ شاہ صاحب عیسائیون کے اس عقیدہ کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہین،

اگر خواہی کہ نمونۂ آن ازین فریق ملاحظہ کنی امروز اولاد مشائخ واولیا را تماشا کن، کہ در حق آبای خود چہ ظنون دارند وتا کجا کشیدہ بردہ اند، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[۲]،

---

[۱] الفوز الکبیر صفحہ ۱۱ [۲] ایضاً صفحہ ۲۳،

تصوف و اخلاق کی عام کتابون مین اولیاء و علماء کے کشف و کرامات کے متعلق جو مبالغہ آمیز واقعات مذکور ہین وہ انہی خوش اعتقادیون نے پیدا کئے ہین اور ان کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگون نے ان بزرگون کو عملاً اپنا خدا بنا لیا ہے،

اسلام مین سب سے زیادہ خطرناک گروہ منافقین کا خیال کیا گیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین دو گروہ مین منقسم تھے، ایک گروہ تو زبان سے کلمۂ توحید کا اقرار کرتا تھا، لیکن دل سے اپنے اصلی کفر پر قائم تھا، قرآن مجید مین فی الدرک الاسفل من النار کی وعید شدید اسی گروہ کی نسبت وارد ہوئی ہے، دوسرا گروہ اگرچہ زبان و دل دونون سے مسلمان ہوا تھا، تاہم اسکے ایمان مین ضعف موجود تھا، اس بنا پر اسکے عقاید و اعمال مین وہ استواری نہین پائی جاتی تھی، جو مخلصین مومنین مین موجود تھی، اسی قسم کے منافقین کے متعلق حدیث شریف مین آیا ہے کہ "جس شخص مین تین باتین پائی جاتی ہین، ایک یہ کہ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، دوسرے یہ کہ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، تیسرے یہ کہ جب لڑائی جھگڑا کرے تو فحاشی اور بدزبانی کرے وہ منافق ہے"۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے بعد پہلے قسم کے منافقین کا حال معلوم نہین ہو سکتا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلعم کو وحی کے ذریعہ سے ان لوگون کے دل کا بھید معلوم ہو جاتا تھا، لیکن آپکے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اسلئے انکے حالات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہین رہا، البتہ دوسرے قسم کا نفاق جسکو شاہ صاحب نفاق عمل اور نفاق اخلاق کہتے ہین، اسلام مین ہمیشہ موجود رہا، اور اب بھی موجود ہے، چنانچہ شاہ صاحب نفاق کی اس قسم کو بیان کرکے لکھتے ہین،

اگر خواہی کہ از منافقان نمونہ بہ بینی رو در مجلس امرا و مصاحبان ایشان را بہ بین کہ مرضی ایشان را بر مرضی شارع ترجیح می دہند در انصاف ہیچ فرق نیست در میان آنانکہ کلام آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم بلواسطہ شنیدہ نفاق ورزیدند ودرمیان آنانکہ الحال پیدا شدہ اند ولطریق یقین حکم شارع معلوم کردہ اند بعد ازان براتیار خلاف آن اقدام می نمایند وعلی ہذا القیاس جماعہ از معقولیان کہ شکوک وشبہات بسیار بخاطر دارند ومعاد را نسیا منسیا ساختہ اند نمونہ آن گروہ اند وبالجملہ چون قرآن بخوانی گمان مکن کہ مخاصمہ با قومے بود کہ بودند ودر گذشتند بلکہ بحکم حدیث لتتبعن سنن من قبلکم ہیچ بلاے نبود مگر امروز نمونہ آن موجود است، پس مقصود اصلی بیان کلیات آن مقاصد است نہ خصوصیات آن حکایات۔[1]

اسلام مین یہ تمام خرابیان شاہ صاحب کے زمانہ مین پیدا ہو چکی تھین اور آج تو وہ اضعافاً مضاعفہ ہوگئی ہین، اس بنا پر اگر ان سب کو پیش نظر رکھو تو تم کو صاف نظر آئیگا کہ اسلام جسقدر تمام مذاہب کی خوبیون کا جامع تھا، آج اسیقدر تمام مذہبی برائیون کا سرچشمہ ہوگیا ہے؛ اسلام نے جن مذہبی مفاسد کی اصلاح کی تھی وہ مختلف مذاہب مین الگ الگ پائی جاتی تھین لیکن آج وہ سب کی سب اسلام مین ایک جگہ جمع ہوگئی ہین، اسلئے اگر اسلام کسی زمانہ مین تمام مذاہب سے اچھا تھا تو وہ آج تمام مذاہب سے برا ہے، خدا نے کسقدر سچ کہا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین

---

[1] الفوز الکبیر صفحہ ۲۶ و ۲۷،

تلخیص و تبصرہ

اسلام اور زنان ہند

برٹین اینڈ انڈیا، انگلستان کا ایک جدید معزز رسالہ ہے، اسکے اپریل نمبر مین ایک ہندوستانی خاتون نے ایک مضمون "موجودہ زنان ہند" پر شایع کیا تھا جو اگرچہ بحیثیت مجموعی ہمدردانہ و موافقانہ تھا، تاہم جا بجا اسمین مسائل اسلام کی غلط تعبیر کیگئی تھی، مولانا سید سلیمان ندوی نے اسکا جواب اسی رسالہ کے جون نمبر مین شایع کرایا، ذیل مین اسکا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

مین نے رسالہ برٹین اینڈ انڈیا کے اپریل نمبر مین "زنان ہند در عصر حاضرہ" پر دلچسپ مضمون پڑھا، راقمہ مضمون نے جس ہمدردی سے اظہار خیال کیا ہے، اسکی شکر گذاری بحیثیت ایک ہندوستانی کے میرے اوپر فرض ہے، تاہم اسکے ابتدائی فقرون مین اسلام، پردۂ نسوان اور کمسنی کے شادی سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اسکے بابت مجھے بھی کچھ کہنا ہے۔

دنیا مین محکوم قوم کی فرد ہونے سے بڑھکر انسان کے لئے کوئی اور معصیت نہین، محکوم قوم کی نہ صرف جسمانی آزادی سلب ہو جاتی ہے، بلکہ اپنے احساسات و جذبات، معتقدات و خیالات ہر شے مین محکوم قوم، محکوم و غلام ہوتی ہے، اسکے نزدیک حق و باطل کا معیار، حکمران قوم کے خصایل و شعائر، اور اسکی تہذیب و شائستگی رہ جاتی ہے، محکوم قوم، حکمران قوم کی آنکھون سے دیکھتی، اسکے کانون سے سنتی، اور اسی کے دماغ سے سوچتی ہے، مگر چونکہ محکوم قوم کے پاس بھی اپنے اسلاف کے پرفخر کارنامون کا ذخیرہ ہوتا ہے، اسلئے اسکے پاس اسکے سوا چارہ نہین ہے تاکہ ان مین حکمران قوم کے اعمال و خصائل کے ساتھ مطابقت و موافقت پیدا کرے، اور اسی

جدید معیار عظمت و شرافت کے قالب مین اپنی گذشتہ تاریخ کو ڈہالے، اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محکوم قوم جب اپنے شعائر و اخلاق کو حکمران طبقہ سے مختلف پاتی ہے تو اپنے تئین پست و ذلیل، اور عزت و شرافت سے معریٰ سمجھنے لگتی ہے، اور اسی طرح رفتہ رفتہ حکمرانون کی کورانہ تقلید مین مبتلا ہو جاتی ہے،

ہندوستان بھی آج ایک مغربی قوم کے ماتحت ہے، اور اسلئے مغربی تہذیب، مغربی فلسفہ، مغربی اخلاق و شعائر کی حکومت قاہرہ تمام ملک پر مسلط ہوگئی ہے، ایسی حالت مین عوام اپنے قوانین حیات نفسی کے لحاظ سے اسپر بالکل مجبور ہین کہ وہ اپنے حکمرانون کے جو کچھ رسوم و خصایل دیکھین، بلا خیال اختلاف آب و ہوا، ضروریات قومی و خصوصیات نسلی، تمامتر انکی تقلید کرنا اپنے لئے باعثِ فخر و امتیاز سمجھنے لگین، چنانچہ ہمارے اہل ملک مین ایک اچھی خاصی جماعت ایسے اشخاص کی موجود ہے جو ہر مغربی رسم و شعار سے متعلق علانیہ یہ دعویٰ کرتے ہین کہ وہ انکے زمانۂ عروج مین خود اُن مین بھی موجود تھا، اور اسی کے ترک کر دینے کا نتیجہ ہے کہ اسوقت وہ حالتِ زوال و انحطاط مین ہین،

فلسفۂ اجتماع کے اس نکتہ کو ملحوظ رکھنے کے بعد یہ بات بہ آسانی سمجھ مین آجائیگی کہ مسلمان اپنے دورِ تمدن مین جب ہندوستان پر قابض و حکمران تھے تو اُنکے رسوم و شعائر کو بھی ہندوستان کی معاشری زندگی مین حسن و قبح کا معیار سمجھا جاتا تھا، اسوقت اگر پردہ کا رواج فرمانروا قوم مین تھا اور ہندوستان مین نہ تھا تو یقیناً آہستہ آہستہ اسے ہمارے ہندو بھائیون اور بہنون نے بطور تمغاے شرافت اختیار کر لیا ہوگا، بلکہ عجب نہین اگر اسکو شرفا و عوام الناس کے درمیان حدِّ فاصل قرار دے لیا ہو، تاریخ مین ماضی و حال کے درمیان کل اور آج سے زیادہ فاصلہ نہین ہوتا، اگر پچھلی تاریخ آج تفصیل کے ساتھ موجود ہوتی تو مجھے یقین

کامل ہے کہ مسلمانون کے عہد حکومت مین فاضل ہندوؤن کی ایسی تعداد کا وجود قطعاً ظاہر ہوتا جو زبردست مذہبی و تاریخی استدلال کے ساتھ یہ ثابت کرتے کہ رسم پردہ ہندوؤن کا قدیم ترین مقدس شعار رہے، اور یہ کہ ہندوؤن کی موجودہ پستی اس رواج کو ترک کردینے کا نتیجہ ہے، اسطرح اگر کل اتفاق سے ہندوستان پر اہل چین کا قبضہ ہوجاے تو یقیناً عجیب وغریب دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش شروع ہوجائیگی کہ ہندوستان کے رسوم وعوائد عین چینی آئین تمدن کے مطابق ہین، اور یہ کہ عورت کا جو مرتبہ چینی تہذیب مین ہی بعینہ یہی ہماری قدیم تعلیم ہے!

آج جو شدید قسم کا پردہ بعض اقطاع ہند مین رائج ہے، اسکے خلاف سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ یہ مغربی اصول معاشرت و آئین تمدن کے منافی ہے، عجیب تماشہ ہے کہ ایک طرف مسلمان کانون پر ہاتھ رکھتے ہین کہ حاشا ہمین اس دستور سے کوئی واسطہ نہین، اس کا وجود ہندوستان سے باہر کسی اسلامی ملک مین نہین، ہمارے مذہب مین اسکا حکم نہین، ہماری پچھلی تاریخ مین اسکا پتہ نہین، یہ رسم تو ہم نے ہندوستان مین آکر سیکھ لی، دوسری طرف ہندو شد و مد سے دعوی کرتے ہین کہ قدیم ہندوستان اس رسم سے محض ناآشنا تھا، اور مسلمانون کی آمد سے قبل ہندوستانی عورتین بے پردہ مردون کی طرح آزاد، اور بے تکلف آنے جانے مین بالکل خودمختار رہتین، (البتہ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہوگا کہ ٹھیٹھ مذہبی ہندوؤن کا اس بارہ مین کیا خیال ہے) اسی طرح یورپ کے ایک گوشہ مین غریب ترک آباد ہین، جنکے ہان حرم کا رواج ہے، جو یورپ کے تخیل حریت نسوان کے منافی ہے، ترکون سے جب اسکے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہین کہ یہ رواج اُنکا ایجاد نہین، بلکہ قدیم رومی سلطنت کی یادگار ہے اور اہل رومہ یہ فرماتے ہین کہ اُنکے ہان یہ دستور معاصر ساسانی و ایرانی اقوام کے ہان سے آیا تھا،

غرض دنیا کا یہی قاعدہ ہے کہ قومون کے عروج و زوال، اقبال و انحطاط کے ساتھ اصول و

آئین معاشرت بھی برابر بدلتے رہتے ہین، شروع سے یہی ہوتا آیا ہے اور آیندہ بھی یہی ہوتا رہیگا

مین نے مشرق و مغرب کے مختلف تمدنون کے مطالعہ کی کوشش کی ہے، خصوصاً

پردۂ نسوان سے متعلق، اور مین نے یہ پایا ہے کہ عورتون کے لئے کچھ نہ کچھ احتیاط و تحفظ کا

رواج ہر قوم مین موجود ہے، اور جسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی احتیاط دشمنون کی

چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رہنے کے لئے عورتون کے واسطے ضروری رہی ہے، یورپ مین موجودہ حریت

نسوان کا ارتقار رفتہ رفتہ ہی اس منزل تک پہنچا ہے، لیکن شریعت مسیحی مین عورت کو چادر

مین لپٹے رہنے کا حکم سینٹ پال جیسے امام شریعت کی زبان سے ادا ہوا ہے، سر، گردن، اور

سینہ کی پوشش جیسی آج مسیحی ننون مین مستعمل ہے، یہ اسلامی پردہ کے بالکل مطابق ہے

جزیرہ سسلی پر جسوقت عربون کی حکومت تھی، اس زمانہ مین ابن جبیر اندلسی نے اُسکی

سیاحت کی تھی، اُسکے بیان کے مطابق مغربی مسیحی عورتین اپنی وضع ولباس کے لحاظ سے

بالکل مسلمان تھین، یہانتک کہ برقع بھی پہنتی تھین،[۱]

---

[۱] یونانی تمدن، کو یورپ اپنا تمدن سمجھتا ہے، کیسے تماشہ کی بات ہے کہ یونان نے اپنے شباب تمدن مین اسی قسم کے چاردیواری والے پردہ کی بنیاد ڈالی تھی، جیسا اسوقت مسلمان شرفاء اودھ و بہار مین دیکھا جاتا ہے اور اسکی شہادت انگلستان ہی کے ایک مورخ کا قلم دیتا ہے، لیکی، جس نے دو ضخیم مجلدات مین قدیم تاریخ اخلاق یورپ لکھی ہے، لکھتا ہے کہ یونان کا طبقہ نسوان دو حصون مین منقسم تھا، گھروالیان اور باہروالیان، باہروالیان عموماً بازاریان ہوتی تھین، اور "گھروالیون" کی اصطلاح شریف زادیون کی مرادف تھی، اقتباس ذیل سے مولانا کے بیانات مندرجہ متن کی پوری تائید ہوگی:-

"گھروالیان، سخت پردہ کے اندر رہتی تھین اُنکے رہنے کے لئے مکان کا ایک پردہ دار حصہ مخصوص ہوتا تھا، اور اُنکے مشاغل یہ ہوتے تھے، چرخہ کاتنا، سینا پرونا، خانہ داری کا

اسلامی پردہ کے معنی یہ ہین کہ بجز چہرہ اور ہاتھ کے باقی سارا جسم سر سے پیر تک ڈہکا ہوا رہے، اور عورت کسی ایسے مرد کے سامنے جس سے نکاح جائز ہے، بغیر ایک محرم کی موجودگی کے نہ آئے، اگر توہین یا چھیڑ چھاڑ کا اندیشہ ہو تو گہر سے باہر نکلتے وقت چہرہ پر بھی نقاب ہونا چاہئے، ان قیود کے علاوہ باقی اور ہر طرح آنے جانے مین اسلام عورت کو پوری آزادی دیتا ہے، مسلمان عورت جلسون مین شریک ہو سکتی ہے، مسجد و مدرسہ کو جا سکتی ہے، تقریرین کر سکتی ہے اور راہِ حق مین جنگ تک کر سکتی ہے، چنانچہ اس طرز زندگی پر خود پیمبر خدا اور صحابہ کرام کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیون کا عمل تہا، یہ کہنا کہ اسلام عورت کو بجز اپنے شوہر کے اور کسی شخص یہانتک کہ بہائی سے بھی گفتگو کرنے کی اجازت نہین دیتا، نہ صرف تعلیم اسلام اور اسکی سیزدہ صد سالہ تاریخ کے منافی ہے بلکہ موجودہ صورت حال کے بھی بالکل برعکس ہے۔

اسلام جس قسم کا پردہ چاہتا ہے، وہ آج پوری طرح سرحد ہندوستان، افغانستان، ترکستان،

انتظام۔۔۔۔ یہ لوگ عام مجالس و ملاعب مین کبھی شریک نہین ہوتی ہین،۔۔۔۔۔ انکی یہ طرز زندگی گو ایک طرف انکی عصمت و ناموس کی سب سے بڑی محافظ رہی، لیکن دوسری طرف اسکا یہ اثر بھی ہوا کہ انکے قوای ذہنی کی تربیت نہو سکی، اور ہر وقت لونڈیون باندیون مین گہرے رہنے سے انکی نظرین لازمی طور پر تنگ و پست ہو گیئن، گہروالیون کی خوبی کا بڑا معیار یہ تہا کہ انکی بابت نیک یا بد کسی حیثیت سے بھی سوسائٹی مین ذکر نہ آنے پائے۔" (تاریخ اخلاق یورپ ترجمۂ اردو، جلد ۲، باب ۵، صفحہ ۱۸۰)

کیا یہ طرز معاشرت بھی مسلمانون کے اثر صحبت کا نتیجہ تھی؟ جو لوگ یونانی شریف زادیون کے طرز معاشرت کی تفصیلات سے واقفیت چاہتے ہین، جو جزئیات تک مین ہمارے ہان کی شریف زادیون سے ملتی ہوئی ہے انکے لئے کتاب مذکور، جلد دوم، باب پنجم کا مطالعہ از بس مفید ہوگا، (معارف)

ترکی، مصر، و عرب مین مروج ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ پردہ کسی طرح عورت کی معاشری و ذہنی نشو و نما مین حایل نہین، ہندوستان مین جو چار دیواری کا پردہ رائج ہے، اسکی تاریخ کا صحیح سراغ لگانا ممکن نہین، لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ اس رسم کا مولد و منشا ہندوستان ہی ہے، ڈولیان اور پالکیان جو شریف زادیون کی سواریان ہین، ہندوستان ہی کی ایجاد ہین، اور صوبہ بہار اور متحدہ کے ساتھ مخصوص ہین، یہ اگر خالص اسلامی ایجاد ہوتی تو اسکا سب سے زیادہ رواج پنجاب مین پایا جاتا کہ وہی صوبہ ہندوستان مین اسلامی آبادی کا پہلا مستقر ہے، اور ایران، افغانستان، و ایشیا، وسطی سے آنے کی عام گذرگاہ ہے، لیکن یہان چار دیواری کا پردہ نہ اسقدر عام ہے اور نہ اسقدر سخت، جتنا کہ ان دو صوبون مین ہے، بلکہ قصبات اور دیہات مین اور بھی زیادہ آزادی ہے، اور بعض بعض مقامات مین تو یہ رواج سرے سے غائب ہے، بمبئی و دکن پر بھی اسلامی تسلط عرصہ دراز تک رہا ہے، اور شعائر اسلامی یہان برابر جاری رہے، لیکن صوبہ متحدہ و بہار کا سا سخت پردہ یہان مطلق نہین، ان حالات و شواہد سے مین اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ چار دیواری کا پردہ اُسی کورانہ تقلید کا ایک مظہر ہے، جو محکوم اقوام مین حکمرانون کے طرز معاشرت سے متعلق عام ہوتی ہے، قدیم ملوک و سلاطین کی طرح جو اپنا سارا وقت قلعہ جات اور محلات کے اندر صرف کرتے تھے، جنپر ہر وقت مضبوط چوکی پہرہ رہتا تھا، اسوقت کی بیگمات اور شہزادیان بھی اسکی خوگر ہو گئی تھین کہ عالیشان محلون کے اندر ترکنون، حبشنون، اور دوسری اقوام کی گاردون کی حفاظت مین رہا کرین، اس طرز معاشرت کا اصل مدعا غالباً محض اظہار شان و شوکت تھا، لیکن رفتہ رفتہ امرا و ارکان دربار کی بیگمات نے بھی حرم سلطانی کی تقلید شروع کی، اور اس طرح بالآخر چار دیواری کے اندر محصور رہنا لازمۂ عزت و شرافت قرار پا گیا، اس قسم کا پردہ ہندوستان کے باہر کہین موجود نہین، یہانتک کہ ترکون اور مغلیہ سلاطین کی تاریخ مین بھی جنھون نے ہندوستان پر

صدیون تک حکومت کی، کہین اس دستور کا پتہ نہین چلتا۔

راقمۂ مضمون نے انہین دلائل کا اپنے مضمون مین اعادہ کر دیا ہے، جو ہندو حامیانِ پردہ اسکی ترویج کے اسباب کے ذیل مین بیان کرتے ہین، لیکن مین یہ عرض کرونگا کہ تقلید کو چھوڑ کر حقائق تاریخی پر نظر کرنا چاہیے، یہ طریقہ قرین انصاف نہین کہ ایک قوم کو جب اپنے کسی شعار مین نقائص محسوس ہونے لگین تو اسکی ترویج کا بار ہمسایہ قوم پر ڈالدیا جائے، اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی شکل مین پردہ کا وجود ہندوستان مین مسلمانون کی آمد سے قبل بھی تھا، اوڑھنی یا دوپٹہ کے انچل کو چہرہ پر اس طرح لٹکانا کہ گھونگھٹ "نکل آئے، اور چہرہ بالکل چھپ جائے، ہندوستان کی نہایت قدیم رسم ہے، جو ہر حصۂ ملک مین عام ہے، اور جسکے لئے ہر ہندوستانی زبان مین لفظ موجود ہے، گھونگھٹ کے لئے یہ ضروری ہے کہ عورت اسے سسرال کے ہر شخص کے سامنے نکال کر بیٹھے، اور صرف اتنا ہی نہین بلکہ سسرال کے قریب پہنچتے ہی اسکا نکال لینا عورت پر واجب ہو جاتا ہے، اگر اس دستور کا نام "پردہ" نہین تو اور کیا ہے؟ ہندوون کے ہان شوہر کا اپنی ساس، سسر، سالے، یا خود اپنے والدین اور بھائی کے سامنے اپنی بیوی سے بات کرنا ایک سخت معاشری جرم ہے، وہ اپنی بیوی کے کمرہ مین دبے پاؤن چور کی طرح داخل ہوتا ہے، کیا یہ دستور بھی اسلامی اثرات سے ماخوذ ہے! ہندو عورت کا بھائی کی موجودگی مین باپ کی جائداد پر مطلق حق نہین ہوتا، کیا یہ بھی اسلامی تعلیم کا نتیجہ ہے؟ ہندو بیوہ ازدواج ثانی نہین کر سکتی، بلکہ ستی ہو جانا باعثِ ثواب سمجھتی ہے، کیا یہ بھی مسلمانون کا اثر صحبت ہے؟ مسلمانون کے اثرِ صحبت کا اگر صحیح اندازہ کرنا ہے تو وہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ راقمۂ مضمون نے ہندوستان کی جتنی مشاہیر خواتین کا نام لیا ہے وہ بجز ایک یا دو کے سب اسلامی عہد کی پیداوار ہین۔

کمسنی مین شادی کر دینے کا رواج ہندوون ہی مین پایا جاتا ہے، اور ہندو مصلحین معاشرت اسکے انسداد کی سخت کوشش کر رہے ہین، اس سعی اصلاح کی بہترین صورت یہ تھی کہ تعلیمات وید کی جانب رجوع کیا جاتا، اور اپنے ہم مذہبون کو اپنے ہان کی صحیح تعلیم سے روشناس کیا جاتا، لیکن تعلیم یافتہ مسلمان مصلحین کی طرح ہندو مصلحین معاشرت بھی خود اپنے مذہب سے ناواقف ہین، اور اسلئے وہ یہ غلط اور بے بنیاد دعوی کرنے پر مجبور ہو گئے، کہ قدیم ہندوستان مین کمسنی کی شادیون کا رواج نہ تہا، لیکن جب سے مسلمانون کا قدم اس سرزمین پر آیا، اُنکے ظالم سلاطین نے زبردستی رعایا کی لڑکیون کو پکڑنا شروع کیا، اس سے مجبور ہو کر ہندوون کے ہان نہایت صغر سنی مین شادی کر دینے کا رواج پڑ گیا، لیکن یہ حضرات اس کہُلی ہوئی بات پر غور نہین کرتے کہ اگر مسلمان فرمانروا ایسے ہی بدچلن، ستم شعار، وبیگانۂ مذہب تھے تو اسمین کیا دشواری تھی کہ بچپن کی ان برائے نام بیویون کو بھی زبردستی انکے گھرون سے نکال لاتے؟ "بیگانۂ مذہب" اسلئے کہا گیا کہ شریعت اسلامی کی رُو سے مسلمان غیر قومون مین صرف یہودی و مسیحی عورتون سے شادی کر سکتا ہے (نہ کہ ہندوون سے) پھر ظالم مسلمانون کے خلاف جو اسقدر زبردست الزام لگایا جاتا ہے اسکا کوئی ثبوت تاریخ سے ملتا ہے؟ تاریخ مین تو ہم نے یہ پڑھا ہے کہ ایک عظیم الشان مسلمان فرمانروائے ہند شیر شاہ سوری کے ولیعہد نے جب رعایا مین سے ایک ہندو عورت کی توہین کی تو اسکے انتقام مین اسکے شوہر کے ہاتھون اس شہنشاہ نے اپنی بہو کی بعینہ اسی قسم کی توہین کرائی۔

مین ہندو قوم کا بہت بڑا مداح ہون اور اسکے تمدن اور حیرت انگیز نظامات فلسفہ کا پورا احترام کرتا ہون، مجھے اسکا بھی اعتراف ہے کہ ہندو عورت عصمت و وفا شعاری کا مجسمہ، اور محبت و شفقت کی دیوی ہوتی ہے، بر اینہمہ یہ تو نہین ہوسکتا کہ مفروضات کو تاریخی حقائق کا درجہ دیدیا جائے،

برٹین اینڈ انڈیا کی کسی آیندہ اشاعت مین اس موضوع پر لکھونگا کہ اسلام نے عورت کا کیا مرتبہ قرار دیا ہے، سردست صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہون کہ یہ دعوی کہ

"اس مردانہ مذہب (اسلام) نے عورت کی رُوح تک نہین تسلیم کی ہے"

نہ صرف بے بنیاد بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے،

(برٹین اینڈ انڈیا)

رُوحانیت اور نظام تعلیم

یورپ کو روحانیت سے جو بیگانگی ہے کسی سے پوشیدہ نہین، یہی سبب ہے کہ اُسکے نظام تعلیم مین روحانیت کی مطلق گنجائش نہین، اُسکے نصاب کتب، آئین درس، اصول تعلیم کسی شے کو روحانیت سے کوئی لگاؤ نہین، لیکن حال مین لندن کے ایجوکیشنل ٹائمز مین "روحانی بنیاد" کے عنوان سے ایک مضمون شایع ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا کا رخ کچھ بدل چلا ہے، ٹائمز کا تعلیمی ضمیمہ اپنے دائرہ مین نہایت باوقعت ومعزز پرچہ ہے، اسکے ایڈیٹوریل کالمون مین اس مضمون کا شایع ہونا ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، ذیل مین اسکی تلخیص ہدیۂ ناظرین ہے۔

ٹائمز کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ اگرچہ آج تک کسی کی بھی زبان سے یہ صاف صاف نہین نکلا ہے تاہم حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ نظام تعلیم کی اصل بنیاد روحانیت اور صرف روحانیت ہی ہو سکتی ہے، اور جب تک خود طالب علم کو اسکا احساس نہوگا، اسکی تعلیم، تضیع وقت کے مرادف رہیگی، ایک گروہ اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ سے کرتا ہے، کہ واجب الوجود یا خدا کی تلاش وجستجو روح بشری کے سرشت مین داخل ہے، اور تعلیم کا مقصد اس جذبۂ روحانی کی

تسکین رسانی ہے، تعلیم کی یہ تعریف ان لوگون کے لئے حجت نہین ہوسکتی، جو روح، خدا، و واجب الوجود ہی کے سرے سے منکر ہین، اور اتنا تو بہرحال یقینی ہے کہ یہ تعریف کم عمر لڑکون کی فہم سے بالاتر ہے، لیکن روح و خدا کے نام سے جتنا بھی انکار کیا جاے، روحانیت کو اساس تعلیم قرار دینے سے کسی طرح مفر نہین، اسلئے کہ منکرین جو یہ کہتے ہین کہ تعلیم کا مقصد اصلی تلاش حقیقت ہے سو یہ "حقیقت" کیا ہے، بجز اسکے کہ واجب الوجود ہی کا ایک مرادف ہے، اور پھر یہ تعریف جامع و مانع بھی نہین، اسلئے کہ واقعتہً روح کی تشنگی محض صداقت رسی تک محدود نہین، اسکا مطمح تو ایک ایسی شے ہے جسکا پورا اظہار آج تک فلسفہ یا مذہب کسی کی زبان مین بھی نہین ہوسکا ہے۔

تعلیم کو ہمیشہ زبان حال سے یہ کہتے رہنا چاہیئے کہ "میری بادشاہت اس دنیا کے لئے نہین" اور اگر وہ یہ نہین کہتی تو تعلیم، تعلیم نہین، بلکہ طالبعلم کو چند شعبدہ بازیون کی تدریس رہجاتی ہے، جنکے سیکھنے کی اسکے پاس کوئی وجہ موجہ نہین، فرض کرو ہم طالبعلم کو تعلیم کا مقصود یہ بتائین کہ یہ ذریعۂ حصول معاش ہے، تو طلبہ کی ایک جماعت پر تو اسکا مطلق اثر نہوگا، انکی فہم سے یہ فلسفہ بالاتر ہے کہ ذریعۂ حصول معاش تک دسترس ہوجانا بھی کوئی ایسی چیز ہے، جسے مقصد حیات سمجھا جاے، رہی طلبہ کی وہ جماعت جسپر یہ جادو چل سکتا ہے، اور جو تعلیم کی اسی تعریف پر قناعت کرسکتی ہے، وہ اپنی لپست خیالی و تنگ نظری کے خیال سے کسی شمار و قطار مین نہین، درصل ہر نفس مین روح کی گرسنگی ودلیعت کیگئی ہے، اور اس جذبہ کی سیری بجز کسی عقیدہ روحانیت کے ممکن ہی نہین، ضرورت اسکی ہے کہ اس احتیاج فطری کو کسی منضبط طریقہ پر ظاہر کیا جاے اور اسکی بنیاد پر آیندہ نظام تعلیم مرتب ہو،

ابتک اسی شدید ضرورت پر متوجہ نہونے کا یہ نتیجہ ہے، کہ ہماری نوعمری ہی کے زمانہ سے زندگی ہم پر بار ہونے لگتی ہے، اور پھر ہماری ساری عمر اسی مین گذرتی ہے کہ اس ناگوار کیفیت کو

خود اپنے نفس سے مخفی رکھین، اس خدع نفس وسعی اخفا کی تعلیم ہمین بچپن ہی سے ملنے لگتی ہے،
تاآنکہ بالغ ہوکر ہمارے سارے مشاغل اسی محور پر گردش کرتے ہین، پہلے ہم حوائج اصلی سے
کہین زاید روپیہ کماتے ہین، اور اس اکتساب زر کے لئے بیسیوں مشاغل مین ہمین پڑنا پڑتا ہی،
پھر اس دولت کو ان مشاغل مین اڑاتے ہین، جنکے متعلق ہم اپنے نفس کو یہ دہوکا دیتے رہتے ہین،
کہ ان سے لذت ولطف، انبساط وتفریح حاصل ہوتی ہے، وقت کا ایک حصہ لہو ولعب مین
اس انہماک اور خضوع وخشوع کے ساتھ صرف کرتے ہین کہ گویا ارکان مذہب ادا کر رہے ہین
فنون وصنائع جنپر ہم جان دیتے ہین وہ ایسے ہین جنمین واقعتہً حسن وجمال کی مطلق آمیزش نہین
ہوتی، دنیا مین دوڑتے اس تیزی کے ساتھ ہین کہ کسی شے پر نگاہ نہین ٹہرنے پاتی، سوسائٹی
جسکے بغیر ہم زندگی نہین گذار سکتے، اُسے رفاقت وحقوق صحبت سے کوئی واسطہ نہین، بلکہ وہ
بالکل اس طرح جیسے چوپایون کو گلہ مین رہنے سے لطف آتا ہے، غرض دنیا اسوقت ایسے ذہین
وپر قوت افراد سے معمور ہے جو ہر وقت عمل کرتے رہتے، اور مجمع مین اپنے تیئن گھیرے رکھتے ہین،
وسلئے نہین کہ انہین اپنے ابناے جنس سے کچھ محبت ہے، بلکہ اسلئے کہ مبادا تنہائی مین اور سکوت
وسکون کے وقت خود اُنکی رُوح اُن سے کلام کرنے لگے، اور اُنکے نفوس پر کشف حقیقت ہونے لگی،
یہ تمام ثمرہ ہے اس نظام تعلیم کا جسکی بنیاد روحانیت پر نہین، جو جذبۂ روحانی کا منکر ہے اور جو
دل کو سیر وتفریح، کاروبار، اور نمائشی فرض شناسی کے خیالات سے بہلائے رکھنا چاہتا ہے۔

اس فرض شناسی کو نمائشی اسلئے کہا گیا کہ حقیقی فرض شناسی بھی بغیر روحانیت کے کسی اور
بنیاد پر نہین قائم ہوسکتی، اور روحانیت اپنے اندر فرض شناسی سے زاید کچھ معنی رکھتی ہے،
روحانیت کے وسیع مفہوم مین یہ داخل ہے کہ روح ایک جذبۂ اشتہا رکھتی ہے، نیز کسی ایسی
ہستی کا وجود ہے جو اس جذبہ کو تسکین دیسکتی ہے، اس ہستی کا کوئی موزون ومناسب نام ابتک

نہین دستیاب ہو سکا ہے، اور اسی عدم تعیین اسم کے باعث لوگ اتبک یہ سمجھ رہے ہین کہ اُسکا وجود ہمارے کاروباری اور تفریحی مشاغل کے لئے سد راہ ہوگا، لوگ اس موقع پر "خدا" اور "مذہب" کا نام لین گے، لیکن یہ اسماء ہماری ضرورت کے لئے کافی نہین، پھر ان الفاظ کے ساتھ بعض دوسرے تصورات ایسے وابستہ ہوگئے ہین، جنکی بنا پر ان سے کام لینا اور بھی دشوار ہوگیا ہے، اصل یہ ہے کہ رُوح کی اشتہار کو موجودہ اسماء و مصطلحات مین سے کوئی ایک شے بھی تسکین نہین دیسکتی، اس نامعلوم و ناگزیر ہستی کے لئے کوئی جدید نام وضع کرنا چاہیئے، اس ہستی کا وجود تسلیم کئے بغیر چارہ نہین، لیکن "وہ ہستی کیا ہے"؟ اصل سوال یہ ہے، نظام تعلیم مین راس المسائل اسی مسئلہ کو رکھنا چاہیئے، اور تعلیم کا مقصود اسی مسئلہ کا حل قرار دینا چاہیئے تعلیم کا مفہوم اتبک جو یہ شایع ہو رہا ہے کہ جو کچھ معلومات ہون، اُنہین دوسرون تک پہنچایا جائے، اسے بدل کر اب اسکا مفہوم یہ قرار دینا چاہیئے، اسی مجہول اور غیبی آخری ہستی کا انکشاف کیا جائے،

آیندہ سے طلبہ کے پیش نظر اصل مسئلہ صرف یہ رہنا چاہیئے کہ وہ پس پردہ ہستی کیا ہے؟ یہی سوال اُن مین شوق تجسس و تحقیق پیدا کریگا، اور اسی ذہن مین انہین اپنی ساری توجہ صرف کرنا چاہیئے، اگر اس سوال کو مادی مشاغل کے بار سے دبانے کی کوشش کیجائیگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم روز بروز صداقت سے دُور ہوتے جائینگے اور نظام اجتماعی کا شیرازہ برابر منتشر ہوتا جائیگا۔

اخبار علمیۃ

واشنگٹن (امریکہ) کے ڈاکٹر آرتھر میکڈانلڈ نے اپنی راے یہ ظاہر کی ہے کہ داڑھی منڈاتے رہنے سے چہرہ کے عصبی و دیگر امراض پیدا ہوتے ہین، اور بالآخر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو طویل العمری نصیب نہین ہوتی، نیویارک کے طبی رسالہ مڈیکل ریکارڈ مین ڈاکٹر موصوف اپنی یہ راے لکھکر دوسرے ڈاکٹرون کو بھی اس جانب متوجہ کرتے ہین،

تقطیع کے لحاظ سے یورپ مین سب سے چھوٹی کتاب، مشہور اطالوی شاعر "دانتے" کی "ڈیوائن کامیڈی" کا ایک نسخہ فرینچ زبان مین ہے جو ۱۸۸۲ء مین پیرس کی نمائش مین پیش ہوا تھا اسکی ضخامت ۵۰۰ صفحہ سے اوپر ہے، مگر اسکا سائز نصف انچ مربع سے بھی کم ہے! اس سے اُترکر ایک انگریزی کتاب "بیجو المانک" مطبوعہ ۱۸۳۹ء ہے، جسکی تقطیع کا طول ۳/۴ انچ اور عرض ۵/۸ انچ ہے! جان ڈیور کی ایک کتاب "ایگنس ڈی" (۱۶۰۶ء) طول مین ۱/۲ ۱ انچ اور عرض مین ۱/۲ انچ ہے!

انگلستان کا ایک علمی رسالہ لکھتا ہے کہ دنیا کے موجودہ کتب افسانہ مین قدیم ترین کتاب "دو بھائیون کا افسانہ" (Tale of two brothers) ہے، جو آج سے کچھ اوپر تین ہزار برس ہوئے تصنیف ہوئی تھی، مصر مین ایک بادشاہ مرنفطہ ہوا ہے، جسکا ذکر توریت کے باب خروج مین آیا ہے، یہ افسانہ اسی کے دربار کے ایک عالم نے اسکے ولیعہد کیلئے

تصنیف کیا تھا، جو آگے چل کر ستی ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوا اور جسکے قلمی دستخط اس کتاب مین دو جگہ موجود ہین، یہ کتاب قدیم طرز کے چرمی کاغذ کے بڑے بڑے انیس ورقون پر ہیروغلانی رسم الخط کے جلی حروف مین لکھی ہوئی ۱۸۵۷ء سے برٹش میوزیم مین موجود ہے،

علم حشرات الارض کے ماہرین کی ایک کانفرنس کچھ روز ہوئے لندن مین منعقد ہوئی تھی اُسکے سامنے امریکہ کے ڈاکٹر ہیلو نے بیان کیا کہ جن چیزون کو کیڑون مکوڑون سے نقصان پہنچتا ہے، ان مین سب سے بڑھا ہوا نمبر روئی کا ہے، دنیا مین جسقدر روئی کیڑون کے ذریعہ سے برباد ہوتی ہے اتنی اور کوئی چیز نہین ہوتی، ۱۹۱۸ء مین امریکہ کی نوریاستون مین تیار شدہ روئی کے گٹھون اور اسکے تخم کو صرف ایک قسم کے کیڑے سے جو مالی نقصان پہنچا، اسکی مجموعی میزان ۴ کرور پونڈ سے کچھ اُوپر تھی، اور اسکو نقصان پہنچانے والا صرف یہی ایک کیڑا نہین بلکہ بکثرت ہین،

ایک سائنٹفک رسالہ لکھتا ہے کہ قدیم سلاطین کے ہان جو پانی پینے کے کٹورے اور گلاس اگینڈے کی سینگ کے بنائے جاتے تھے تو یہ دستور انکے اس عقیدہ پر مبنی تھا کہ اگر پانی یا شربت مین زہر ملا ہوگا تو اسکے اثر سے فوراً اسمین بلبلے اُٹھنے لگین گے، اور اس طرح زہر کا حال کھل جائیگا۔

پروفیسر ڈی، گجر، جنھون نے ماہ گذشتہ مین وفات پائی، مغربی ہند کے بہترین ماہر کیمیائیات تھے، انکی سائنٹفک اور کیمیادی عظمت یورپ کے علمی حلقون مین مسلم تھی، اور اُنکے بعض کارنامے انکے معاصرین کے لئے باعثِ رشک تھے۔

گذشتہ دس سال کے اندر ملک مین جتنی ایجادین پیٹنٹ کرائی گیئین، اُن مین بڑی تعداد اُن اشیاء کی ہے، جنکے موجد یورپ و امریکہ کے باشندے ہین، اُن سے گھٹ کر اُن غیر ملکیون کی تعداد ہے جو ہندوستان مین متوطن ہین، اور سب سے آخر مین خود ہندوستانیون کا نمبر آتا ہے، ہر سہ طبقہ کا تناسب اعداد ذیل سے ظاہر ہوگا۔

سال	باشندگان بیرون ہند	باشندگان ممالک غیر متوطن ہند	باشندگان ہند	میزان
سنہ ۱۰ء	۴۶۸	۱۳۷	۶۲	۶۶۷
سنہ ۱۱ء	۶۰۱	۱۴۲	۶۴	۸۰۷
سنہ ۱۲ء	۵۰۸	۱۲۰	۵۰	۶۷۸
سنہ ۱۳ء	۵۰۸	۱۳۲	۶۵	۷۰۵
سنہ ۱۴ء	۴۱۵	۱۱۷	۵۶	۵۸۸
سنہ ۱۵ء	۲۷۰	۱۰۵	۷۰	۴۴۵
سنہ ۱۶ء	۲۷۶	۱۰۵	۶۱	۴۴۲
سنہ ۱۷ء	۳۵۹	۱۲۹	۱۱۴	۶۰۲
سنہ ۱۸ء	۴۱۲	۱۵۵	۷۷	۶۴۴
سنہ ۱۹ء	۷۲۶	۲۰۰	۱۱۳	۱۰۳۹

یورپ کے مشہور و معروف شاعر دانتے باشندۂ اٹلی کی وفات ستمبر سنہ ۱۳۲۱ء مین ہوئی تھی لندن یونیورسٹی نے یہ طے کیا ہے کہ اسکی چھٹی صد سالہ برسی لندن مین مئی سنہ ۱۹۲۱ء مین دھوم دھام سے منائی جائے اور اُسکے لئے حسب ذیل نظام عمل قرار پایا ہے:-

(۱) یونیورسٹی کالج اور اسکے تمام ڈیلی مدارس مین جنمین اطالوی زبان کی تعلیم ہوتی ہے، دانتے کے متعلق عام لکچر دیئے جائینگے،

(۲) مختلف علمی وادبی مجالس کے زیر اہتمام بھی دانتے اور اسکے کلام سے متعلق لکچرون کا سلسلہ قائم ہوگا۔

(۳) دانتے سے متعلق کتابون، تصویرون، کتبون، مسودون، وغیرہ کی ایک نمائشگاہ لندن یونیورسٹی کالج مین قائم ہوگی، جہان اسکے متعلق ہر قسم کا نادر و کمیاب ذخیرہ فراہم کیا جائیگا۔

(۴) "یادگار دانتے" کے نام سے ایک مستقل کتاب شایع کی جائیگی،

ان اغراض کی تکمیل کے لئے ایک مختصر کمیٹی مقرر کردیگئی ہے جسمین اساتذہ زبان اطالوی شامل ہین، اور جسکے صدر، سفیر اٹلی متعینہ لندن ہین،

برلن کے ڈاکٹر والڈشمٹ نے اپنا نظریہ یہ پیش کیا ہے کہ مے نوشی ایک قسم کا دماغی مرض ہے جسے انسان اکتساب سے نہین بلکہ پیدائش سے ساتھ لاتا ہے، دماغ اگر اپنی صحیح وطبعی حالت مین ہے تو اُسے قدرۃً مے نوشی سے احتراز رہیگا، اسکی جانب رغبت اُنہین افراد کو ہوتی ہے، جو موروثی ضعف دماغ لیکر دنیا مین آتے ہین، ڈاکٹر موصوف کے نزدیک مے نوشی ایک بداخلاقی نہین بلکہ ایک دماغی مرض کا نام ہے،

برٹش میوزیم (لندن) کے شعبۂ مشرقی مین وادی نیل کی بنی ہوئی مٹی کی ایک خاکی تختی موجود ہے، جو طول مین آٹھ انچ اور عرض مین چار انچ ہے، اسپر اٹھانوے سطرین نہایت خوشخط لکھی ہوئی ہین، تقریباً ۱۵۳۰ قبل مسیح مین ایک فرعون مصر نے بابل کی ایک شہزادی کو

نکاح کا پیغام دیا تہا، یہ تختی اسی خط کی نقل ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ دنیا مین اس سے قدیم تر کوئی نسبت (منگنی) کا پیام محفوظ نہین،

پچھلے دنون پیرس مین یورپ کی مجالس مشرقیہ کا جو متحدہ جلسہ ہوا تہا، اور جسکا ذکر کسی پچھلے معارف کے اخبار علمیہ کے ذیل مین آچکا ہے، اسکے سامنے مشہور مستشرق سر جارج گریرسن نے السنۂ ہند سے متعلق اپنی رپورٹ سنائی، اس رپورٹ مین بجز دکن و برہما کے اور کل السنۂ ہند کا ذکر ہے، یعنی اس خطۂ ارض کی زبانین جسکے حدود اربعہ یہ ہین، شمال مین کوہستان پامیر، جنوب مین شہر گودا، مشرق مین آسام کی سرحد مشرقی، اور مغرب مین ایران کی سرحد مشرقی، اس علاقہ کے اندر، سر جارج گریرسن کے استقصار مین، ۱۷۹ مستقل زبانین اور ۵۴۴ انکی شاخین (بولیان) مستعمل ہین، جنکی تقسیم انھون نے طبقات ذیل مین کی ہے:-

طبقہ	زبان	شاخ زبان یا بولی
مون کہمیر	۱	۳۰
سنڈا	۶	۱۱
سیامی چینی	۳	۴
تبتی برہمی	۱۱۴	۸۲
ڈراویڈی	۱۶	۲۳
ایرانی	۸	۳۵
ڈارڈی	۱۴	۲۲
انڈو آریائی	۱۷	۴۵ ۳
متفرق	۲	۱۹
	۱۷۹	۵۴۴

سر جارج گریرسن کے زیر اہتمام اسوقت تک "مساحت السنہ ہند" کے نو ضخیم مجلدات شائع ہوچکے ہین، دسوین جلد جسمین ایرانی زبانون کا بیان ہے، زیر طبع ہے، اور عنقریب شائع ہوجائیگی، گیارہوین جلد بھی مرتب ہوچکی ہے، اور پریس مین جانے کے لئے تیار ہے، اسمین ان زبانون کا تذکرہ ہے، جو خانہ بدوش و جرائم پیشہ قبائل بولتے ہین،

اہرام مصری کی طرح میکسکو (امریکہ وسطی) مین بھی چند بلند منارے ہین، جنکے نیچے غار ہین، حال مین انہین غارون کے ایک کتبہ مین چند الفاظ ایسے منقوش ملے ہین، جو قدیم چینی رسم الخط مین ہین، انگلستان کا مشہور ہفتہ وار السٹریٹڈ لندن نیوز ان نقوش کی تصاویر دیکر لکھتا ہے کہ اس لسانی انکشاف سے علماء علم الانسان کے اس خیال کی توثیق ہوتی ہے کہ باشندگان امریکہ، دراصل ایشیائی نسل کے ہین، کالیفورنیا یونیورسٹی کے پروفیسر جان فرایر کا دعوی ہے کہ کولمبس کے زمانہ سے تقریباً ایک ہزار سال قبل چین کے بعض بودہی مشنری پانچوین صدی عیسوی مین امریکہ کو دریافت کرچکے تھے، اور امریکہ کا ابتدائی تمدن چینی تمدن تھا،

وائنا (آسٹریا) یونیورسٹی کے طبی پروفیسر ڈاکٹر اسٹیناک نے دعوی کیا ہے کہ وہ ایک خاص اپریشن کے ذریعہ سے جو ایک غدود پر کیا جاتا ہے، بوڑہون کو جوان بنا سکتے ہین، انکا بیان ہے کہ انھون نے متعدد مسن وضعیف العمر اشخاص پر یہ عمل جراحی کیا، اور ان سب کی نہ صرف ظاہری شکل وصورت نوجوانون کی سی ہوگئی، بلکہ دماغی وجسمانی قوی کے لحاظ سے بھی وہ از سر نو جوان بنگئے، اسٹریا کے طبی حلقون مین ان تجربات سے متعلق سرگرم مباحثہ ہو رہا ہے۔

فرانس مین اسوقت یونیورسٹیون کی مجموعی تعداد سترہ ہے، ان مین سے بجز دو کے ہر یونیورسٹی علوم، فنون، قانون، طب، و دواسازی کے پانچ بڑے شعبون مین تقسیم ہے، ۱۴ء مین نو (۹) یونیورسٹیان ایسی ہین جنمین ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار سے زاید طلبہ تھے، تین ایسی ہین جنمین دو دو ہزار سے زاید طلبہ تھے، لیانس یونیورسٹی مین تین ہزار تھے، اور خود پیرس یونیورسٹی مین ۱۷۰۰۰ تھے، لیانس یونیورسٹی سے ملحق ایک مشرقی دارالعلوم بھی ہے جسمین سنسکرت، عربی، ترکی، چینی زبانون اور مصر کے آثار و علوم کی تعلیم ہوتی ہے۔

امریکہ مین جو عورتون کے لئے ایک جداگانہ یونیورسٹی کی تحریک ہوئی تھی، اسکی پرزور مخالفت خود طبقۂ نسوان کی طرف سے ہورہی ہے، یہ لوگ کہتی ہین کہ عورتون کی تعلیم مردون سے علٰحدہ ہونے کی کوئی وجہ نہین، دونون کا نصاب درس و طریقۂ تعلیم بالکل ایک ہونا چاہیئے۔

مسٹر کینیڈی جونس نے انگلستان کے نامور رسالہ فارٹ نایٹلی ریویو کی ایک قریبی اشاعت مین صحافت کے تاجرانہ پہلو پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، جسمین وہ کہتے ہین کہ انگلستان کے بڑے اخبارات درصل بڑی بڑی تاجرانہ اور کاروباری کمپنیان ہین، چنانچہ ایوننگ نیوز ۱۸۹۴ء مین ۲۵ ہزار پونڈ کے سرمایہ سے خرید اگیا تہا، ڈیلی میل ۱۸۹۶ء مین ۱۳ ہزار پونڈ کے سرمایہ سے قائم ہوا، ویکلی ڈسپیچ (ہفتہ وار) ۲۵ ہزار پونڈ کی قیمت سے جدید مالک کے قبضہ مین آیا تہا، اور چند سال کے بعد جب یہ تینون اخبارات الیوشی ایٹڈ نیوز پیپر کمپنی کی ملک مین آئے تو ان کا سرمایہ ۱۶ لاکھ پونڈ قرار پایا! اس کمپنی کے حصون کی قیمت روزانہ ٹائمز کے تجارتی کالمون مین شایع ہوتی رہتی ہے، خود اخبار ٹائمز جس کمپنی کی ملک ہو وہ ۱۹۰۸ء مین

۷½ لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے قائم ہوئی ہے،

ڈاکٹر جے، سی کمنگ نے مدت کی تحقیقات کے بعد یہ دعوی پیش کیا ہے، کہ امراض متعدی خصوصاً متعلق بہ حلق وشُش کے پھیلنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ میز کے کانٹے، چھری، اور چمچے ہوتے ہین، مریض جس چھری کانٹے سے کھانا کھاتا ہے، اگر انہین اسی پانی مین دھویا جاے جس سے تندرست اشخاص کے کھانے کے چھری کانٹے صاف کئے جائین تو جراثیم امراض لازمی طور پر ان مین منتقل ہوآتے ہین،

ماہ گذشتہ انگریزی وامریکی اساتذہ ادب انگریزی کی ایک مشترک کانفرنس ترقی و تحفظ زبان انگریزی کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے لندن مین منعقد ہوئی، اسی کے ساتھ نوادر کتب انگریزی کی ایک مختصر سی نمائش کا بھی انعقاد ہوا، اس نمائش مین جو برٹش میوزیم کے ایک حصہ مین قرار پائی تھی، تقریباً تین سو کتابون کا ذخیرہ تھا، جنمین سے بعض کتابین ساڑھے چارسو برس کی تہین اور باقی اسکے بعد کی، یعنی سولھوین، سترھوین اور اٹھارھوین صدی کی تہین،

ایک انگریزی طبی رسالہ لکھتا ہے کہ نشست کا قدرتی طریقہ زمین پر بیٹھنے کا ہی، یورپ نے دوتین صدیون سے بجائے فرش یا تخت کے کرسیون پر پیر لٹکا کر بیٹھنے کے طریقہ کو جو رواج دیا ہے وہ سرتاسر غیر قدرتی ہے، اور صحت کیلئے اسکے مضر اثرات روز بروز ظاہر ہوتے جاتے ہین، چنانچہ ایک فرنچ ڈاکٹر اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہے کہ قبض جس آسانی سے کرسی نشینون کو ہوتا ہے، تخت و فرش نشینون کو نہین ہوتا، قبض کے علاوہ اسفل حصہ جسم کی بعض اور بیماریان

بھی کرسی پر بیٹھے رہنے سے پیدا ہو جاتی ہین،

اندہون کی تعلیم کان کے ذریعہ سے ہونے کا جو آلہ اپٹوفون (optophon) ڈاکٹر ای، فورنیر ڈی ایلیبے نے ایجاد کیا تہا، اسہین گلاسکو کے ڈاکٹر بارواسٹرڈ نے اصلاحات کر کے اب اسے اس حالت تک پہنچا دیا ہے کہ اس سے بخوبی کام لیا جانے لگا ہے، اسکے ذریعہ سے حروف کو اصوات موسیقی مین تبدیل کر دیا جاتا ہے، اور انہین ٹیلیفون کے واسطہ سے نابینا طالبعلم کے کان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

ادبیات

عزیز لکھنوی

ہوگا ہر حال مین جو عشق کی تقدیر مین ہی
کارکن حسن ازل پردۂ تدبیر مین ہے

خواب ہستی کا نتیجہ نظر آتا ہے مگر
دل کی غفلت کہ ابھی حسرت تعبیر مین ہے

دونون عالم کو جو تقسیم ہوا روز ازل
وہ اثر صرف مرے نالۂ شبگیر مین ہے

بزم ہستی مین ضروری ہی کوئی روح روان
ایک جنبش سی جو اس پردۂ تصویر مین ہے

سنگ بنیاد وہ دل ہی حرکت جسکی حیات
ابتدا ہی سے خرابی مری تعمیر مین ہے

سخت ہی مجرم ہستی کی سزا اے مالک
میری رگ رگ مجھے جکڑے ہوئے زنجیر مین ہے

حرف آلودہ بخون گوش برآواز جہان
پوچھتے کیا ہو اثر جو مری تقریر مین ہے

بزم ہستی کا مٹانا ہی مگر ہے منظور
مصلحت کوئی ضرور آپکی تاخیر مین ہے

یہ مرے غم کی حقیقت ہی کہ روز خلقت
جو کسی نے نہ لیا وہ مری تقدیر مین ہے

وقت ضائع نکر و ہرزہ سرائی مین عزیز
سوز پیدا وہ کر و جو سخن میر مین ہے

(۲)

کرنا ہی اپنے حال مین یہ شب بسر مجھے
اب آکے دیکھیگا قریب سحر مجھے

یہ کہکے مین نے زہر کا اک جام پی لیا
لینے نہ دینگے چین کبھی چارہ گر مجھے

جلوؤن کو اُنکے شوق کہ پیدا کرون حجاب
دیکھون تو کیا دکھائے یہ ذوق نظر مجھے

اندازہ میرے حال کا ہوگا یہی نہین　　تمکو بھی اپنی قدر ہو دیکھو اگر مجھے

شاہد ترے وجود پہ ہے میری بیخودی　　مین ہون اگر تو کیون نہین اپنی خبر مجھے

کوئی قصور اسکی نگہ کا نہین عزیز

مجبور کر رہی ہے خود اپنی نظر مجھے

ہادی مچھلی شہری

سخت آفت مین وہان بھی دل حیران ہوگا　　حشر اک جلوہ گہ عشوہ فروشان ہوگا

راز حسرت مری امید مین پنہان ہوگا　　شوق برگشتگی بخت کا سامان ہوگا

میرے دم تک ہی تری بزم ستم کی رونق　　کون دلدادۂ غمہائے فراوان ہوگا

شکل ہی اسکی بدل دیگا مرا جوش جنون　　مجھسے الجھیگا تو دامان بھی نہ دامان ہوگا

تمکو بھی ہوگی نہ ہرگز مری حالت کی خبر　　سوز دل دود چراغ تہ دامان ہوگا

فتنۂ حشر جسے سب نے سمجھ رکھا ہے　　تیرے دیوانون کا اک خواب پریشان ہوگا

زندگی اسکی ہے موقوف اسی پر ہادی

درد خود ہی دل محزون کا نگہبان ہوگا

مطبوعات جدیدہ

الاستدلال، فن منطق پر اگرچہ ہماری زبان مین متعدد کتابین لکھی گئی ہین تاہم مولوی محمد سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد نے جو کتاب تالیف فرمائی ہے، وہ اپنے مواد، جامعیت اور زبان کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے، اسمین اُنھون نے قدیم اور جدید دونون منطق کے مسائل بیان کئے ہین، جس سے غیر انگریزی دان طبقہ کو یورپ کی منطق سیکھنے مین آسانی ہوگئی ہے، پروفیسر صاحب نے اصطلاحات کے وضع کرنے مین بھی خاص احتیاط کی ہے، اور حتی الامکان قدیم اصطلاحات کو برقرار رکھا ہے، کتاب کی قیمت ؎۳ ہے، اور پروفیسر صاحب سے بازار عیسٰی میان حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

العقائد، مولانا آزاد سبحانی شیخ جامعۂ الٰہیہ نے فن عقاید پر یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے اردو زبان مین اس موضوع پر اگرچہ اور بھی کتابین لکھی گئی ہین، تاہم اُن مین کوئی بھی درسی کتاب بننے کی صلاحیت نہین رکھتی تھی، مولانائے موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ سے اسی کمی کو پورا کیا ہے، اور بچون اور عام مسلمانون کے فائدہ کے لئے سلیس اور عام فہم زبان مین اسلام کے عقاید تحریر کئے ہین، کتاب تین حصون پر منقسم ہے، یہ اسکا پہلا حصہ ہے اور اسکی قیمت ۱۲ر ہے،
ملنے کا پتہ: حلیم دار التصنیف کانپور یا دائرۂ ادبیہ لکھنؤ،

ٹرکی اور یورپ، سلطنت عثمانیہ کے خلاف آجکل یورپ مین جو جد وجہد ہورہی ہے اور مسئلۂ ٹرکی کا جس طرح خاتمہ کیا جارہا ہے، مولوی عبد الرزاق خان ندوی نے اسکے متعلق ایک سلسلۂ مضامین نکالنا شروع کیا ہے، یہ رسالہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اسمین اُنھون نے

سنہ ۱۸۵۷ء سے سنہ ۱۸۹۶ء تک کے واقعات لکھے ہین، اور اس زمانہ کے بعد کے واقعات کو دوسرے رسالون کے لئے اٹھا رکھا ہے، جو عنقریب پریس سے نکلنے والے ہین، مولویصاحب موصوف کو اس رسالہ کی اشاعت مین بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہی، اسلئے اُسکے کفارہ کی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ پبلک کی طرف سے عملی طور پر اسکی قدردانی کا اظہار کیا جائے، رسالہ کی قیمت ۶ رہے اور الرشاد بک ایجنسی نمبر ۱۹۱ گنگا پرشاد روڈ لکھنؤ سے مل سکتا ہے،

حیات گاندہی، خواجہ سید عزیز حسن صاحب نقشبندی نے موجودہ رہنمایان ہند کی سوانح عمریون کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، زیر ریویو کتاب بھی اسی سلسلہ کی ہے، اس مین انھون نے مسٹر گاندہی کے عام حالات، اخلاق و عادات اور ان تمام کارنامون کا تذکرہ کیا ہی جو انھون نے وطن اور ابنا ے وطن کی فلاح و بہبود کے لئے انجام دیئے ہین، ابتدا مین مسٹر گاندہی کی تصویر بھی ہے، قیمت ۸ ر ہے -

فسانۂ سعید، جناب راشد الخیری صاحب دہلوی افسانہ نویسی مین عام شہرت رکھتے ہین، یہ کتاب انہین کے قلم سے نکلی ہے، جسمین ایک سوتیلے باپ کے مظالم، اور مظلوم بچون کی دردناک حالت کا موثر الفاظ مین نقشہ کھینچا گیا ہے، قیمت ۱۲ ر ہے، دونون کتابون کے ملنے کا پتہ: حسن اینڈ کو، کوچہ چیلان دہلی -

التحقیق، مولوی احسان اللہ صاحب عباسی وکیل گورکھپور اپنی تصانیف اور قانون دانی مین مشہور ہین، یہ اخبار انکے صاحبزادہ مسٹر وحید عباسی نے جاری کیا ہے، اسکے ایڈیٹر مسٹر محمد فاروق ایم، ایس سی اور سید کامل حسین ایم، اے ہین، جنمین اول الذکر ہمدرد کے سب ایڈیٹر رہ چکے ہین اور موخر الذکر نے مسلم گزٹ کے اسٹاف مین آنریری طور پر کام کیا ہے، اخبار عمدہ ہے اور واقعات حاضرہ پر آزادی کے ساتھ اپنی راے کا اظہار کرتا ہے، قیمت سالانہ للعہ ر -

مجلد ششم ماہ صفر ۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰ء عدد چہارم

مضامین

جدید مطبوعات

رُوح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا

ترجمہ، از مولانا محمد یونس فرنگی محلی، قیمت دو روپیہ،

"مینجر"

شذرات

خاکسار (ایڈیٹر معارف) آٹھ مہینہ کے سفر یورپ کے بعد ۴۔اکتوبر کو ہندوستان واپس آیا، گو اسکا افسوس ہے کہ اس طویل عرصہ مین اپنے ناظرین کی خدمت سے معذور رہا، لیکن بحیثیت مسلمان اور ہندی ہونے کے اگر مجھسے انکی کوئی خدمت بن آئی تو اس اثنا مین مجھے یقین ہے کہ وہ اسکو میرے گناہ کا پورا کفارہ سمجھینگے، اس موقع پر مین اپنے دوست مولوی عبدالماجد صاحب بی، اے کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہون جنھون نے اپنی کثیر مصروفیتون کے باوجود میری غیر حاضری کے ایام مین معارف کی ترتیب و تدوین کے فرائض کو بحسن اسلوب انجام دیا،

جولائی کے معارف مین جو مضمون "قصہ بکاولی و مسائل تصوف" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اسکے سلسلہ مین یہ خبر دلچسپی سے سُنی جائیگی کہ فرنچ زبان مین ایک ایسی کتاب موجود ہے جسکے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون مذکور سے اسکا موضوع متحد ہوگا، گارسن ڈی ٹاسی ایک مشہور فرنچ فاضل گذرا ہے، انگریزی عملداری کی ابتدا مین وہ ہندوستان مین مدت تک مقیم رہا تھا اُردو ادب سے اُسے خاص ذوق تھا، اور اُردو تصانیف کی سرپرستی اور

اردو مصنفین کی قدر شناسی مین ممتاز تھا، یہ کتاب اسی کے بعض لکچرون کا مجموعہ ہے، اور پورا نام فرنچ مین حسب ذیل ہے،

la doctrine de l'amoure on Tajul-Molook et Bekawali roman de Philosophia Religiense tradent de L's Hindastani

یعنی "تاج الملوک و بکاولی کے افسانۂ عشق کے فلسفیانہ و مذہبی نتائج و نکات" کتاب اگر ہندوستان آگئی تو ناظرین معارف کو اس سے ذرا تفصیل کے ساتھ روشناس کرایا جائیگا،

ماہ گذشتہ کا ایک اہم علمی حادثہ جرمنی کے نامور پروفیسر ونٹ کی وفات ہے، پروفیسر موصوف فن نفسیات (سائیکالوجی) مین اسوقت استاذ الاساتذہ کا مرتبہ رکھتے تھے، اُنکے زمانہ سے پیشتر نفسیات کو عام فلسفہ کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا، ونٹ ہی نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ نفسیات بذات خود ایک مستقل فن ہے، جسکے نتائج کی بنیاد قیاس و استدلال پر نہین بلکہ تجربات و اختبارات پر ہے، چنانچہ سب سے اول اُنہین نے نفسیات کے لئے ایک معمل (تجربہ گاہ) قائم کیا جسمین مادی علوم کے معملون کی طرح سارا کام تجربات کی مدد سے انجام پانے لگا، اور ایک جدید فن نفسیات طبیعی (سائیکو فزکس) کی بنا ڈالی، اسکے علاوہ فلسفہ اخلاق، منطق وغیرہ پر بھی اُنکی گران پایہ وضخیم تصانیف ہین، ابتداءً وہ وجود روح کے منکر اور مادیت کے پیرو تھے، لیکن رفتہ رفتہ روح کے قائل اور بالآخر سخت مذہبی آدمی ہوگئے تھے، وفات کے وقت اُنکی عمر ۸۸ سال سے متجاوز تھی،

اگر یہ سچ ہے کہ ملک بین کتب بینی کا ذوق پیدا کرنا علم و روشن خیالی کی خدمت انجام دینا ہے تو اسمین کوئی شبہہ نہین ہوسکتا کہ بڑودہ کی ہندو ریاست کا نام اس وصف خاص مین سب سے زیادہ روشن نظر آتا ہے، انتہا یہ ہے کہ ہر ہر شہر نہین، ہر ہر قریہ مین کتبخانہ کہولے جارہے ہین، چنانچہ اسوقت تک ۵۳۶ کتبخانے کہل چکے ہین، خاص شہر بڑودہ کے کتبخانہ بین ۱۷ ہزار سے اوپر کتابین ہین جنمین سے قریب سات ہزار کے قلمی ہین، اور دار المطالعہ بین تقریباً سوا دوسو اخبارات و رسائل منگائے جاتے ہین، پھر ایک علٰحدہ زنانہ شاخ ہے اور ایک شعبہ بچون کے لئے ہے، جسمین مخصوص انہین کی دلچسپی کی چیزین ہین، پچھلے سال تقریباً ڈیڑہ لاکہہ نفوس نے مرکزی کتبخانہ سے استفادہ کیا، اور اگر عورتون اور بچون کی تعداد کو بھی شامل کرلیا جائے تو اس میزان بین سولہ ہزار کا اور اضافہ کرنا ہوگا،

حیدرآباد، بہوپال، و رامپور کے شاہی کتبخانہ اسمین شبہہ نہین کہ بجائے خود اعلی قسم کے ہین، کلکتہ کی امپیریل لائبریری ملک بین اپنا جواب نہین رکہتی، لاہور، الہ آباد، وغیرہ مختلف مقامات کے سرکاری کتبخانہ بھی قابل دید ہین، لیکن بڑودہ بین جو اسکا اعلی نظام قائم ہے اسکے حدود کو جو عظیم الشان وسعت دیجارہی ہے اور اس چشمۂ فیض کو جسطرح گہر گہر پہنچایا جارہا ہے اسکے لحاظ سے بہتر ہوگا کہ اسلامی ریاستون اور خود برٹش انڈیا کے خدایان تعلیم شاگردانہ حیثیت سے کچھ زمانہ بڑودہ بین بسر کرین،

کاغذ کے قحط اور سامان طباعت کی گرانی کے ساتھ ہی علم دوست اصحاب کے لئے ایک اہم اور قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ قدیم کتب مطبوعہ کی حفاظت کا کیا انتظام کیا جائے؟ جن جن کتبخانون بین کتابین موجود ہین، وہ کوئی موسم و ہوا کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہین، انسداد

زمانہ سے کاغذ یا تو خود گلتا جاتا ہے یا کیڑون کی خوراک بنتا جاتا ہے، یہانتک کہ ایک مدت کے بعد کتابین بالکل ازکار رفتہ ہو جاتی ہین، ان قدرتی آفات سے تحفظ کے وسائل پر غور کرنا ہر کتاب دوست کا فرض ہے، ۱۹۱۸ء مین تمام ہندوستان کے کتبخانون کے مہتممین (لائبریرینس) کی جو کانفرنس لاہور مین منعقد ہوئی تھی اس نے بھی اس مسئلہ پر توجہ کی تھی مگر کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکی، حال مین امپریل لائبریری (کلکتہ) نے جو اپنی پچھلی سالانہ رپورٹ شایع کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ توپخانہ ' دم دم کے کتبخانہ کی کتابون کے جو ایک عرصہ سے میرٹھ مین منتقل کر دیگئی ہین، معائنہ سے دریافت ہوا کہ جو کتابین آج سے ستر (۷۰) سال پیشتر تک درست و صحیح حالت مین تھین ان مین سے پچاس فیصدی بالکل بیکار ہو گئی ہین، اور بقیہ پچاس مین سے ۲۵ فیصدی رفتہ رفتہ بیکار ہو رہی ہین، انہین کتابون کو جب امپریل لائبریری مین نکال کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اتنے عرصہ مین ٹھیک یہی تناسب وہان کے خزانہ کتب کے نقصانات مین بھی قائم رہا، تعجب ہے کہ یورپ کی بلند پرواز و فلک پیما قوت ایجاد و اختراع اس عام مصیبت سے بچنے کی کوئی تدبیر اب تک نہ نکال سکی،

امریکہ مین ایک ریاست پینسلونیا ہے، وہان کے ایک اخبار پٹیسبرگ ڈسپیچ نے جمہور کے مذہبی خیالات کا اندازہ کرنے کے لئے حال مین متعدد سوالات اپنے کالمون مین شایع کئے تھے جنمین سے چند کے عنوانات یہ ہین:-

(۱) آپ کے پاس وجود باری کا کیا ثبوت ہے؟

(۲) کیا ابتداء مین صرف خدا کا وجود تھا؟

(۳) خدا جنگ و خون ریزی کو کیونکر جائز رکھتا ہے؟

(۴) کیا آپ مسیح کی آیندہ آمد کے معتقد ہین ؟ وقس علیٰ ہذا،

ان سوالات کے جو جوابات اخبار مذکور نے پبلک کی طرف سے شایع کئے ان کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

"ابتدا انسان کو خدا کا تصور اپنی جہالت و خوف کی بنا پر پیدا ہوا، یہ عقیدہ تدریجاً دنیا سے رخصت ہو رہا ہے، اور ایک زمانہ مین اسکا شمار بھی مسلم اوہام مین ہوگا"

"خدا اگر کسی زمانہ مین موجود رہا بھی ہو تو اتنا بہرحال یقینی ہے کہ آفرینش ارض کے بعد غائب ہوگیا ہے، ممکن ہے کہ محنت سے خستہ ہو کر کسی درخت کے نیچے سستانے چلا گیا ہو"

"مسیح کی آیندہ آمد کسی گذشتہ ہی آمد تاریخ سے نہین ثابت ہوتی"

"بعض مخبوط الحواس پیشوایان مذہب ابتک یہ ثابت کرنیکی فکر مین ہین کہ وبا، سیلاب، طوفان، زلزلہ وغیرہ خدا کی نیکی و خوش انتظامی کے شواہد ہین، لیکن ارباب عقل جانتے ہین کہ ان حضرات کا سہارا عقل و فہم نہین بلکہ خوش عقیدگی ہے"

"کلیسا کی روایت ہے کہ خدا کے ایک صاحبزادہ عیسیٰ مسیح تھے، انکے جو حالات و ارشادات انجیل مین درج ہین، اگر وہ صحیح ہین تو یہ یقیناً جنگ و خون ریزی کے مخالف تھے، لیکن خود خدا تعالیٰ ان چیزون کو جائز رکھتا ہے، کیا ان الوہیت ماب باپ بیٹون مین بھی نفاق و شقاق کی مثال موجود ہے" ؟

جوابات کا بیشتر حصہ اسی نوعیت کے فقرون سے لبریز ہے، جمہور کے مذاق طبیعت کا صحیح اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان خیالات کی اشاعت سے پرچہ کے خریدارون کی تعداد مین اضافہ ہونا شروع ہوگیا، یہانتک کہ چند روز مین دس ہزار جدید خریدار پیدا

ہوگئے، "دنیاے جدید" کو مسیح و مسیحیت سے عملاً جو برگشتگی ہے، اسکا ثبوت اسکی زندگی کے ہر ہر قدم پر ملا کرتا تھا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ جرأت و بیباکی کے ساتھ لفظاً بھی اسکا اعلان کیا جانے لگا ہے، اور سچ یہ ہے کہ جن دماغی صنمکدون مین جاہ و ثروت، مال و زر، زن و زمین کے دیوتاؤن کی پرستش ہوتی رہتی ہے، انہین خدا و رُوح کے تصور سے کوئی واسطہ رہنا بھی نہ چاہیئے تھا، زر پرستی و خدا شناسی کی یکجائی اجتماع ضدین سے محال تر ہے۔

ہندوستان کی تعلیمی تاریخ کا اہم ترین باب کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ کو قرار دیا جاتا ہے، اسکی تجاویز اور سفارشین وحی آسمانی کا مرتبہ رکھتی ہین، اور تعلیمی ملاء اعلیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر نجات مطلوب ہے تو انکے حرف حرف پر ایمان کامل رکھنا چاہیئے، ڈھاکہ اور لکھنؤ کی جدید یونیورسٹیان انہین کے مطابق قائم ہو رہی ہین، کلکتہ، مدراس، و الہ آباد کی قدیم یونیورسٹیون کو اسی قالب مین ڈھالا جا رہا ہے، اور علیگڈھ "مسلم" یونیورسٹی کے نظام و قانون کی ترتیب مین بھی اسی نمونہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے، لیکن اس سارے دفتر تجدید و اصلاح کا ماحصل کیا ہے؟ محض یہ کہ فلان فلان جدید عہدہ قائم کرنا چاہیئے، فلان فلان درجون کو کالج سے نکال دینا چاہیئے، تقسیم اختیارات فلان فلان جدید جماعات و مجالس کے درمیان کرنا چاہیئے، انتظامی و تعلیمی اُمور کا تعلق جداگانہ مجلسون سے ہونا چاہیئے، بیرونی درسگاہون کے الحاق کے بجاے تعلیمی مرکزیت پر زور دینا چاہیئے، وقس علیٰ ہذا،

ظاہریت و ظاہر پرستی جو صدیون سے لازمۂ تمدن رہی ہے، اور جس نے مذہب اخلاق، معاشرت، سیاسیات، غرض ہر شعبۂ زندگی کو چھا لیا ہے، اسکی حکومت قاہرہ کے

شکنجہ نے ہمارے مصلحین تعلیم کے بھی دل و دماغ کو اپنی سخت گرفت مین لے لیا ہی یہانتک کہ ہم مین سے جو افراد، اصلاح تعلیم کے لئے بڑے سے بڑے ولولے لیکر اُٹھتے ہین وہ بھی اس ظاہریت کے محدود دائرہ سے باہر قدم نہین رکھہ سکتے، اور باوجود انتہائی آزادخیالی کے ادعا کے ان کا محور فکر تمامتر اسیقدر رہتا ہے کہ نظام مروجہ مین چند خارجی و مادی تغیرات کردیئے جائین، چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ کے ضخیم مجلدات کا حرف حرف اسی طریق فکر کے سانچہ مین ڈھلا ہوا نکلا ہے، اور مسلم یونیورسٹی پر جو اعتراضات کی بارش ہو رہی ہے، اسکے بھی سارے تیرون کا ترکش یہی ظاہریت و خارجیت ہے، حالانکہ اگر عمارت کی استواری مقصود ہے تو سب سے مقدم، بنیاد کا استحکام ہے، در و دیوار، سقف و محراب کی وضع و ہیئت، نقش و نگار کے سوالات بہت بعد کے ہین، اصلاح کی حقیقی ضرورت نظام تعلیم کے ڈہانچہ مین نہین بلکہ اسکی رُوح مین ہے، اور جسوقت تک تعلیم کا مقصد طلب دنیا، حصول جاہ، اکتساب زر رہیگا، صحیح روح وجود مین آہی نہین سکتی، تعلیم کا حقیقی مقصد محض تزکیۂ نفس و حقیقت شناسی ہے، اسکے سوا اسکا کوئی اور مقصد قرار دینا، اُسکی اصلاح نہین، تخریب کی سعی کرنا ہے،

تعلیم کا یہ تخیل دنیا کے لئے بالکل انوکھا نہین، ہندوؤن کی کتب قدیمہ مین اسکی بکثرت تصریحات ملتی ہین، اور مسلمانون کا لٹریچر بھی اس سے خالی نہین، امام غزالی وغیرہ کی تصانیف سے قطع نظر کرکے جنمین فرائض معلّم و متعلّم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہی مقصد تعلیم کی تشریح ان کتابون مین بھی ملتی ہے جو خالص تصوف پر لکھی گئی ہین، مولانا جامی کی مثنوی تحفۃ الاحرار، تصوف کی ایک مشہور کتاب ہے، لیکن اسمین ایک مستقل مقالہ احوال علماء سے

متعلق ہے، جسکے ضمن مین مقصد تعلیم کو حیرت انگیز جامعیت کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ اسکی غرض محض حقیقت جوئی ہونا چاہیئے، نہ کہ طلب دنیا، اور جو لوگ فلسفیانہ یا مذہبی حیثیت سے محض ظاہری اسباب وحوادث کے پھیر مین پڑے رہجاتے ہین، انکی سخت مذمت کی ہے، فرماتے ہین،

نورِ دل از سینۂ سینا مجوے　　　روشنی از چشم نابینا مجوے

اسکے آگے اسکی تصانیف اشارات، شفا، نجات، وقانون کا نام لیکر انکی ہجو کی ہے اور ساتھ ہی فقہ، عقاید وکلام کی کتابون کو بھی اسی دائرہ مین لپیٹ لیا ہے، مثلاً ہدایہ، نہایہ، مواقف، مقاصد وغیرہ، اسلیئے کہ یہ کتابین اصل حقیقت تک پہنچانے مین حارج ہوتی ہین اور ذہن کو ظاہری وسطحی اسباب وعلل کی زنجیرون مین الجھا دیتی ہین،

خاصیت علم سبب سوزی است　　　شیوۂ جاہل سبب آموزی است

جس علم سے تزکیۂ نفس نہو وہ علم لاحاصل ہے،

گرز موانع دلِ تو صاف نیست　　　کشف موانع در کشاف نیست

ترک نفاق وکمِ تلبیس گیر　　　علم ز سرچشمۂ تقدیس گیر

علم چہ وادت ز عمل سر بپیچ　　　دانشِ بیکار نیرزد بہیچ

سب سے بڑھکر یہ کہ معلم کو خدمت تعلیم کے لئے گرانقدر معاوضہ لینے کی قطعاً ممانعت ہے اور قناعت اسکا فرض اولین ہے،

چون دگران را نشوی آمرزگار　　　کم طلب آن را عوض از روزگار

علم بود جوہر و باقی سفال　　　آن چون حقیقت دگران چون خیال

بیع جواہر بہ سفالے کہ چہ　　　بذل حقائق بہ خیالے کہ چہ

اسی مقالہ مین ایک عالم کی حکایت درج ہے جو ایک بار کنوئین مین گر پڑے تھے اور اسکے اندر سے صداے استغاثت بلند کر رہے تھے، اتفاق سے ادہر انکے ایک شاگرد کا گذر ہوا، اور اس نے ایک مصیبت زدہ کی آواز سن کر اُسے نکالنا چاہا، عالم نے راہ گیر سے کہا کہ پہلے اپنا نام و نشان بتا دیجئے، شاگرد نے اپنا تعارف کرایا، استاد نے یہ سُن کر معاً اسکی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا، کہ کہین یہ مدد، اُنکی بیغرضانہ خدمت تعلیم و تدریس کا معاوضہ نہو جاے اور اسکے مقابلہ مین کنوئین کے اندر پڑا رہنا قبول کیا۔

گفت کہ حاشا ازین چاہ پست | در زنم امروز بدستِ تو دست
منکہ بہ تعلیم میان بستہ ام | از قرض سود و زیان رستہ ام
کوششم از راہِ خداوند بست | خاص پے فضل خداوند بست
کے بجزاے دگر آلائمش | در غرض آلودگی افزائمش
در تگِ این چاہ نشینم اسیر | تا شوم بیغرضے دستگیر

کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کے فاضل ارکان جو بیش قرار مشاہرون پر پُرتکلف زندگی بسر کرتے رہے، اس قناعت و ایثار، بیغرضی و نفس فراموشی کے معنی سے بھی واقف ہین؟ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیون کے اساتذۂ فن کے ذہن مین کبھی اس طرز زندگی کا تصور پیدا ہوا ہے؟ خیر، اغیار سے چندان گلہ نہین، دیکھنا یہ ہے کہ جامی و غزالی کے ہمقومون اور مسلم یونیورسٹی کے موئدین و مخالفین دونون جماعتون مین سے کتنے افراد تعلیم کے اس مفہوم پر ایمان لانے کو تیار ہین؟۔

دار المصنفین اپنی تکمیل مین اگرچہ ابھی تک بہت سی چیزون کا محتاج ہے، لیکن اسکی

حقیقی روح صرف ایک عظیم الشان کتبخانہ ہے جو افسوس ہے کہ ابتک نہایت ابتدائی حالت مین ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اپنا بہترین کتبخانہ جو اُنکے روحانی اولاد کا اصلی ترکہ ہو سکتا تھا پہلے ہی ندوہ پر وقف کر دیا تھا، اخیر مین جب انھون نے دار المصنفین کو اعظم گڈھ مین قائم کرنا چاہا تو اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ مبذول کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنکی زندگی ہی مین چھ سات الماریان کتابین جمع ہو گیئن، اسکے بعد متعدد علم دوست احباب نے کچھ کتابین نذر کین اور حسب ضرورت دار المصنفین بھی اس سرمایہ مین اضافہ کرتا رہا، لیکن باوجود ان تمام کوششون کے دریا مین ایک قطرہ سے زیادہ کا اضافہ نہو سکا، حال مین مولانا سید سلیمان ندوی نے یورپ کا جو سفر کیا، اسمین علاوہ مذہبی اور قومی خدمات کے اُنھون نے دار المصنفین کے اس مقصد کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا اور جہانتک امکان مین تھا مطبوعات یورپ مین سے دار المصنفین کے لئے بہترین کتابین خریدتے اور بھیجتے رہے، اب دار المصنفین مین مطبوعات یورپ کا ایک ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو نہ صرف مصنفین کے لئے کارآمد ہوگا بلکہ دار المصنفین کے خصوصیات مین شمار کیا جائیگا، اسکے علاوہ مولانائے موصوف نے یورپ کے کتب فروشون سے مستقل علمی تعلقات قائم کر لئے ہین، اسلئے جسقدر نادر کتابین یورپ مین طبع ہوتی رہین گی اسکا ایک نسخہ دار المصنفین مین ضرور پہنچتا رہیگا، اور اسطرح دار المصنفین کی یہ خصوصیت روز بروز اور بھی زیادہ نمایان ہوتی جائیگی،

مقالات

آیتِ استخلاف

جماعت انسانی کا کوئی اہم کام بغیر کسی خاص نظام کے نہین چل سکتا، وہ نظام جو تمام مسلمانان عالم کی جماعت کی تشکیل کرتا ہے، اور باوجود اختلاف قومیت، اختلاف زبان، اختلاف وطن، انکو باہدگر وابستہ اور مربوط کرتا ہے، وہ خلافت ہے، اسلام جغرافی تمیزون مین، نسلی قومیتون مین، مصنوعی زبانون مین، کالی اور گوری رنگتون مین منقسم نہین ہے، وہ تمام دنیا کے ان افراد کو جنھون نے اسکے اصول زندگی اور طریق عمل کو اختیار کرلیا ہے اخوت اور برادری کی ایک ہی سطح پر کھڑا کردیتا ہے، اور اسی عالمگیر برادری کا مرکزی وہ نقطہ ہے جسکو ہم مسلمان خلافت کہتے ہین،

مسئلہ کے صحیح پہلو کو سمجھنے کے لئے مسلمانون کے اساس دین و مذہب یعنی قرآن مجید کی صرف ایک آیت پر غور کرنا کافی ہے، چنانچہ ایک مختصر تمہید کے بعد اسی آیت پاک کی طرف ہم اپنے دوستون کو متوجہ کرتے ہین،

"خلافت" کے لغوی معنی "جانشینی" کے ہین، مسلمانون کا اعتقاد یہ ہے کہ "نوع انسانی" اس سطح خاکی پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے جانشین ہے، وہ تمام خیر و سعادت وہ تمام کمالات و حسنات جنکی وہ ذات اقدس منبع ہے، نوع انسانی کا فرض ہے کہ بحیثیت جانشینی کے اپنی محدود وسعت انسانی کے مطابق اپنے اندر اُنکے حصول کی کوشش کرے تاکہ وہ اس کمال مطلق اور حسن مطلق ہستی کی صحیح جانشین ہوسکے،

اسلام کی مقدس کتاب کا پہلا حصہ جس اصولی سبق سے شروع ہوتا ہے وہ بہی مسئلۂ خلافت انسانی ہے، حضرت آدم کا قصہ یہود و نصاری دونون مین مسلم ہے، لیکن اسلام مین اس قصہ کی تشریح ایک اصولی اعتقاد کی حیثیت رکہتی ہے، تخلیق آدم کی غرض وغایت عقاید اسلامی کے مطابق صرف یہ ہے کہ وہ خداوند عالم کا اس سطح خاک پر خلیفہ نامزد ہوا، قرآن مجید کے ابتدائی سورہ کی یہ آیت ہے،

اذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة، — یاد کرو جب خدا نے فرشتون سے کہا کہ ہم زمین مین اپنا ایک خلیفہ بنانے والے ہین،

بالآخر یہ خلیفہ بنایا گیا اور آدم اسکا نام ہوا، یہی آدم جو خدا کی طرف سے خلیفہ تہا، اپنے فرزندون کے لئے پیشوا اور امام ہوا، یعنی وہ خالق کا خلیفہ اور مخلوق کا امام تہا، حضرت آدم کے بعد اپنے اپنے عہد اور زمانہ مین بہ ترتیب جو انبیاے عظام (صلی اللہ علیہم وسلم) اس دنیا مین تشریف لاتے گئے، وہ خلفاے الٰہی اور ائمۂ انسانی تہے، اور قرآن پاک نے انکو اسی نام سے بار بار یاد کیا ہے،

حضرت ابراہیم جو اسلام مین ایک عظیم الشان پیغمبر تسلیم کئے گئے ہین، انکی نسبت قرآن مین خداے پاک کہتا ہے،

قال انی جاعلک للناس اماما (بقرہ) — ای ابراہیم مین تم کو لوگون کا امام بنانیوالا ہون،

حضرت داؤد جنکو مسلمان پیغمبر یقین کرتے ہین، قرآن انکو خلیفہ کہکر پکارتا ہے،

یاداؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض (ص) — اے داؤد ہم نے تمکو زمین مین اپنا خلیفہ بنایا

مسلمانون کے اعتقاد مین آخرین خلیفہ الٰہی اور امام انسانی پیغمبر عرب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہے، آپکی وفات کے بعد خلافت الٰہی کے بجاے خلافت نبوی کا سلسلہ

شروع ہوا، صحیح مسلم جو اسلام مین حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب ہے، اس مین آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے عن ابی ھریرة عن النبی صلعم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وستکون خلفاء سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے، اسکے بعد یہ سلسلہ اسوقت سے آج تک بلا انقطاع قائم ہے، قرآن مجید کی وہ آیت پاک جو اس عمارت کی بنیاد ہے یہ ہے،

وعد الله الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت	خدانے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے
لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین	(یعنی مسلمانون) سے یہ وعدہ کیا ہی کہ وہ انکو زمین مین
من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی	اسی طرح خلیفہ بنائیگا جسطرح انکو بنایا جو اُنسے پہلے تھے
ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد	اور اُنکے اس دین کو جسکو وہ اُنکے لئے پسند کرچکا ہے
خوفھم امنا، یعبدوننی ولا یشرکون	قائم و مستحکم کریگا، اور خوف کے بعد انکو امن بخشیگا کہ وہ
بی شیئا، ومن کفر بعد ذلک فاولئک	مجھے پوجین اور میرا کسیکو شریک نہ بنائین اور جو اسکے
ھم الفاسقون، (نور)	بعد بھی کافر ہونگے تو وہ بے شبہہ مجرم ہونگے۔

ان آیات پاک مین نہ صرف مسئلہ خلافت کا سرسری ذکر ہے بلکہ اسکی حقیقت اور اُسکے تمام شرائط و مصالح بھی بتا دیئے گئے ہین، ان آیات پاک ہین پانچ الفاظ ہین جنکی تشریح ہمارے مقاصد کی گرہ کشائی کردیگی،

(۱) استخلاف

(۲) الارض

(۳) تمکین دین

(۴) تبدیل امن من بعد الخوف،

(۵) عبادت الٰہی و عدم اشراک،

استخلاف — استخلاف کے معنی عربی زبان مین خلیفہ بنانے اور حکمران بنانے کے ہین، یعنی اس ایک لفظ کے لغوی معنی کے اندر مادی و روحانی، دنیاوی و دینی دونون قسم کی سرداری و سیادت کے معنی داخل ہین، علاوہ لغت کے ہم یہان بطور نمونہ کے چند مستند مفسرین کی رائین نقل کرتے ہین، سب سے قدیم اور مستند مفسر امام ابن جریر طبری کی تفسیر یہ ہے،

لیورثھم اللہ ارض المشرکین من العرب والعجم فیجعلھم ملوکھا وساستھا (ج ۱۸ ص ۱۰۹)	اللہ تعالی عرب وعجم کے غیر مسلم سے ملک لیکر مسلمانون کو اسکا وارث بنائیگا کہ وہ اسکے بادشاہ اور اُسکے منتظم کار ہونگے،

علامۂ بغوی کی مشہور تفسیر معالم مین ہے،

لیورثنھم ارض الکفار من العرب والعجم فیجعلھم ملوکھا وساستھا وسکانھا،	خدا مسلمانون کو کفار کی زمین کا وارث کریگا تو انکو اسکا بادشاہ، منتظم اور باشندہ بنائیگا،

قاضی بیضاوی لکھتے ہین،

لیجعلنھم خلفاء متصرفین فی الارض تصرف الملوک فی ممالکھم	خدا مسلمانونکو خلیفہ بنائیگا جو زمین کا اسی طرح انتظام کرینگے جسطرح بادشاہ اپنی سلطنت کا کرتے ہین۔

علامۂ ابن کثیر جنکی تفسیر تمام تفسیرون مین مستند ترین تفسیر ہے، اسکی تفسیر ان الفاظ مین کرتے ہین،

ھذا وعد من اللہ تعالی لرسولہ صلعم بانہ سیجعل امتہ خلفاء الارض ای ائمۃ الناس	خدا کا پیغمبر سے وعدہ ہے کہ اسکے پیروؤن کو وہ زمین کا حکمران، لوگون کا امام وپیشوا اور اپنے امور کا منتظم

والولاة علیھم وبھم تصلح البلاد	و مدیر بنائیگا اور آئینین سے ملکون کی حالت درست
وتخضعھم لھم العباد ،	ہو گی اور لوگ انکی اطاعت کرینگے ،

ان تفسیرون کے علاوہ دیگر کتب تفسیر بین استخلاف کے یہی معنی لکھے ہین، اس تفسیر سے جسپر تمام مسلمان علما، اور ائمہ کا اتفاق ہے، یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ خلیفہ دینی و دنیاوی، مادی و روحانی دونون قوتون کا بیک وقت رئیس و سردار ہے، کوئی روحانی خلیفہ وامام اس وقت تک خلیفہ وامام نہین ہو سکتا جب تک وہ مادی و دنیاوی طاقت کسی نہ کسی طرح اپنے ہاتھ مین نہ رکھتا ہو،

الارض دوسرا لفظ الارض کا ہے، ارض کے لغوی معنی مطلق زمین و ملک کے ہین، لیکن یہان ارض پر الف لام کسی خاص چیز کو بتاتا ہے اور وہ وہ سرزمین ہے جسکو مسلمان روز ازل سے مقدس جانتے ہین، اور جسکو توراۃ نے "زمین مقدس" کا خطاب دیا ہے اور جو ابراہیم کی اولاد کو بطور وراثت عطا کیگئی تھی، یہود اس مقدس زمین کو صرف فلسطین مین محدود سمجھتے ہین کہ وہ اُن کا اصلی وطن تھا، لیکن اسلام اس احاطہ مین اس تمام سرزمین کو گھرا ہوا تسلیم کرتا ہے جو ابتک اولاد ابراہیم کی بیشمار تعداد سے آباد ہے اور جو ہمیشہ سے پیغمبرون کا مسکن رہا ہے، یعنی وہ سرزمین جسکو دجلہ و فرات، بحر شام، بحر احمر، بحر ہند اور خلیج فارس چارون طرف سے محیط ہے، جسمین عراق و شام و عرب واقع ہین، چونکہ یہ قطعۂ ارض چارون طرف سے پانیون سے گھرا ہوا ہے، اسلئے اُسکو پیغمبر اسلام نے جزیرۃ العرب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ اس قطعۂ زمین کو ہمیشہ غیر مسلم دست اندازی سے محفوظ رکھا جائے، لیکن اسلام کی خالص زندگی ہمیشہ قائم رہے،

الغرض ارض خلافت کا قلب و دماغ یہی قطعۂ ارضی ہے، اور اسکی وسعت اطراف

ملک مین حالات کے مطابق گھٹتی اور بڑھتی رہی، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود تھی، خلیفہ اول کے عہد مین شام و عراق کے حدود تک پہنچ گئی، خلیفہ ثانی نے اسکو ایک طرف مصر اور دوسری طرف ایران کی سرحد سے ملا دیا، خلیفہ ثالث کے زمانہ مین ارض خلافت افریقہ اور ترکستان تک وسعت پذیر ہو گئی، خلیفہ چہارم کے عہد خلافت مین مملکت اسلامی دو حصون مین منقسم ہو گئی، عرب و عراق و عجم حضرت علی کے ہاتھ مین رہے، اور شام، مصر و افریقہ امیر معاویہ کے قبضہ مین چلے گئے، حضرت علی کی وفات کے بعد جب مسلمانون نے امیر معاویہ کو خلیفہ تسلیم کیا، اور اسکے بعد بنو امیہ کے آخری زمانہ تک یعنی ۱۳۲ھ تک ارض خلافت اسپین سے سندھ تک، یورپ، ایشیا، افریقہ تین براعظمون مین پھیلی رہی، بنو عباسیہ جب مدعی خلافت ہوے تو انکی حدود خلافت دوسری طرف مصر سے آگے افریقہ و یورپ تک نہ پھیل سکے۔

بغداد مین خلافت عباسیہ کی تباہی کے بعد مصر مین جب خلافت عباسیہ منتقل ہوئی تو اسکی وسعت ملکی صرف مصر و شام و عرب تک محدود رہ گئی، سنہ مین جب خاندان عثمانی مین خلافت منتقل ہوئی تو اسکی وسعت نے پھر یورپ و افریقہ و ایشیا تینون براعظمون کو گھیر لیا،

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگا کہ ارض مقدس ہر زمانہ مین خلافت کا اصلی جزو اور دیگر ممالک خلیفہ وقت کے جاہ و فروع و جاہ حکومت اور فوجی طاقت کے مطابق اسمین شامل رہے ہین، مگر بہرحال از روے اصول کے اسکی وسعت ارضی ہر زمانہ مین اسقدر رہنی چاہئے کہ وہ اس زمانہ کی گرد و پیش کی غیر مسلم سلطنتون کے مقابلہ مین اپنی بقا و زندگی کی حفاظت کر سکے،

اس تشریح کے بعد لفظ الارض کے متعلق مستند مفسرین کی شہادتون کو سننا چاہیے،

علامۂ ابن کثیر جو از روے صحت روایت، مستند ترین مفسر ہین انکا بیان ہے،

هذا وعد من الله تعالیٰ لرسوله صلعم بانه سیجعل امته خلفاء الارض .... وقد فعله .. فانه صلعم لم یمت حتی فتح الله علیه مکة وخیبر والبحرین وسائر جزیرة العرب وارض الیمن بکمالها واخذ الجزیة من مجوس هجر ومن بعض اطراف الشام وهاداه هرقل ملك الروم وصاحب مصر و اسکندریه وملوك عمان والنجاشی ملك الحبشة ،	خدانے پیغمبر صلعم سے یہ ایک وعدہ کیا تہا کہ وہ انکے پیروؤن کو زمین مین خلیفہ بنائیگا، خدانے یہ وعدہ پورا کیا، چنانچہ آپنے اسوقت تک وفات نہین پائی جب تک مکہ، خیبر، اور تمام عرب اور یمن آپکی ماتحتی مین نہ آگیا، اور ہجر (بحرین) کے مجوسیون سے اور شام کے چند مقامات سے جزیہ نہ لے لیا، اور قیصر روم اور مصر واسکندریہ کے سلاطین اور عمان کے امرا، اور نجاشی شاہ حبشہ نے آپکو ہدیہ دیا،

علامۂ زمخشری نے جو از روے ادب و زبان بہترین مفسر تسلیم کئے گئے ہین لکہتے ہین،

"خدانے اپنا وعدہ پورا کیا، اور مسلمانون کو پہلے جزیرۃ العرب کا مالک بنایا اور اسکے بعد مشرقی و مغربی ممالک کو اُنھون نے فتح کیا۔"

غرائب القرآن مین جو قرآن کا مستند لغت ہے مذکور ہے،

چنانچہ خدانے اپنا وعدہ پورا کیا اور انکو جزیرۃ العرب کا مالک اور کسریٰ کی مملکت و خزانہ کا وارث بنایا،

ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ

الارض کے معنی ملک عرب اور اسکے سوا اور ممالک بھی مراد ہین،

الغرض ان تمام تصریحات سے واضح ہوگا کہ خلافت کی ارض موعودہ کے اندر جزیرۃ العرب

تو بمنزلہ اصل کے ہے اور اسکے علاوہ دیگر ممالک بھی اسکے اندر داخل ہین،

تمکین دین یہ لفظ جس آیت پاک مین واقع ہے وہ حسب ذیل ہے،

ویمکنن لھم دینھم الذی اور (خلافت دیکر) انکے اس دین کو جسکو اس نے

ارتضیٰ لھم، انکے لئے پسند کیا ہی قوت و استحکام دیگا،

آیات استخلاف کے اس ٹکڑہ سے یہ واضح ہوگا کہ اس خلافت الٰہی کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانون کا وہ دین جسکو خدا نے انکے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام اسکو دنیا مین قوت و استحکام بخشا جاے کہ ظالمون اور ستمگرون کی زبردستی کے حملون سے وہ دین اور اسکے ماننے والے ہمیشہ محفوظ رہین، اور بخت نصر، نیرو، اور چنگیز کے ظہور ثانی کا اسلام کو خطرہ نرہے،

مفسرین کی رائین اسکے متعلق آگے آتی ہین،

تبدیل امن من بعد الخوف اسلام جب عرب مین ظہور پذیر ہوا، تو دعوت حق کے جواب مین اسکو ہر طرف سے تیغ و خنجر اور تیر و تبر کے زخم کہانے پڑے، ۱۳ برس کی مدت انہین ظلم و ستم کی پُردرد داستانون سے مملو ہے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو خلافت الٰہی کی بنیاد ڈالنے کا حکم عنایت فرمایا، اور اسکا مقصد یہ قرار دیا کہ دنیا مین اسلام کے لئے امن و سلامتی قائم ہو، اس بنا پر اس آیت استخلاف کے ان الفاظ سے

ولیبدلنھم من بعد الخوف امنا اور (اس خلافت کے ذریعہ سے) مسلمانون کے خوف کو امن سے بدل دیگا،

یہ واضح ہوتا ہے کہ خلافت کے وجود کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسکی قوت کے زیر سایہ مسلمان امن و سلامتی کے ساتھ رہ سکین، اس تفسیر کی تائید مین حسب ذیل بیان نقل کرتا ہون جو

تمام مفسروں کی متحدہ عبارت ہے،

اس سے یہ مقصود ہے کہ اسلام کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہو، مسلمان مدینہ مین مجبور رکئے گئے تھے کہ وہ ہمیشہ اپنی حفاظت کے لئے مسلح رہین، وہ آخر اس طرز زندگی سے تنگ گئے اور پیغمبر سے آکر ملتجی ہوے تو خدا نے وعدہ کیا کہ وہ انکو خلافت بخشیگا جس سے وہ امن و امان مین رہین گے،

ایشیا و یورپ و افریقہ کی گذشتہ و موجودہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ خطرہ اب بھی دنیا مین اسی طرح قائم ہے جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر تھا، اسپین، سسلی، کریٹ، مالٹا، ہرزیگونا، بوسینا، یونان، سرویا، بلگیریا، مقدونیہ، سمرنا، ارض روم، آرمینیا، وغیرہ کے واقعات کیا محتاج بیان ہین،

عبادت الٰہی و عدم اشراک | خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اس خلافت کا، اس استحکام دین کا، اس امن و امان کا مقصد کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ

یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئاً، مجھکو پوجین اور کسی کو میرا شریک نہ بنائین،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان ایک خاص پیغام الٰہی لیکر دنیا مین بھیجے گئے ہین، انکے خاص عقائد ہین، انکے خاص عبادات ہین، انکے خاص علوم و فنون ہین، ان کا ایک خاص تمدن اور ایک خاص اصول زندگی ہے، خلافت کی مادی طاقت کا اصول اسی مصلحت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اپنی مخصوص روحانی زندگی اور مخصوص مادی تمدن کو دنیا مین قائم اور باقی رکھہ سکین،

دنیا کی گذشتہ تاریخ جسطرح مظالم اور ستم آرائیون سے مملو رہی ہے مستقبل تاریخ کے لئے کون ضمانت کرسکتا ہے وہ ایسی ہی یا اس سے بدتر ہوگی، اسی لئے دنیا کی وسیع

مملکت مین انسانون کی ایک خاص جماعت یعنی مسلمان اپنی بقا اور زندگی کے لئے عقیدۃً مجبور رہے کہ وہ دیگر برادران انسانی سے اپنے لئے ایک سایۂ امن کے طلبگار ہون، اور یہی خلافت ہے جو آغاز اسلام سے اب تک دنیاے اسلام مین قائم رہی ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ وہ آیندہ بھی قائم رہیگی، حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کے آخر مین لکھتے ہین،

فالصحابة رضی الله عنهم لما کانوا اقوم الناس بعد النبی صلعم باوامر الله عزوجل واطوعهم لله وکان نصرهم بحسبهم وظهروا کلمة الله فی المشارق والمغارب ایدهم تائیدا عظیما وحکموا فی سائر العباد والبلاد ولما قصر الناس بعدهم فی بعض الاوامر نقص ظهورهم بحسبهم ولکن قد ثبت فی الصحیحین من غیر وجه عن رسول الله صلعم انه قال لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم الی یوم القیامة وفی روایة حتی یاتی امر الله وهم کذالک فی روایة حتی یقاتلون الدجال وفی روایة حتی ینزل عیسی بن مریم وهم ظاهرون وکل هذه الروایات صحیحة ولا تعارض بینها

صحابۂ کرام آنحضرت صلعم کے بعد احکام الٰہی کے سب سے زیادہ پیرو تھے اور نصرت الٰہی بقدر اطاعت الٰہی ہے اور انھون نے خدا کے کلمہ کو مشرق اور مغرب مین غالب ونمایان کیا اور خدا نے انکی پوری تائید کی، انھون نے قومون اور ملکون پر حکومت کی پھر جب لوگون نے صحابہ کے بعد بعض احکام الٰہی مین کمی کی تو انکی ترقی بھی اُسکے عدم اطاعت کے بمقدار کم ہوگئی، لیکن صحیحین مین یہ روایت متعدد طریقون سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت مین سے ایک نہ ایک گروہ قیامت تک حق پر غالب رہیگا اور اسکو کسیکا ترک نصرت اور مخالفت نقصان نہین پہنچا سکیگی، ایک روایت مین ہے کہ اسوقت تک غالب رہیگا جب تک خدا کا حکم آجاے (یعنی قیامت) اور اسوقت تک وہ اسی طرح غالب رہیگا، دوسری روایت مین ہے کہ جب تک دجال سے وہ قتال نہ کرلینگے ایک اور روایت مین ہے کہ جبتک عیسیٰ بن مریم نازل ہون وہ غالب رہینگے، یہ تمام روایتین صحیح ہین اور اُن مین باہم کوئی تعارض نہین۔

ایک غلطی کا اعتراف

شاہ ولی اللہ اشتیاق دہلوی

اردو شعراء کے پرانے تذکروں مین ایک شاعر شاہ ولی اللہ نام، اشتیاق تخلص دہلوی مسکن کا ذکر ہے، اورسب لوگ جانتے ہین کہ اس خاک پاک دہلی مین شاہ ولی اللہ نام وہ یگانۂ عصر پیدا ہوا تھا جس نے ہندوستان مین اسلام کے کالبد خاکی مین زندگی کی نئی روح پھونکی تھی، جسکی تصنیفات وخیالات نے ہندوستان مین تجدید ملت کا سب سے پہلا پتھر نصب کیا، حجۃ اللہ البالغہ انکی متروکات علمی مین سب سے زیادہ مشہور رہے، نیز ازالۃ الخفاء عن تاریخ الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین انکی متداول تصنیفات ہین، علم تفسیر و حدیث مین یہ اپنے عہد کے امام تھے، قرآن مجید کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا تھا، جو عام طور سے بازارون مین ملتا ہے خود مجددی طریقہ مین بیعت تھے، اور اسی طریقہ مجددیہ کے مرشد بھی تھے اور حضرت احمد مجدد الف ثانی کے خاندان سے انکے قریب کے تعلقات تھے، شاہ عبدالعزیز اس نامور باپ کے فرزند ارجمند تھے،

اُردو تذکرہ نویسون مین علی ابراہیم خان ایک بزرگ ہین، جنھون نے گلزار ابراہیم کے نام سے اردو شعراء کا فارسی زبان مین ایک تذکرہ ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء مین تالیف کیا سولہ سترہ برس کے بعد ۱۲۱۵ھ مین مرزا علی تخلص بہ لطف نے اس تذکرہ کو مع حذف و اضافہ گلشن ہند کے نام سے اُردو زبان مین منتقل کیا، ۱۹۰۶ء مین ایک صدی سے بھی زیادہ مدت کے بعد حیدرآباد دکن سے یہ تذکرہ چھپکر شایع ہوا، مولانا شبلی مرحوم نے

اس کتاب پر کچھ حواشی لکھے، جنمین مطالب کتاب کی تصحیح وتشریح کی ہے اور مولوی عبدالحق صاحب موجودہ ناظم انجمن ترقی اُردو نے اُسپر مقدمہ لکھا جسمین ایک حد تک کتاب مذکور پر تنقید وتبصرہ کا فرض انجام دیا، غرض یہ کتاب بڑی دہوم دہام سے چھپی شایع ہوئی اور ارباب علم کے ہاتھون مین آئی،

اس تذکرہ کے صفحہ ۳۳ مین شاہ ولی اللہ متخلص بہ اشتیاق کا تذکرہ ان الفاظ مین مرقوم ہے،

"اشتیاق تخلص، شاہ ولی اللہ نام، متوطن سرہند کے، اس رونق بخش دین احمدی کا سلسلۂ ارادت شیخ احمد کو کہ مجدد الف ثانی جنکا لقب تہا پہنچتا ہے، علی ابراہیم خان مرحوم (اصل تذکرہ نویس صاحب گلزار ابراہیم) نے شاہ محمد گل کو جد انکا لکھا ہے، لیکن راقم حقیر کے گوش زد یہ مضمون نہین ہوا، فی الحقیقت مرتبہ علم کا اس عالی جناب کے نہایت بلند تہا، خصوص علم حدیث وتفسیر مین بڑی دستگاہ رکہتے تھے، یہانتک کہ اسم گرامی اس برگزیدۂ روزگار کا زبان خلائق پر آج کے دن تک شاہ ولی اللہ محدث کرکے جاری ہے، اکثر کتابین تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہین، چنانچہ دو نسخے کہ ایک کا نام "قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسنین" ہے، اور دوسرے کا نام "جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ" کہتے ہین، تصنیفات سے اس محی الدین کی یادگار صفحۂ روزگار ہین، والد ماجد ہین، یہ اس رونق بخش کشورِ قناعت کے کہ جنکا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے آج کے دن تک قدم توکل گاڑے ہوئے شاہجہان آباد (دلی) مین بیٹھے ہین ۔ ۔ ۔ ۔

الغرض وہ جامع جمیع علوم یعنی شاہ ولی اللہ مرحوم عین حیات مین اپنے کوٹلہ مین فیروز شاہ کے تشریف رکہتے تھے، اوقات شریف کو بطور درویشان اہل معنی کے

بسر کرتے تھے، اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمتر ہوتا تھا اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر"
یہ تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد لکھا گیا ہی، اُنکے صاحبزادے شاہ عبد العزیز صاحب دلی مین اسوقت تک زندہ تھے، اسلئے اس تذکرہ کو استناد کی حیثیت حاصل تھی، جن الفاظ مین شاہ صاحب کے اس نے حالات لکھے ہین وہ چند مشتبہ امور کے علاوہ تمامتر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصنف حجۃ اللہ البالغہ پر صادق آتے ہین ان مشتبہ امور کی نسبت ارباب نقد کی نگاہ کے سامنے دو راہین تہین ایک یہ کہ سرے سے شاہ ولی اللہ اشتیاق، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث و مصنف حجۃ اللہ البالغہ نہین ہین اور مصنف نے غلطی سے اسکو ایسا سمجھا ہے، لیکن قرب زمانہ کی وجہ سے اسکو جو استناد حاصل تھا اس بنا پر یہ راہ اختیار نہین کیگئی بلکہ دوسری راہ اختیار کیگئی اور وہ یہ ہے کہ یہ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے اور انہین کا تخلص اشتیاق تھا اور جن بعض تصنیفات کے غلط نام جو انکی اصل تصنیفات کے نامون سے ملتے جلتے ہین مصنف نے لکھے ہین وہ صحیح نہین ہین، چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے اس تذکرہ پر جنوری ۱۹۰۴ء مین جو دیباچہ لکھا تھا جسکا قلمی نسخہ دار المصنفین مین انکے ہاتھہ کا لکھا موجود ہے اور جو گلشن ہند کے ساتھہ اپنی اصلی صورت مین شایع نہین ہوا ہے، اسمین مولانا مرحوم نے اس بحث کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے،

> شاہ ولی اللہ صاحب محدث متخلص بہ اشتیاق کے حال مین لکھا ہے کہ کوٹلہ مین فیروز شاہ کے تشریف رکہتے تھے، اوقات شریف بطور درویشان اہل معنی کے بسر کرتے تھے، اشعار فارسی فرمانے کا کمتر اتفاق ہوتا تھا، اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر"

پھر اس عبارت پر حاشیہ دیکر مولانا مرحوم لکھتے ہین،

"مصنف نے شاہ صاحب کے متعلق بعض غلطیان بھی کی ہین، مثلاً انکی کتاب کا نام قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسنین لکھا ہے، حالانکہ نام کا دوسرا حصہ غلط ہے، ایک اور کتاب کا نام مناقب معاویہ بتایا ہے، حالانکہ اُنکی کوئی تصنیف معاویہ کے فضائل مین نہین، مصنف شیعہ تھا"

گلشن ہند کے مطبوعہ نسخہ مین اس مقام پر مولانا مرحوم کا حسب ذیل حاشیہ چھپا ہی،

"دونون نام (کتاب کے) غلط ہین، پہلی کتاب تفضیل شیخین مین ہے، شہادت امام حسین کے ابطال سے خدانخواستہ اُسکو کوئی تعلق نہین، دوسری کتاب تو بالکل فرضی ہے، معاویہ کے مناقب مین اُنکی کوئی کتاب نہین"

خمخانۂ جاوید کے مصنف نے بھی اسکی تقلید کی،

اگست سنہ ۱۹۱۷ء کے معارف مین، مین نے "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک شاعر کی حیثیت سے" ایک مضمون لکھا جسمین انکے عربی و فارسی اشعار کا تذکرہ کیا اور تمہید مین یہ لکھا،

تاہم یہ کسی کو خیال بھی نہین ہو سکتا تھا کہ حجۃ اللہ البالغہ کا مصنف ایک اُردو یا فارسی کا شاعر بھی ہو سکتا ہے، ارباب معرفت اپنی خلوت راز مین جسکو شیخ العصر کہتے ہین، علماء اپنے حلقۂ درس مین جسکو امام الہند سے مخاطب کرتے ہین، کوئی کہہ سکتا تھا کہ بزم شاعری مین حضرت اشتیاق اُن کا خطاب ہے، مرزا علی لطف کے تذکرۂ گلشنِ ہند نے سب سے پہلے اس راز کو فاش کیا"

مین اسی خیال پر قائم تھا کہ اتفاق سے ایک دن میر قدرت اللہ قدرت کی کتاب طبقات الشعراء مین شاہ ولی اللہ اشتیاق کا تذکرہ میری نظر سے گذرا جسکی عبارت یہ ہے

در حقائق و معارف آگاہ، شاہ ولی اللہ، سرہندی، اشتیاق تخلص، نبیرۂ محمد گل از اولاد شیخ احمد سرہندی در کوٹلۂ فیروز شاہ سکونت داشت، درویش دلریش متوکل گاہے فکر ریختہ میکرد۔"

اس عبارت کے پڑہنے کے ساتھ مرزا لطف کی تحریر بے لطف معلوم ہونے لگی، اور دل مین کاوش پیدا ہوئی، کوئی دوسرا تذکرہ دار المصنفین مین موجود نہ تہا اسلئے خیال تہا کہ کبھی لکہنؤ جانیکا اتفاق ہو تو وہان مزید تحقیق کیجائے، چنانچہ اسی اثنار مین لکھنؤ جانیکا اتفاق ہوا اور جناب مولانا سید عبدالحیٔ صاحب سے ملاقات کی اور سلسلۂ سخن مین اپنا شک واشتباہ انکے سامنے پیش کیا، مولانا موصوف نے جو تاریخ ہند کے مسلم الثبوت استاد ہین، میرے شبہہ کی تقویت کی اور یہ یقین دلایا کہ شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ دو شخص ہین،

اب مین نے یہ پختہ ارادہ کیا کہ اس غلطی کے پردہ کو چاک کرون کہ اس اثناء مین میرا رکن وفد خلافت کی حیثیت سے یورپ جانا ہوا، وہان بھی رہ رہ کر مجھے اس ازالۂ خطا کا خیال بار بار آتا رہا، لیکن سفر کی جیلہ جوئی نے طبیعت کو آمادہ نہ کیا، ۱۰- اکتوبر کو جب مین سفر سے اعظم گڈھ پہنچا تو جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کا ایک والا نامہ موسومہ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نظر سے گذرا جسمین انھون نے لکھا تہا کہ شعر الہند لکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ مین تفریق کیجئے، اس خط کو پڑھکر مجھے خیال ہوا کہ سب سے پہلی فرصت مین اس مسئلہ کو صاف کردینا چاہیئے اسی فکر مین تہا کہ کل ۱۴- اکتوبر کو مولانا شروانی کا بھیجا ہوا ایک رسالہ پہنچا جسمین جناب احسن مارہروی کا ایک مضمون اس مسئلہ پر نظر آیا اور یہ دیکھکر ایک طرف گو حیرت ہوئی کہ میری

اولیت کی فضیلت جناب احسن نے چھین لی، لیکن دوسری طرف نہایت خوشی ہوئی کہ
- - - - - - - - موصوف نے نہایت سنجیدگی، متانت اور سلیقہ سے
اس مسئلہ کو بخوبی طے کردیا ہے، اور اسمین گلشن ہند، مولانا شبلی اور میرے مضمون شائع شدہ
معارف کی تصحیح کردی ہے، دیباچہ مین وہ لکھتے ہین کہ انکو اس غلطی کا علم مولانا حالی مرحوم
کی تقریظ خمخانۂ جاوید سے ہوا جسمین مولانا نے مصنف کی اس غلطی کی تصحیح کی ہے،

بہرحال آج جبکہ مین ان سطور کو لکھہ رہا تہا مولانا شروانی کا ایک دوسرا گرامی نامہ شرف
صدور لایا جسمین وہ تحریر فرماتے ہین،

"میر حسن دہلوی کا تذکرہ میرے سامنے ہے اسمین لکھا ہے:- شاہ ولی اللہ درویشے
بود بکمال خوبی واخلاق، المتخلص بہ اشتیاق، از اولاد مجدد الف ثانی نبیرۂ شاہ محمد گل،
مولد او سرہند...."

شاہ محمد گل کا اصلی نام شیخ عبداللہ ہے، تخلص وحدت ہے، وہ صاحبزادے ہین
حضرت خازن رحمت محمد سعید صاحب کے جو صاحبزادے تھے حضرت امام ربانی مجدد
الف ثانی کے (یہ نسب نامہ رسالۂ شہرۂ آفاق مولفۂ سید نور الحسن خان سے ماخوذ ہے)
اس سے صاف واضح ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب نہ تھے، میر حسن نے محمد ثبیت
وغیرہ کی جانب مثل صاحب گلشن ہند ایما بھی نہین کیا، میرے خیال مین اس مضمون کے
بعد کسی اور مضمون کی حاجت نہین، البتہ مولوی سید سلیمان صاحب پسند فرمائین تو
ایک نوٹ کے ذریعہ سے معاملہ کو صاف کردین"

یہ میرے عمل اور مولانا کے خیال مین عجیب توارد ہوا،

مصریون کی مذہبی حالت

(۳)

از مولوی عبدالرزاق ندوی

(دیگر خرافات)

قبر پرستی کی طرح اور بھی بے شمار خرافات ہین جنکا شکار مصری ہو رہے ہین، صرف عورتین اور جاہل عوام الناس ہی نہین بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ اور وہ حضرات بھی جو اپنے کو انتہائی مخزو مباہات سے نائبان رسول ہین شمار کرتے ہین، ذیل مین بعض اوہام و خرافات نمونتاً حوالۂ قلم کیے جاتے ہین،

(۱) ابرو کا پھڑکنا خوش نصیبی کی علامت ہے،

(۲) راستہ مین جنازہ کا، یک چشم کا یا احول (ڈھیری آنکھہ والا) کا ملجانا شگون بد ہے،

(۳) یکشنبہ کو سفر کرنا نحوست ہے،

(۴) چہارشنبہ کو دودھ استعمال کرنا یا اسے مچھلی کے ساتھ کہانا شدید امراض کا باعث ہے،

(۵) شب مین بلی کو نہ مارنا چاہیے، کیونکہ اکثر بلیون مین ملائکہ کی روح حلول کرجاتی ہے جو چشم زدن مین انسان کو خاک سیاہ کرسکتی ہے،

(۶) ہر بچہ کے ساتھ اسکی ایک جن بہن بھی ہوتی ہے، چنانچہ جب کوئی بچہ زمین پر گرپڑتا ہے تو اُٹھانے کے قبل ماں اسکا نام لیتی، بسم اللہ کہتی اور پھر اسکی جن بہن کا نام لیکر بسم اللہ کہتی اور بچہ کو اُٹھا لیتی ہے، کیونکہ اسکے گرپڑنے سے اسکا گرنا بھی لازم ہے، اور اگر اسکو بھی بسم اللہ

کہکر اور نام لیکر نہ اُٹھایا جائیگا تو وہ اُسے مار ڈالیگی،

(۷) محرم کی دسوین شب کو آسمان سے اشرفیون سے لدا ہوا گدہا اُترا کرتا ہے، اور کسی خوش نصیب لڑکے کو مل جاتا ہے، چنانچہ والدین بچوں کو اس رات مین شب بیداری کرائی ہین کہ دست بدعا رہین کہ یہ گدہا اُنکے گہر مین اُتر آے،

(۸) سورج گرہن مین بچون کو تاکید کیجاتی ہے کہ خوب شور وغل کیا کرین، اور پیپے بجائین تاکہ آفتاب پھر نکل آئے، کیونکہ انکے نزدیک اسکی یہ کیفیت اسوقت ہوتی ہے جب فرشتے اُسے کہینچ کر سمندر مین ڈالدیتے ہین، اور مچھلی اُسے منھ مین لیکر نگلنا چاہتی ہے لڑکون کے شور وغل سے وہ گھبرا کر اُسے پھر اُگل دیتی ہے،

(۹) ہر ماہ کے آخری چہار شنبہ کو کپڑے دہونا، یا جمعہ کو اُن کا سینا نحوست ہے،

(۱۰) ہر گہر مین اُسکی حفاظت کے لئے ایک سانپ مقرر ہوتا ہے جسے "عامر البیت (مکان کا آباد کرنیوالا) کہتے ہین، چنانچہ جب وہ نکلے تو اُسے مارنا نہین چاہیئے، کیونکہ سید رفاعی ناراض ہوجاتے ہین، بلکہ اسے بحفاظت تمام گرفتار کرکے "سید" کے پاس روانہ کردینا چاہیئے، چنانچہ اسکے پکڑنے کے لئے وہ لوگ تلاش کئے جاتے ہین، جنکا یہی پیشہ ہے اور جو راستون مین یا "رفاعی مدد" یا "رفاعی مدد" چلاتے پھرتے ہین، یہ کافی مزدوری لیکر سانپ کو پکڑتے اور انہین مقام مقصود تک پہنچا دیتے ہین، ان لوگون کو "الحداۃ" کہتے ہین،

(۱۱) جب بچہ بیماری کی حالت مین ناک کہجانے لگتا ہے، تو یقین کرلیا جاتا ہے کہ اُسکے دماغ مین کیڑے پڑگئے ہین، چنانچہ انکے نکالنے کے لئے منتر پڑہنے والون کو بلایا جاتا ہے جو بازارون مین "یا فرج" کی صدائین لگاتے پھرتے ہین، یہ آتے ہین اور بچہ کے سر پر ہاتہہ پھیرتے ہین، جس سے اسکی ناک اور منھ سے چند کیڑے زمین پر آگرتے ہین جنہین انکے

منتر کی تاثیر پر محمول کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ مکار کیڑون کو مٹھی یا آستین مین چھپائے رہتے ہین، اور سر سہلاتے وقت اس صفائی سے گراتے ہین کہ بادی النظر مین وہ ناک سے گرتے ہوئے معلوم ہوتے ہین،

(۱۲) جب بچہ کالی کھانسی یا ہچکی کے مرض مین مبتلا ہو جاتا ہے تو بجائے علاج معالجہ کے اُسے کسی آبائی قصاب کے پاس لیجاتے ہین جو اسکے گلے پر اُلٹی چھری پھیر دیتا ہے، انکا خیال ہے کہ اس طرح بچہ شفایاب ہو جاتا ہے، اسی طرح جب بچہ لال بخار، تنفس یا چیچک مین مبتلا ہوتا ہے تو اسے مسلسل تین ہفتہ تک "اولاد عنان" کے مزار پر لیجاتے ہین، جہان مجاور اُسے ایک تنگ و تاریک کمرہ مین داخل کرنے اور انعام لینے کیلئے باواز بلند یہ کلمات پڑھکر اسپر دم کرتا ہے کہ" یا برکة الطاق وما فیها، تشافیہ وتعافیہ اوأن کانت نفس تمنعوها، وان کانت کافیة تزیحوها، وأن کانت مشاهرة فکوها، یا عنانیة تشفعوا له بالشفاء والعافیة تحفظ بدنک یا؛ قوّم اهات العافیه فی لمک اجری کلام ملك!" (ترجمہ) اے برکت طاق کی اور جو کچھ اسمین ہے اسے بھلا چنگا کردے، اگر انسانی رُوح ہے تو اُسے منع کردے، اگر بھوت ہے تو اسے دُور کردے، اگر بلا ہے تو اسے نکالدے، اے عنانیہ، اسکی صحت و تندرستی کی سفارش کر، اے ... (بچہ کا نام لیکر) اُٹھ، تندرستی کو اپنی آستین مین لا، اور دوڑ اپنی ماں سے باتین کر۔

اس مزار مین ایک کنوان بھی ہے جسکے متعلق عام اعتقاد یہ ہے کہ اسمین ایک ولیہ ست سکّرہ" (شکر کی بیوی) رہتی ہین جنکے لئے اسمین شکر چھوڑی جاتی ہے،

(۱۳) بچہ کا نام سنیچر کے دن رکھا جاتا ہے، جسکا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ تین شمعین جلائی جاتی ہین، اور ان مین سے ہر ایک کا علحدہ علحدہ نام رکھدیا جاتا ہے، ان مین سے جو شمع سب سے آخر تک جلتی رہتی ہے، اسی کا نام بچہ کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، یہ شمع بہت سے

چنون اور بندق کے دانون کے ساتھ چہلنی مین ڈال کر پہٹکی جاتی ہے، ان کا خیال ہے کہ اس طرح بچہ کی عمر دراز ہو جاتی ہے،

(۱۴) "مزیرۃ" ایک چڑیل ہے جسکے جسم پر سو بُبان اور کیلین ہوتی ہین، یہ رات کو خوبصورت عورت کے بہیس مین بن سنور کر نکلا کرتی ہے اور جو شخص اُسکی جانب ملتفت ہو جاتا ہے، اسے جھپٹ کر غائب کر لیجاتی ہے، (مگر حیرت ہے کہ اس عقیدہ کے باوجود بھی کمبخت فسق و فجور سے باز نہین آتے)

(۱۵) "مارو" ایک بہوت ہے جو شب مین ظاہر ہوتا اور آدمی کو تنہا پاکر اُسکے گرد ایک دیوار بنا کر اسے مقید کر دیتا ہے،

(۱۶) اسی طرح اور بہت سے آسیب مثل "سماوی" اور "مغربی" وغیرہ ہین جو کبھی گدہے وغیرہ کی شکل مین نمودار ہوتے ہین، جو اس گدہے پر سوار ہو جاتا ہے وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور کبھی سیاہ کتے یا بلی کی صورت مین آتے ہین کہ جسکی آنکہین کٹورہ کی طرح بڑی بڑی اور انگارے برساتی ہین،

(۱۷) "زار" عورتون کا مخصوص آسیب ہے جو وقتاً فوقتاً اُن پر آتا اور انہین پریشان کرتا رہتا ہے، جب اسکا سایہ کسی عورت پر پڑ جاتا ہے تو وہ دنیا کے تمام کامون سے بیکار ہو کر ہر ایک سے اُلجھتی اور گہر مین قیامت برپا کر دیتی ہے، چنانچہ آسیب اتارنی والی عورتین بُلائی جاتی ہین، جو عورت کو خوب بنا چنا کر اپنے مکان لیجاتی یا اسی کے ہان کسی تنہا کمرہ مین اُسے بٹہا دیتی ہین اور اسکے سامنے خوشبو سلگا کر ڈہول بجاتا اور کچھ گانا شروع کرتی ہین، جس سے وہ مست ہو کر رقص کرنے لگتی، اور بسا اوقات بالکل برہنہ ہو جاتی ہے، چنانچہ مین نے خود ایک عورت کو از سرتاپا برہنہ ناچتے ہوئے دیکہا تہا، مصری اس زار سے بہت خوف زدہ

رہتے ہین کیونکہ جہان ایک مرتبہ اسکا پرچھا وان عورت پر پڑگیا وہ شوہر کے ہاتھ سے گویا نکل گئی، واقعہ یہ ہے کہ یہ آسیب خود عورت کے نفس کا آسیب ہوتا ہے، جو اسپر اپنے اصلی شوہر سے نفرت کرنے اور کسی دوسرے سے محبت کرنیکی وجہ سے سوار ہوجایا کرتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا عورتون کے ذریعہ سے اپنے دلبر تک بآسانی پہنچ جایا کرتی ہے،

(۱۸) ان بہوتون اور دیگر ارضی وسماوی بلاؤن سے محفوظ رہنے کے لئے طرح طرح کے گنڈے اور تعویذ استعمال کئے جاتے ہین، اور قسم قسم کی دعائین پڑہی جاتی ہین، یا گلاب اور زعفران سے کسی برتن پر لکہدیجاتی ہین، جسمین پانی پیا جاتا ہے، چنانچہ بعد نماز فجر یہ دعا پڑہی جاتی ہے
یاکشھشطلیوش، یاکشھشطلیوش! أقمنی وأقم صورتی وذاتی ووجھی عندك وعند خلقك! آمین یا ارحم الراحمین!"

اسی طرح چیچک کے دور کرنیکے لئے یہ دعا سبز پتون پر لکھی جاتی ہے، "أطلع الرب فنظر، والعیوب فستر، والذنوب فغفر، ارحل ایھا النمل کما رحلت الرحمة عن شیوخ القری الذین یاکلون الجفن باللقم، یا عنبج منبج نمرا"

(۱۹) جس اونٹ کے منہ سے کف بہت خارج ہوتا ہے، اُسے بھی ولی سمجھتے اور اسکی بڑی آؤبھگت کرتے ہین،

(۲۰) محل مصری کا شمار بھی اولیائے کرام کے زمرہ مین ہے،

(۲۱) بڑے بڑے قدیم درختون کی "ولایت" کی بڑی عزت ہوتی ہے، انکا عرس کیا جاتا ہے، اور نام کے بجائے اُنہین تعظیماً "سیدی اربعین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ "جامع حنفی" مین اس قسم کا ایک درخت موجود ہے جسے "شیخة خضرة" (سبز بڑی بی) کہتے ہین، اسکی از حد تعظیم وتکریم ہوتی ہے اور زائر دُور دُور سے آتے اور اسکے تنہ مین اپنی نشانیان کپڑون کے ذریعہ سے لٹکا دیتے ہین کہ "شیخة خضرة" انہین یاد رکہین اور آڑے وقت مین کام آئین،

(۲۲) اسی مسجد مین ایک کنوان بھی ہے، جسے اس خیال سے بہت متبرک سمجھا جاتا ہے کہ اسکا سوت "چاہ زمزم" سے متصل ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ کسی مصری حاجی کا کٹورہ چاہ زمزم مین گر گیا تہا جو مصر واپس ہونے پر اس کنوین سے اسے دستیاب ہوا،

(۲۳) قاہرہ مین ایک مشہور و معروف پہاٹک ہے جسے "باب المتولی" کہتے ہین، اُس کی زیارت کو ہزار ہا مرد اور عورتین روزانہ آتین، منتین مانتین اور چلتے وقت یاد دہانی کیلئے اسکی کیلون اور کنڈون مین کپڑون کی چِٹین یا بالون کی لٹین آویزان کرتی جاتی ہین،

(۲۴) قاہرہ کے قلعہ مین ایک عظیم الشان کنوان ہے جو اس اعتقاد کی بنا پر مرجع خلائق ہو رہا ہے کہ اسمین حضرت یوسف قید کئے گئے تھے، چنانچہ روزانہ پچاسون عورتین اولاد طلب کرنیکے لئے اسکی تہ تک جاتی ہین جمین سے اکثر کی مراد پوری بھی ہو جاتی ہے، حضرت یوسف کی برکت سے نہین بلکہ نفس انسانی کی خباثت کی بدولت جو اس تیرہ و تار یک مقام مین خوب گل کہیلتی ہے، نعوذ باللہ من الخبث و الخبائث،

قطع نظر تمام باتون کے اگر تاریخ کے آئینہ مین دیکہا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس کنوین کا حضرت یوسف سے کوئی تعلق نہین، کیونکہ قاہرہ تو ایک ہزار سال سے آباد ہوا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ مین وہان پر کسی آبادی ہونیکا قطعاً پتہ نہین چلتا، اسوقت تو مصر کا پایہ تخت "منفس" تہا جو قاہرہ سے بہت دور دریاے نیل کے دوسری جانب واقع تہا، اس کنوین کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے قلعہ مین پہاڑ تراش کر اس غرض سے بنایا تہا کہ بوقت ضرورت اسمین پانی جمع کیا جاسکے، چنانچہ ابتک وہ دیوارین موجود ہین جنکے اوپر کی نالیون مین سے نیل کا پانی اس کنوین تک پہنچا کرتا تہا، لیکن بُرا ہو جہالت کا جو انسان کو اندہا بہرا اور گونگا کر دیتی ہے،

ان خرافات اور مشرکانہ خیالات کے علاوہ "عملیات اور کیمیا" کے خبط مین ہندوستانیون کی طرح مصری بھی مبتلا ہین، چنانچہ نہین معلوم کتنے گھرانون کو اس منحوس کیمیا نے نان شبینہ کو محتاج کردیا، نجوم اور رمل کا بھی بڑا چرچا ہے اور ہندوستان سے کہین زیادہ ہی چنانچہ سڑکون پر صدہا مرد اور عورتین سرخ ریت اور تاش کے پتے لئے بیٹھی رہتی ہین، جنکے گرد مرد و زن کا مجمع اپنی پھوٹی ہوئی قسمتون کا حال دریافت کرتا ہوتا ہے، ان بدبختون سے نجومیون کو بڑی آمدنی ہوتی ہے، چنانچہ ایک پنجابی نجومی اسمعیل نامی کا بازار خوب چمکا ہوا ہے، بڑے بڑے لوگ اسکی طرف رجوع کرتے اور دل کھول کر اُسے روپیہ دیتے ہین،

داڑہی، مصریون کی مذہبی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے داڑہی کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کہنا ضرور ہے کیونکہ ہندوستان مین اُسے غیر معمولی اہمیت دیجاتی ہے جو ایک حد تک بجا بھی ہے، ہندوستانی مسلمان یہ معلوم کرکے سخت متعجب ہونگے کہ جس داڑہی کو وہ اسلام کی علامت سمجھتے ہین اسے مصری یہودیت کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہین، مصر مین بہت کم لوگ داڑہی رکھتے ہین، کیونکہ وہ جسکے چہرہ پر ہوتی ہے اُسپر یہودیت کا شبہہ کیا جاتا ہے، چنانچہ خود مجھپر اس قسم کا ایک حادثہ گذر چکا ہے، اول اول جب مین مصر پہنچا تو اسوقت اگرچہ کم سنی کی وجہ سے میری داڑہی محض برائے نام تھی مگر جو کچھ تھی وہ بلا کم وکاست چہرہ پر موجود تھی، ایک روز مین مسجد مین بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ ایک مصری نے حیرت کے ساتھ مجھے دیکھکر سوال کیا کہ کیا تم مسلمان ہو؟" مین نے درشت لہجہ مین جواب دیا کہ کیا مصر مین کافر بھی نماز پڑھنے مسجد مین آتے ہین، اسپر وہ شرمندہ ہوکر معذرت کرنے لگا، کہ مجھے کچھ اور شبہہ ہوا تھا، مین نے کہا کہ "ایسے شخص کے مذہب کے متعلق کیونکر شبہہ ہو سکتا ہے جو مسجد کے اندر وضو کر رہا ہو؟ اسپر اس نے میری داڑہی کی جانب اشارہ کرکے کہا کہ "اس سے"

مین نے کہا " چہ خوش یہ کیونکر"؟ اس نے جواب دیا کہ یہان مصر مین عموماً یہودی ہی داڑہی رکھتے ہین، اِسلئے ہمین ہر داڑہی والے پر یہودیت کا شبہہ ہوتا ہے،

اسی طرح جب دوران جنگ مین ہندوستانی فوجین مصر پہنچین تو سکھون اور صاحبِ ریش مسلمانون کو دیکھکر مصری بڑے تعجب سے کہتے تھے کہ ہندوستان مین یہودیون کی بڑی کثرت ہے اور دیکھو تو وہ کیسے شجاع معلوم ہوتے ہین، لیکن داڑہی منڈے ہندوؤن کو مسلمان سمجھکر انکی عزت کرتے اور بڑے تپاک سے "السلام علیکم" کہکر مصافحہ کرتے مگر جب انہین معلوم ہوجاتا کہ وہ مسلمان نہین ہین تو اُنہین گالیان دیتے اور ان پر سنگباری کرتے!

چونکہ مصر مین داڑہی رکھنے کا رواج نہین ہے اِسلئے حجام بھی اسکے تراشنے اور درست کرنے مین ماہر نہین ہوتے اور عموماً اسے خراب کردیتے ہین، اس خیال سے مین یہ خدمت خود ہی انجام دے لیا کرتا تھا،

مسلمانوں کا دورِ تنزل ختم ہوگیا

از

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دار المصنفین

انحطاط و تنزل بالکل طبعی چیز ہے، اور

"طبعی چیزیں کبھی متغیر نہیں ہوتیں، اسلئے زوال و انحطاط بھی وہ مزمن مرض ہے جسکی نہ دوا ہوسکتی، اور نہ وہ زایل ہوسکتا۔"[1]

لیکن وہ جس طرح افراد کے مزاج پر اثر ڈالتا ہے، اسی طرح قوم کا مزاج بھی اس سے متاثر ہوتا ہے، دنیا میں جس طرح افراد پیدا ہوکر پلتے، بڑھتے، نشو و نما پاتے، اور پھر جوان ہوکر بوڑھے ہوجاتے ہیں، بلعینہ اسی طرح قوموں کے شباب، کہولت، اور شیخوخیت کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے جسمیں اُنکے مزاج کے عناصر متغیر ہوتے رہتے ہیں اور چونکہ

"مزاج ہی کا نام روح ہے، اسلئے لامحالہ تمام ظاہری اور باطنی اخلاق اسکے تابع ہوتے ہیں۔"[2]

جنکو دیکھکر قومی مزاج کے تمام تغیرات و انقلابات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن یہ مزاج جو عناصر کی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے، اسکے علاوہ ہر قوم کا ایک عقلی مزاج بھی ہوتا ہے جو اسکی تاریخ کا حقیقی ماخذ ہوتا ہے، اور در حقیقت زوال و انحطاط کے آثار اسی پر طاری ہوتے ہیں لیکن یہ تنزل دو قسم کا ہوتا ہے، طبعی اور غیر طبعی، طبعی تنزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوم کے

---

[1] مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ۲۴۳، [2] کتاب السیاستہ فی علم الفراستہ،

تمام اساسی اخلاق تدریجی طور پر فنا ہوتے ہین، بخلاف اسکے غیر طبعی تنزل مین ان پر دفعتہً زوال طاری ہوجاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کا مزاج عقلی چند دنون مین نہین پیدا ہوتا بلکہ اسکا خمیر سیکڑون برس کے بعد پختہ ہوتا ہے، اور اس درمیان مین قوم اپنی طفولیت، حداثت، بلوغ، شباب، رجولیت، اور سن متوسط کے تمام مراحل طے کرلیتی ہے، اسی طرح اُسپر زوال و فنا بھی دفعتہً طاری نہین ہوتا، بلکہ تدریجاً طاری ہوتا ہے، جسکی وجہ سے قوم سن کہولت، ہبوط، شیخوخت اولیٰ، شیخوخت ثانیہ، ہرم اور اپنی عمر کے تمام آخری مراحل سے گذر جاتی ہے اور جب اس کے مزاج کی عمر طبعی ختم ہوجاتی ہے تو اسپر زوال آجاتا ہے، جس سے قوم ہمیشہ کے لئے پردۂ عدم مین چھپ جاتی ہے، لیکن یہ مزاج عقلی کے تنزل کی طبعی صورت ہے، اسلئے وہ قوم سب سے زیادہ متمدن اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہے،

" جسکے اساسی اصول کے فنا و بقار کی مدت مین اتحاد ہو، یعنی جتنے دنون تک وہ قائم رہے ہین اتنے ہی دنون مین وہ فنا بھی ہون[1] "

لیکن جن قومون کی ترقی و تنزل کے زمانہ مین اتحاد نہین پایا جاتا وہ بہت جلد فنا ہوجاتی ہین اور ان کا تاریخ مین صرف نام ہی نام باقی رہجاتا ہے،

یہ نہایت عجیب بات ہے کہ دنیا کی تمام قومین غیر طبعی موت کا شکار ہوئی ہین اور اُنکو اس خوش قسمتی کا موقع نہین ملا ہے، کیونکہ عالم کائنات کا ایک فطری قانون یہ ہے کہ

ایک جسم کے پیدا کرنے کے لئے جسقدر زمانہ درکار ہے اسکے فنا ہونے کے لئے اس سے بہت کم زمانہ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جو عضو اپنے عمل کو چھوڑ دیتا ہے اسکی عملی قابلیت

---

[1] انقلاب الامم صفحہ ۱۱۶،

اسی وقت معدوم ہو جاتی ہے[1]"

اسی بنا پر قوم کے تمام اخلاقی محاسن مثلاً جرارت، شجاعت، عزم وارادہ، قوت و استغنا طاگرچہ بہت دنون مین پیدا ہوتے ہین تاہم جب وہ اپنا محل استعمال نہین پاتے تو نہایت سرعت کے ساتھ فنا ہو جاتے ہین اور چونکہ قوم کے تمام تمدنی مظاہر کی بنیاد انہین پر قائم ہوتی ہے، اسلئے جب کبھی اُن مین تغیر پیدا ہوتا ہے تو دفعتہً تمدنی تاریخ کی عمارت بھی منہدم ہو جاتی ہے،

لیکن یہ کلیہ اسلام کی تاریخ مین غلط ٹہرتا ہے، کیونکہ مسلمانون کے اساسی اصول جتنے عرصہ تک قائم رہے ہین، اتنے ہی دنون مین اُن پر زوال بھی طاری ہوا ہے اور اسلئے مسلمانون کی خوش قسمتی مین کیا کلام ہو سکتا ہے؛ تاہم چونکہ یہ ایک اہم تمدنی نظریہ ہے اسلئے ہم اسپر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین،

تمدنی تاریخ کے علما مین علامۂ ابن خلدون اور ڈاکٹر لیبان نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اسکا اصلی مرجع قوم اور سلطنت ہے، اس بنا پر یہ کلیہ بھی انہین دونون چیزون پر صادق آسکتا ہے، اسمین کچھ شک نہین کہ ہر قوم اور ہر سلطنت کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے جسمین وہ بڑھتی ہے، نشو ونما پاتی ہے، عروج حاصل کرتی ہے، اور پھر اپنی ترقی کا دور ختم کرکے اوج رفعت سے حضیض مذلت مین گر جاتی ہے، لیکن اسلام کسی قبیلہ یا قومیت کا نام نہین ہے اسلئے اس نے اپنے متبعین کو قومی اور نسلی امتیازات سے الگ رکھا ہے اور سعادت دنیوی کے حاصل کرنیکا مدار قومی عصبیت یا نسبی شرافت کے بجاے اعمال صالحہ کو ٹہرایا ہی، اس بنا پر اسکے جھنڈے کے نیچے مختلف قومیت، مختلف جنسیت اور مختلف قبائل کے لوگ جمع

---

[1] انقلاب الامم صفحہ ۱۴۵،

ہوئے ہین، جنھون نے مختلف زمانون مین عروج حاصل کیا ہے، اسلئے اگرچہ انفرادی حیثیت سے یہ قانون ہر قوم اور ہر سلطنت پر منطبق ہو سکتا ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے اسکا کوئی اثر نہین پڑسکتا، کیونکہ اسوقت یہ تمام حلقے مل کر ایک مسلسل زنجیر بنجاتے ہین جو قانون قدرت کے توڑنے سے ٹوٹ نہین سکتی،

بہرحال مسلمانون کا متحدہ مزاج عقلی قانون قدرت کی حکومت سے بالکل آزاد ہے، اسلئے وہ جس طرح تدریجی طور پر پیدا ہوا تھا، اسی طرح بتدریج فنا بھی ہوا ہے، اور یہ وہ خیال ہے جسکی تائید مین تاریخ اسلام کے ہزارون صفحات پیش کئے جا سکتے ہین، لیکن قبل اسکے کہ ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہون ہمکو تاریخ طبعی کی روشنی مین حیات انسانی کے تمام تغیرات وانقلابات کا مطالعہ کر لینا چاہیئے،

علماء طبیعیین نے حیات انسانی کے تیرہ دور قائم کئے ہین، جنمین انسان کے قوائے طبعیہ اور عقلیہ پر مختلف قسم کے تغیرات طاری ہوتے رہتے ہین، چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) حیات انسانی کا پہلا دور زمانۂ طفولیت سے شروع ہوتا ہے، اس سن مین انسان کو صرف رنج وغم اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے، اسمین رغبت وارادہ کے جذبات پیدا ہوتے ہین، چیزون پر حکم لگانیکی قابلیت پیدا ہوتی ہے، اور اس دور کے اختتام تک اسکو ہر شئے کا احساس ہونے لگتا ہے،

(۲) دوسرے دور مین جسکو سن حداثت کہتے ہین، انسان کے دل مین امیدین پیدا ہوتی ہین وہ اپنے مستقبل کی نسبت ایک رائے قائم کر سکتا ہے اور اسکے تمام عقلی خصوصیات اور حواس نشو ونما پاتے ہین،

(۳) سن بلوغ مین جو انسان کی زندگی کا تیسرا دور ہے غرور اور امید پیدا ہوتی ہے،

اس زمانہ مین وہ محبتِ ذات، بے پروائی، غرور اور آزادی کو پسند کرتا ہے، لیکن جب یہ چیزین حد اعتدال سے متجاوز ہوجاتی ہین تو معائب بنکر اسکی جسمانی اور اخلاقی زندگی کو برباد کردیتی ہین،

(۴) سن شباب مین جو حیات انسانی کا چوتھا درجہ ہے، عشق، لذت، طیش، شجاعت اور عدم استقلال کے جذبات پیدا ہوتے ہین، اور چونکہ اس سن مین انسان پر عشق اور لذت کا غلبہ ہوتا ہے، اسلئے وہ صرف انھین چیزون کے اسباب مہیا کرنے مین مصروف رہتا ہے،

(۵) سن رجولیت مین انسان کو طمع دامنگیر ہوتی ہے، اور ترقی کرنیکا خیال پیدا ہوتا ہے، یہ سن طبعی اور عقلی عیش و مسرت کا زمانہ ہوتا ہے، اسلئے اسمین انسان کی جسمانی حالت نہایت بہتر ہوتی ہے، اسپر ہمہ وقت ایک نشاط چھایا رہتا ہے، اور اسکی عقل کامل ہوجاتی ہے، اسی سن مین اسکو آفات زمانہ سے محفوظ رہنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی مدافعت کا پورا سامان کرتا ہے،

(۶) سن متوسط مین جسکو شباب ثانی بھی کہتے ہین، انسان مین ثبات اور استقلال پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس زمانہ مین اسکے تمام قوائے جسمانیہ وعقلیہ اپنی نشو ونما کے انتہائی مدارج طے کرلیتے ہین، اسلئے اب اسکو روپیہ جمع کرنیکی فکر ہوتی ہے، وہ فخر کو پسند کرتا ہے اور اپنی عزت و عظمت کی ترقی کے لئے کوشش کرتا ہے، اس عمر مین اسکی تمام امیدین ذاتی عمل سے وابستہ ہوتی ہین، اور چونکہ وہ سوسائٹی مین معزز ہوکر رہنا چاہتا ہے، اسلئے رات دن اسی دُھن مین لگا رہتا ہے اور اسکے لئے گھر بار، اہل وعیال، ساز وسامان غرض کسی چیز کی بھی پروا نہین کرتا،

(۷) سن کہولت مین انسان پر عقل وفہم اور حکمت و دانش کا اثر غالب ہوتا ہے۔ اور وہ

سن متوسط مین اپنی محنت و مشقت سے جو روپیہ پیدا کرتا ہے، اس سے اس سن مین فائدہ اٹھاتا ہے، کیونکہ اب اسکے مزاج مین عیش پسندی آجاتی ہے،

(۸) سن ہبوط مین انسان زیادہ آرام طلب ہوجاتا ہے، اسمین تدبر و تفکر کے اوصاف پیدا ہوتے ہین، اِسلئے اسکے تمام کامون مین حزم، احتیاط اور پختگی پائی جاتی ہے، لیکن اسکے قواے، جسمانی اور عقلی مین انحطاط شروع ہوتا ہے، اسکا جسم سرد پڑجاتا اور اس کا احساس کم ہوجاتا ہے،

(۹) شیخوخیت کے دور اول مین انسان پر تکلیف، حسرت، اور رنج و غم غالب آتے ہین کیونکہ اسکے قوی کمزور ہوجاتے ہین، اسکا دل افسردہ ہوجاتا ہے، اسکے بال سفید ہوجاتے اور دانت گرجاتے ہین، اور اس سے نشاط کلیۃً معدوم ہوجاتا ہے، اِسلئے اسکی آنکھون مین ہروقت موت کی تصویر پھرتی رہتی ہے،

(۱۰) شیخوخیت کے دور ثانی مین ضعف بڑھجاتا اور تکلیف زیادہ ہوجاتی ہے، جس سے انسان ہروقت غضبناک رہتا ہے، اور وہ اپنے احکام کی تعمیل فوراً کرانا چاہتا ہے، ایسے ہمنشینون کو پسند کرتا ہے جو اسکے مزاج کے مطابق ہون اور اسکی ہر راے سے متفق رہتے ہون اسمین حسد و غیرت کے جذبات پیدا ہوتے ہین، جس سے وہ نوجوانون کو لہو و لعب اور چستی و چالاکی کے کام کرتے ہوئے دیکھ نہین سکتا، اسکے عقلی خصوصیات روز بروز فنا ہوتے جاتے ہین اور اسکے طبعی فرائض مین بھی خلل واقع ہوتا ہے،

(۱۱) سن ہرم مین انسان کا ضعف اور بڑھ جاتا ہے، اُسکو کان سے اونچا سنائی دیتا ہے اور آنکھ سے صاف طور پر دکھلائی نہین دیتا، اِسلئے اسمین سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے اور وہ عزیز و بیگانے کسی پر اعتماد نہین کرتا، اسمین محبت ذات پیدا ہوجاتی ہے، جس سے وہ اپنے واقعات

مبالغہ آمیز طور پر بیان کرتا ہے،

(۱۲) سن ہرم کے بعد ایک اور زمانہ آتا ہے جسکا نام سن تمدد الاجل ہے، اس مین انسان زمانۂ طفولیت کی طرف عود کرتا ہے، اسمین بچون کے سے خواص پیدا ہو جاتے ہین، اور اسکو اپنے جذبات پر قابو نہین رہتا، اس زمانہ مین اسکے حواس بالکل جواب دیدیتے ہین، اسکی آنکھین بے نور ہو جاتی ہین، اسکے کان صرف دھماکون کو سنتے ہین، اور اسکی عقلی زندگی بالکل مردہ ہو جاتی ہے، اسلئے وہ انسانی زندگی کے حدود سے نکل کر نباتی زندگی کے حدود مین داخل ہو جاتا ہے،

(۱۳) اسکے بعد حیات انسانی کا آخری دور ہے، جو "سن مُکنیٰ" کہلاتا ہے، یہ انسان پر شاذ و نادر آتا ہے، اسمین آدمی بالکل اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے، اسکی قوت لامسہ، شامہ اور ذائقہ بالکل معدوم ہو جاتی ہین اور اُسپر طبعی اور دماغی حیثیت سے عدم طاری ہو جاتا ہے[۱]،

لیکن یہ تمام دور صرف افراد ہی پر طاری نہین ہوتے بلکہ قومون پر بھی طاری ہوتے ہین، اور اُنکا قوم کی زندگی پر وہی اثر پڑتا ہے جو افراد کی زندگی پر پڑتا ہے، چنانچہ آغاز اسلام مین جب مسلمانون کی طفولیت کا زمانہ تھا وہ صرف رنج و غم اور ضرورت کا احساس کر سکتے تھے، صحیح بخاری مین حضرت خبابؓ کی جو شکایات مروی ہین وہ اسی کی موید ہین، اور حضرت بلال، عمار، اور صہیب وغیرہ کے واقعات بھی اسی کی تائید کرتے ہین، اسی زمانہ مین مسلمانون کو اشاعت اسلام کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور حضرت ابوبکر نے چند اشخاص کو خفیہ طور پر مسلمان کیا، لیکن تین برس کے بعد جب مسلمانون کو اپنی قلت اور کمزوری کا احساس ہوا تو وہ اسلام کی دعوت علانیہ طور پر دینے لگے، اس دور کے بعد اسلام کا سن حداثت

[۱] انسان کی تاریخ طبعی مولفہ موسیو ڈوبی صفحہ ۵۱ تا ۵۵،

شروع ہوا جسمین امیدین پیدا ہوئین اور مسلمانون نے اعلان دعوت کے اثرات کو دیکھکر اپنے مستقبل کی نسبت رائے قائم کی، اسلئے اگرچہ اسوقت تک انکو بہت زیادہ کامیابی حاصل نہین ہوئی تھی، تاہم جب کفار قریش نے ابوطالب سے آنحضرت کی شکایت کی اور انھون نے آپکو بت پرستی سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے صاف جواب دیا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ مین سورج اور دوسرے مین چاند لاکر دیدین تب بھی مین اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا[۱]، اسکے بعد تیسرا دور شروع ہوا جو اسلام کے سن بلوغ کا زمانہ ہے، اور اسکی ابتدا ہجرت حبشہ سے ہوئی، قریش کی سخت مزاحمتون کے باوجود اسلام کے دائرہ مین جو وسعت پیدا ہو گئی تھی اس نے مسلمانون کو اپنی کامیابی کا یقین دلا دیا تھا، اسلئے وہ باہم ایک دوسرے کے سخت ہمدرد ہو گئے تھے، اور قریش کے مظالم کو حقارت اور بے پروائی کی نظر سے دیکھتے تھے، اور چونکہ اسوقت ان مین قریش کی جابرانہ حکومت سے آزاد ہونیکا خیال پیدا ہو گیا تھا، اسلئے انھون نے دربار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جناب رسالتپناہ نے اشاعت اسلام کی غرض سے طائف کا سفر اختیار فرمایا، اسکے علاوہ حج کے موسم مین جو قبائل عرب کے تمام صوبون سے آکر مکہ مین جمع ہوتے تھے، آپ انکے خیمون مین جاکر اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے، تاکہ ان کا ملک مسلمانون کا دار الہجرۃ ہو، اب اسلام کا چوتھا دور شروع ہوا جو اسکا عہد شباب ہے، کفّار کے مظالم برداشت کرنے اور اسلام پر قائم رہنے سے مسلمانون کو جو لذت حاصل ہوئی تھی اسکا یہ اثر تھا کہ بہت سے صحابہ نے ہجرت حبشہ پر مکہ کی اقامت کو ترجیح دی، اور اپنی توجہ کو تمامتر اشاعت اسلام کی طرف مبذول کر دیا، اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب انصار ایمان لائے اور مدینہ دار الہجرۃ قرار پایا تو مسلمانون پر

[۱] سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۹،

کامیابیون کا دروازہ کہل گیا، کیونکہ اب اُنکو اپنی شجاعت کے جوہر دکہلانے اور کفار سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تہا، اور چونکہ وہ کفّار کے ظلم وستم سے عاجز آگئے تہے، اسلئے جب غزوۂ بدر مین ان کا مقابلہ ہوا تو مسلمانون نے اس جوش سے جنگ کی کہ ۹۰۰ کفار صرف ۳۰۰ آدمیون سے شکست کہا گئے، غزوۂ بدر کے بعد اور بہی متعدد غزوات پیش آئے جنمین کفار کو شکست ہوئی اور صرف نو برس کی قلیل مدت مین تمام عرب پر مسلمانون کا قبضہ ہوگیا، اسکے بعد وہ اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدہ اشاعت اسلام کا کام شروع کیا، جس سے آنحضرت کی وفات تک تمام عرب مسلمان ہوگیا، لیکن بااین ہمہ چونکہ یہ مسلمانون کے شباب کا زمانہ تہا، اسلئے عدم استقلال کی بہی بعض مثالین ملتی ہین، مثلاً غزوۂ اُحد مین آنحضرت شہر کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کرنا چاہتے تہے، لیکن بعض پرجوش نوجوانون نے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا اور چونکہ کثرت انہین کو حاصل تہی اسلئے آپ نے اُنکی تائید فرمائی،[1]

اسکے بعد پانچوان دور شروع ہوا اور اسکی ابتدا خلافت فاروقی سے ہوئی، اس زمانہ مین مسلمانون کو ملک گیری کا خیال پیدا ہوا، اور اُنکو ترقی کرنیکی خواہش ہوئی یہ زمانہ درحقیقت اسلام کا سن رجولیت تہا جسمین طبعی اور عقلی عیش ومسرت کی جہلک نظر آتی تہی، کیونکہ اب مسلمان جسمانی اور دماغی دونون حیثیتون سے مکمل ہوگئے تہے، وہ نہایت قوی، تنومند اور بلند وبالا ہوتے تہے، اُنکے نفوس مین ہروقت ایک نشاط پایا جاتا تہا، انکے خیالات بلند ہوگئے تہے، اور ان مین علوم وفنون کا عام رواج ہوگیا تہا، اسلئے وہ آفات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تہے، اور جو چیزین اُنکی ترقی مین سدِراہ ہوتی تہین اُنکو ہٹا دیتے تہے،

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۶ جلد ۲

لیکن چونکہ اس زمانہ مین انسان پر حرص وطمع کا غلبہ ہوتا ہے، اِسلئے اسلام مین اسکا یہ منظر نظر آیا کہ خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ مین امیر معاویہ مدعی خلافت ہوئے، جنکے دعوی خلافت سے اسلام کا چھٹا دور شروع ہوا، یہ اسکا سن متوسط یا شباب ثانی تھا، جسمین مسلمانون مین استقلال اور ثبات پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ اب انکی تمام جسمانی اور دماغی قوتین انتہا تک پہنچ چکی تھین، اور وہ مال و دولت کے جمع کرنیکی طرف مائل ہوگئے تھے چنانچہ خود صحابہ مین اس قسم کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جسکی مخالفت مین حضرت ابوذر غفاری نے انتہائی کوششین کی تھین جو ناکامیاب رہین، بہر حال اقتضائے سن کے مطابق اس زمانہ مین مسلمانون کی امیدون کا دارومدار عمل ذاتی پر تھا، وہ فخر و مباہات کو پسند کرتے تھے، اور اُن مین سوسائٹی مین امتیاز حاصل کرنیکا خیال پیدا ہو گیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑکر دور دراز مقامات مین نکل جاتے تھے، جہان اُنکو صرف اپنے مقاصد کے حاصل کرنیکی فکر رہتی تھی، چنانچہ سلطنت بنوامیہ جو نصف صدی کے اندراندر سندہ اور ترکستان سے لیکر افریقہ اور اسپین تک پھیل گئی تھی، انہین کوششون کا نتیجہ تھی،

لیکن ان عظیم الشان فتوحات کے باوجود بنوامیہ مین سلطنت اور جاہ و عظمت کی حرص زیادہ ہوتی گئی، جس سے اسلام کا ساتوان دور شروع ہو گیا، جو اسکے کہولت کا زمانہ ہے اب خلافت کے تخت پر بنوعباس متمکن ہوئے، جنکے زمانہ مین یہ خیال پیدا ہوا، کہ جو ممالک مسلمانون کے قبضہ مین آچکے ہین اُن پر مستحکم طور پر قبضہ کیا جائے، اور اُن سے نفع اُٹھایا جائے اس خیال نے مسلمانون کو عیش پسند اور کاہل بنادیا، اور اُنکی فتوحات دفعتہً رک گئین، یہی وجہ ہے کہ سلطنت عباسیہ کے حدود کبھی سلطنت بنوامیہ سے زیادہ وسیع نہین ہوئے، اسکے علاوہ اُنکے مزاج کے عناصر مین حکمت اور تعقل کا غلبہ ہو گیا تھا، اور جب کسی قوم کے

مزاج مین تعقل کا عنصر غالب ہوجاتا ہے، تو اسکے اساسی اخلاق مین انحطاط شروع ہوجاتا ہے جس سے اُسکی ترقی رک جاتی ہے، اسکے بعد آٹھوان دور شروع ہوا جو اسلام کا سن ہبوط ہے اسمین مسلمانون مین غور و فکر کا غلبہ ہوا، وہ تفکر اور تدبر کے عادی ہوگئے، اور انکی آرام طلبی اور عیش پسندی بڑھ گئی، اس زمانہ مین اگرچہ انکے ہر کام مین حزم، احتیاط اور پختگی پیدا ہوگئی تھی، تاہم چونکہ وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہوگئے تھے، اسلئے اُنکے فوجی جذبات مین تنزل شروع ہوا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دور مین علوم و فنون کو جسقدر ترقی ہوئی کبھی نہین ہوئی تھی، اسی زمانہ مین وہ بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوے جنکے غلغلہ سے آج تمام دنیا گونج رہی ہے، تاہم ممالک اسلامیہ کے حدود مین کسی جدید ملک کا اضافہ نہین ہوا، اسوقت تمام دنیاے اسلام پر ترک قابض تھے، جنکی چھوٹی چھوٹی حکومتین ہر جگہ قائم تھین، اور جنمین اتحاد و یکجہتی کا احساس باقی نہین رہا تھا، یہ تمام اسباب ایسے تھے، جن سے خود بخود نوین دور کا آغاز ہوا، یعنی اسلام پر شیخوخیت کا پہلا دور آیا، جس نے مسلمانون کے دماغ کو تکلیف، درد، رنج و غم، اور یاس و حسرت سے لبریز کردیا، یہ آٹھوین صدی ہجری کا زمانہ تھا جسکی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین شکایت کی ہے کیونکہ اس زمانہ مین مسلمانون کے قواے جسمانیہ اور عقلیہ پر انحطاط طاری ہوگیا تھا، اُن کے اعضاے جسمانی کمزور ہوچکے تھے، ان کا دل افسردہ ہوچکا تھا، اور ان سے نشاط اور ہمت فنا ہوچکی تھی، اور یہ تمام چیزین انکو موت کی دہمکی دے رہی تھین،

اسکے بعد دسوان دور شروع ہوا جو اسلام کی شیخوخت تامہ کا زمانہ ہے، اس مین مسلمانون کا ضعف زیادہ بڑھا، اور انکی اخلاقی حالت اسقدر تباہ ہوگئی کہ اسکو دیکھکر شاہ ولی اللہ صاحب کی آنکھ سے خون کے آنسو جاری ہوگئے ہین، جن سے فوز الکبیر کا ہر صفحہ

ایک لالہ زار بنگیا ہے، اسی زمانہ مین مسلمانون کی بہت سی سلطنتین اُنکے قبضہ سے نکل گئین، جسکی وجہ یہ تھی کہ انکے مزاج مین حسد کے ساتھ ساتھ غصہ بھی پیدا ہوگیا تھا اسلئے اغیار کو ان سے فائدہ حاصل کرنیکا موقع ملا، اور انھون نے مسلمانون کے مزاج کو اپنے موافق بنا کر دراندازی شروع کی، جس سے مسلمانون مین نفاق پیدا ہوا، اور ہر صوبہ نے اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ممالک اسلامیہ مین اغیار کے قدم نہایت مضبوطی کے ساتھ جم گئے، اور چونکہ اس زمانہ مین مسلمانون کی عقلی خصوصیات فنا ہوگئی تھین، اسلئے کسی کو احساس تک نہوا، اور وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہے، ان چیزون نے انکے ضعف کو اور بڑھایا، اور اب اسلام کا گیارہوان دور شروع ہوا جو اسکا سن ہرم ہے اس دور مین مسلمان بہت زیادہ کمزور ہوگئے تھے اور چونکہ وہ اپنے سرمایۂ ہوش وحواس کو ضایع کرچکے تھے اسلئے ان مین بدظنی کا مرض پیدا ہوگیا، اور وہ بیگانون کی طرح یگانون سے بھی سوءِ ظن رکھنے لگے، ان مین محبت ذات نہایت شدت کے ساتھ ترقی کرگئی، اور وہ صرف اپنے کارنامے مبالغہ آمیز طریقہ سے بیان کرنے لگے، ان باتون نے انکو ایک دوسرے دور مین پہنچایا جو اسلام کا بارہوان دور ہی، اس دور مین مسلمان ہر چیز سے بے پرواہ ہوگئے، انکی بصیرت کی آنکھین بے نور ہوگئین اور انکے کانون سے صداے حق کے امتیاز کی قابلیت مفقود ہوگئی اسلئے اب وہ ہر آواز کے سُننے کی طاقت نہین رکھتے تھے، انکو صرف بادل کی گرج اور برق وصاعقہ کی کڑک ہی اپنی جانب متوجہ کرسکتی تھی -

بہرحال اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانون کی ترقی وتنزل اُنکے مزاج عقلی کے تغیرات کا نتیجہ ہے، اور انکے فنا اور بقا کی مدت مین پورا پورا اتحاد پایا جاتا ہے کیونکہ انکی ترقی کا زمانہ ساتوین صدی مین ختم ہوگیا تھا، اور آج انکا تنزل بھی چودھوین صدی مین ختم ہورہا ہے، اسلئے تاریخی حیثیت سے مسلمان نہایت خوش قسمت قوم ہے،

تلخیص و تبصرے

رُوح کی حقیقت

رقمزدہ پروفیسر فیروز الدین مراد ایم ایس سی ایم اے، ادکالج علی گڈھ

(۱) [1] منجملہ ان تمام مظاہر فطرت کے جن سے ہم آشنا ہین وہ مظاہر جو "حیات روح" کے تحت مین رکھے جاتے ہین یا جو بالفاظ دیگر نفس انسان کے وظائف اور اعمال مخصوصہ سے وابستہ ہین ایک لحاظ سے نہایت ضروری اور اہم ہین گو وہ بہت ہی دقیق اور متنازعہ فیہ بھی ہین، چونکہ کارخانہ قدرت کے متعلق معلومات حاصل کرنا، جو اس کتاب کا فلسفیانہ مبحث ہے خود حیاتِ روح کا ایک جزو ہے، اور چونکہ علم الانسان بلکہ علم الکائنات بھی نفس (انسانی) کے متعلق صحیح معلومات کا محتاج ہے، اسلئے ہم علم النفس یعنی روح کے حکیمانہ (سائنٹفک) مطالعہ کو دیگر تمام علوم کی بنا اور اصل مان سکتے ہین، دوسرے نقطۂ نگاہ سے بہی علم النفس، فلسفہ یا علم افعال الاعضا یا علم الانسان کا ایک جزو متصور ہو سکتا ہے،

(۲) علم النفس کو ایک فطری بنیاد قائم کرنے کے لئے انسانی نظام الاعضاء سے اور بالخصوص دماغ سے جو فعلیت نفسی کا خاص مستقر ہے، صحیح واقفیت درکار ہے، اکثر عالمان نفسیات روح کے اس جسمانی مسکن کے احوال سے یا تو بالکل بے بہرہ یا بہت ہی کم آشنا ہوتے ہین، اسی سبب سے یہ خرابی واقع ہوتی ہے، کہ بخلاف دیگر علوم کے علم النفس کے موضوع اور صحیح معنی کی تشریح و توضیح مین بہت سی متناقض اور بعید از عقل باتین پائی جاتی ہین، گذشتہ

---

[1] یہ مضمون جرمن پروفیسر ہیکل کی شہرۂ آفاق تصنیف "معمۂ کائنات" سے مقتبس ہے،

تیس سال مین یہ تناقض اور علم النفس کے موضوع سے صحیح واقفیت بہو ینکے بدنتائج تشریح الابدان اور افعال الاعضا کی شاندار ترقی اور دماغ کی ساخت اور طبعی وظائف کی بہتر تفہیم کے دوش بدوش اور بھی زیادہ نمایان ہوگئے ہین،

(۳) میری دانست مین لوگ جسکو روح سے تعبیر کرتے ہین وہ ایک مظہر فطرت ہے، لہذا مین علم النفس کو علوم طبعی کی ایک شاخ اور علم افعال الاعضا کا ایک جزو سمجھتا ہون، اسلئے شروع ہی مین مجھے نہایت زور سے یہ بتا دینا چاہیئے کہ اس علم مین (یعنی روح کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے) ذرایع تفحص صرف وہی ہوسکتے ہین، جن سے دوسرے علوم طبعی مین کام لیا جاتا ہے یعنی سب سے پہلے ہمین مشاہدہ اور تجربہ سے کام لینا چاہیئے، دوئم نظریۂ ارتقا سے اور سوئم مابعد الطبیعیاتی قیاسات کی وساطت سے بذریعہ استدلال واستقرا مظاہر نفسی کی کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، لیکن اس مسئلہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکی خاطر ہم ناظرین کے سامنے "ثنویت اور وحدیت" کے نظریون کا تضاد پیش کرتے ہین،

(۴) فعلیت نفسی کا عام تصور جسکے ہم مخالف ہین، رُوح اور جسم کو دو متباین ہستیان تسلیم کرتا ہے (اسی بنا پر یہ قیاس نظریۂ ثنویت کہلاتا ہے، اور اسکی مفصل تشریح فلسفۂ ثنویت کے نام سے موسوم کیجاتی ہے) یہ دونون ہستیان ایک دوسرے پر منحصر نہین ہین اور نہ ہی انکا اتحاد انکے وجود کے لئے لازمی ہے، ذی اعضا جسم ایک فانی اور مادّی حقیقت رکھتا ہے اور اسکی کیمیائی ترکیب موادزندہ اور اسکے مرکبات سے ہوئی ہے، برعکس اسکے روح ایک غیر فانی اور غیر مادّی ہستی اور ایک ملکوتی عامل ہے، جسکی پر اسرار زندگی اور فعلیت انسانی عقل کی دسترس سے متجاوز ہے، یہ عامیانہ قیاس اپنے دعوی کے لحاظ سے روحانی اور غیر مادّی کہلاتا ہے اور اسکے بالمقابل مذہب کو مادی کہا جاتا ہے، یہ غیر مادّی قیاس حدود ثبوت سے

متجاوز ایک فوق الفطرت قیاس ہے کیونکہ اسمین ایسی قوتون کا وجو تسلیم کیا جاتا ہے جنکی فعلیت کسی مادی حصل کی محتاج نہین ہے، اس قیاس کی بنیاد ایک مفروضہ "روحانی" غیر مادی عالم ہے جسکا ہمین کچھ شعور نہین ہے، اور جو مادی دنیا کے ماورا اس طور سے موجود ہے کہ معمولی طبعی ذرایع تحقیقات کی وساطت سے ہمین اسکا مطلقاً کچھ علم حاصل نہین ہوسکتا۔

(۵) یہ موہوم "عالم ارواح" جسے مادی کائنات سے بالکل جدا اور آزاد مانا جاتا ہے اور جسکے اوپر فلسفہ ثنویت کے مصنوعی ڈہانچے کا سارا دار مدار ہے، سب کا سب شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، اسی عقیدہ کے متوازی جو مذہب "بقاے روح" یا "عدم فنارِ روح" کو مانتا ہے اسکے متعلق بھی متذکرہ صدر تنقید کیجاسکتی ہے، "بقاے روح" کا سائنٹفک طور پر ناممکن ہونا ہم آیندہ ابواب مین ثابت کردکھا ئینگے، اگر اس عقیدہ کی جو ضعیف الاعتقاد ازود اعتبار آدمیون کے حلقہ مین عام ہے کوئی حقیقی اصلیت ہو تو وہ مظاہر جو اس عقیدہ سے متعلق ہین، "ناموس مواد" کے (یعنی قانون عدم فنار مادہ، اور قانون عدم فنار قوت جنکی مفصل تشریح آیندہ ابواب مین کیجائیگی) تابع نہین ہوسکتے، علاوہ ازین کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی یہ واحد استثنار تاریخ عالم مین بہت دیر کے بعد ظاہر ہوئی ہوگی، کیونکہ اسکا تعلق صرف انسان اور اعلیٰ حیوانات کے "روح" یا نفس ناطقہ سے ہے، نفسیات ثنویہ کا ایک دوسرا ضروری عنصر، یعنی "عقیدۂ اختیار" بھی اسی طرح اس عالمگیر ناموس مواد کے بالکل غیر مطابق ہے،

(۶) فعلیت نفسی یعنی روح کی زندگی اور اصلیت کے متعلق ہمارا طبعی قیاس یہ ہے کہ مظاہر روح تمام دیگر مظاہر فطرت کے مانند ایک مخصوص مادی جوہر پر منحصر ہین، فعلیت نفسی کی اس مادی بنار کو جسکے بغیر یہ تصور مین آہی نہین سکتی ہم "کتلۃ النفس" کے نام سے

موسوم کرسکتے ہین، اور اس طریق تسمیہ کا سبب یہ ہے کہ کیمیائی تحلیل و تجزیہ کی رو سے بہ
کثلتہ الاولیٰ یا مواوزندہ کی قسم کے اجسام ہین شامل ہے، جو انڈے کی سپیدی کی طرح کاربن کے
وہ پیچیدہ مرکبات ہین جنپر تمام روحی حرکات وسکنات اور اعمالِ حیات کا انحصار ہے،
اعلیٰ حیوانات ہین سے جو نظام عصبی اور مخصوص منتقراتِ حواس رکھنے کے اہل ہین، کثلتہ النفس
ہین سے عصبی مادہ یعنی کثلتہ الاعصاب بھی الگ کیا جا چکا ہے، مشرحۂ صدر نقطہ نگاہ سے
روح کے متعلق ہمارا یہ قیاس مادی کہا جاسکتا ہے، علاوہ ازین اس قیاس کو فطری اور
مشاہدہ پر مبنی بھی کہہ سکتے ہین، کیونکہ ہمارے سائنٹفک تجربہ نے آج تک ہمین ایسی مافوق
الفطرت قوی یا عالم ارواح کے وجود کا پتہ نہین دیا جو معمولی قواے فطری یا مادی دنیا سے
ارفع واعلیٰ ہون،

(۷) دیگر تمام مظاہر قدرت کی طرح تغیرات نفسی اور افعال روحی بھی عالمگیر ناموس مواد کے
زیر نگین ہین، یہان بھی کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی کوئی استثنا نہین پائی گئی، (ملاحظہ
ہو باب دوازدہم) نباتات اور حیوانات کی ادنیٰ ترین اقسام کی حقیر حیات نفسی کے مظاہر
یعنی انکا اشتغال پذیر ہونا انکے اضطراری افعال اُنکی حبثیت اور خود تحفظی کی جبلت، ان کے
خلایا کے اندر مواد زندہ ہین اُن طبعی اور کیمیاوی تغیرات کا نتیجہ ہوتے ہین جو کچھ تو کسباً اور
کچھ وراثتاً حاصل کیے جاتے ہین، اعلیٰ حیوانات اور انسان کی ممتاز حیات نفسی کے متعلق یعنی
خیالات اور تصورات کے مرتب ہونے اور عقل وشعور کے حیرتناک مظاہر کی بابت بھی
ہمین بجنسہ یہی راے قائم کرنی چاہیئے، کیونکہ موخر الذکر اعلیٰ حیات نفسی کے متعلق علم ارتقاء
انواع بتاتا ہے کہ یہ مقدم الذکر ادنیٰ حیات نفسی کی ارتقائی (یعنی تدریجی طور پر ترقی یافتہ)
شکل ہے جو مختلف ادنیٰ حیوانات کے منفرق وظائفِ حیات کے اتحاد، ائتلاف اور ایک

مرکز تک ترقی کرجانے سے منتج ہوجاتی ہے،

(۸) ہر علم کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے موضوع اور مبحث کو واضح طور پر بیان کرسکے، دنیا مین کسی دوسرے علم کے لئے اس فرض اولین کی ادائیگی مین علم النفس سے زیادہ زحمت کہین لاحق نہین ہوتی، کیونکہ منطق جسکی وساطت سے یہ فرض ادا کیا جاسکتا ہے خود علم النفس کا ایک جزو ہے، جب ہم مختلف زمانون کے ممتاز ترین فلسفیون، حکیمون اور عالمان سائنس کے ان اقوال کا جو علم النفس کے تصور اساسی کی بابت منقول ہین یکجا جمع کرکے بنظر امعان مطالعہ کرتے ہین تو متناقض آرا اور متبائن خیالات سے حیران و سرگردان ہوجاتے ہین، "روح" درصل کیا ہی؟ "دماغ" یا انسانی نفس ناطقہ سے اسکا کیا تعلق ہے؟ شعور کے حقیقی معنی کیا ہین؟ حس اور وجدان مین کیا فرق ہے؟ جبلت (جسے عرف عام مین عقل حیوانی بھی کہتے ہین) کیا ہے؟ "علم حضوری" کسکو کہتے ہین؟ فہم اور عقل مین کیا فرق ہے؟ "جذبہ" کی صلیبت کیا ہے؟ جسم اور ان تمام مظاہر نفسی کے درمیان کیا علاقہ ہے؟

ان سوالات اور انکے مماثل دیگر متعدد سوالات کے جوابات مین بیحد و حساب اختلاف آرا ہے، نہ صرف بڑے بڑے اہل الرائے علماء کے خیالات مین ان مسائل کے متعلق تضاد و اختلاف ہے، بلکہ غضب تو یہ ہے کہ بہت سے علماء نے جنکی قابلیت مین کسی قسم کا شک و شبہہ نہین ہوسکتا اپنی دماغی ترقی کے مختلف منازل طے کرتے ہوے بسا اوقات اپنی پوری پوری رائین بدلدی ہین، امر واقعہ یہ ہے کہ اتنے کثیر التعداد اہل فکر کی "دماغی قلب ہیئت" نے علم النفس کے تصورات مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا ہے۔

(باقی)

ہربرٹ اسپنسر

انگلستان کے نامی وگرامی فلسفی ہربرٹ اسپنسر کی ولادت کو پوری ایک صدی ہوئی اس تقریب سے حال مین اسکے متعلق متعدد مضامین انگریزی جراید و رسایل نے شایع کئے ہم ذیل مین اس مضمون کا ترجمہ درج کرتے ہین جو پروفیسر ڈی، آر ٹامسن نے جماعت عقلیئین کے مشہور ماہانہ رسالہ لٹریری گائڈ مین شایع کیا ہے، یہ واضح رہے کہ خود پروفیسر موصوف کا شمار اسوقت انگلستان کے ممتاز علمار مین ہے،

ہربرٹ اسپنسر کی تاریخ ولادت آج سے ٹھیک سو برس قبل، ۲۷- اپریل ۱۸۲۰ء ہے، لیکن دنیا مین جتنے تغیرات اس صد سالہ مدت مین ہوئے، یا جتنی طویل اس صدی کی عمر معلوم ہوتی ہے اسکے لحاظ سے موجودہ تاریخ عالم مین کسی پچھلی صدی کو اسکی نظیر نہین قرار دیسکتے، اسپنسر کی وفات ۸- دسمبر ۱۹۰۳ء کو واقع ہوئی، اور اس حساب سے اسے واقع ہوے سولہ سال سے کچھ ہی زاید عرصہ گذرا، لیکن ہم مین سے اکثرون کو یہ شانزدہ سالہ مدت تنہا قرن کے برابر معلوم ہوتی ہے، مسن اشخاص کے ذہن مین اسپنسر کی یاد بالکل تازہ ہے، لیکن ایسے کبیر السن اشخاص گنتی کے چند ہین، دوسری طرف نوجوانون کی عام جماعت کے نزدیک اسپنسر کی ایک فراموش شدہ شخصیت ہے، اور ایک اسپنسر پر کیا موقوف ہے انکے نزدیک وہ سارا دور ہی مہمل تھا ہمارا مقصد اسوقت اسپنسر کی مدح و ذم دونون سے الگ، اسکی سالگرہ کے موقع پر کچھ دیر کے لئے اسکی بابت سوچنا ہے -

مین نے اسپنسر کے ساتھ ایک میز پر بیٹھکر کھانا کھایا ہے، مین نے آتشدان (انگریزی ڈرائینگ روم کا ایک لازمی جزدم کے پاس بیٹھکر اس سے مکالمت کی ہے، میرے پاس اسکے چند مکاتیب محفوظ ہین، اور اگرچہ مجھے اس سے بے تکلفانہ دوستی کا شرف کبھی نہین حاصل ہوا تاہم مجھے فخر ومسرت ہے کہ مجھسے اس سے شخصاً ملاقات تھی، مین اسکے فلسفہ کا قایل نہین، اور نہ اسکے اصول کا متبع ہون، تاہم مین اپنے خزانۂ حافظہ مین اُسکی یادداشتون کو نہایت عزیز رکھتا ہون میری نوعیت حیات اپنی تشکیل وتعین مین اسکے اثرات سے کافی متاثر ہوئی، اور مین پاتا ہون کہ بعض دفعہ بلا قصد واضطراراً بھی اسکے خیالات کو دہرانے اور اُسکی زبان بولنے لگتا ہون،

ملکہ وکٹوریا آج زندہ نہین اور نہ اسکے عہد کے مشاہیر رجال زندہ ہین، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اسکا عہد آج اس سے زیادہ فراموش شدہ ہے، جتنا ملکۂ این (متوفیہ سنہ ۱۷۱۴ء) کا ہے، یہ خیال ایک حدتک ضرور صحت وسنجیدگی رکھتا ہے، اور جس حدتک صحیح ہے تاریخ کے عجائبات مین داخل ہے یہ عجوبۂ تاریخی بار بار تجربہ مین آتا رہتا ہے کہ "حال" کی ذہن مین جو شے سب سے زیادہ فراموش شدہ ہوجاتی ہے وہ ماضی بعید نہین بلکہ ماضی قریب ہی ہوتا ہے "آج" سب سے زیادہ "کل" ہی کا دشمن ہوتا ہے، اِدہر ہم اپنے مُردون کو دفن کرکے آئے، اور اُدہر جدید احباب پیدا کرلئے اور اپنے روزانہ مشاغل مین منہمک ہوگئے، شراب کہنہ کی طرح مشاہیر رجال کی شہرت کو بھی پختگی تک پہنچنے مین کافی عرصہ لگتا ہے، اور قبل اسکے کہ انکی پختگیٔ شہرت کا زمانہ آئے ہم خود ہی دنیا سے رخصت ہوجاتے ہین (اسلئے عظمت وکمال کا اندازہ کئی نسلون کے بعد جاکر ہوتا ہے،

اسپنسر کی بابت مین نے کئی برس ہوے ایک مضمون لکھا تھا، اور اسوقت مین یہ سمجھتا تھا کہ اسکے خاص خاص واقعات سب کو معلوم ہین، لیکن آج کی صحبت مین انہین کو مختصراً بیان کردینا چاہتا ہون، اسپنسر کے آبا واجداد ڈربی کے سیدہے سادہے دیہاتی تھے، ایک زمانہ مین اُنکے

پاس کچھ جائداد تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ ہاتھ سے نکل گئی، اور اسپنسر کے دادا نے اپنے قصبہ مین ایک چھوٹا سا مدرسہ اپنی معاش کے لئے قائم کیا، اسپنسر کے والد جارج اسپنسر ایک بدقسمت شخص تھے، بیسون کام انھون نے شروع کئے، مگر کامیابی کسی مین بھی نہوئی، اس زمانہ مین ایجاد و اختراع کی گرم بازاری تھی، اور انھون نے بھی اختراع کی کوشش کی، پہلے کئی برس انھون نے فیتہ سازی کی کل بنانے پر اپنا سارا سرمایہ اور وقت صرف کیا، لیکن کچھ نہ حاصل ہوا، اس کے بعد چرم سازی، پیمائش زمین اور مذہبی گروہ مین داخل ہونیکی دہن رہی، بالآخر انھون نے ایک مدرسہ کھول لیا کہ اکثر ناکام و نااہل افراد کا آخری سہارا یہی ہوتا ہے، لیکن با این ہمہ وہ بالکل بے مغز یا نااہل تھے، انکی درسی تعلیم برائے نام تھی، لیکن انھون نے اپنی ذاتی کوشش سے خوب معلومات بہم پہنچائے تھے، خصوصاً سائنس سے متعلق، اور برابر علل و اسباب کے کھوج مین لگے رہتے تھے، اپنی رائے پر بڑی مضبوطی سے اڑے رہنے والے، بحث مین کبھی نہ ہار ماننے والے خود احکام ضمیر کے پابند، مگر دوسرون پر بڑی نکتہ چینی کرنیوالے، کسی کی حکومت نہ سہنے والے تقلید سے متنفر، اور دوسری طرف قوت عمل مین کمزور، اور ظرافت، بذلہ سنجی اور فنون لطیفہ کے ذوق سے یکسر معری، یہ انکی خصوصیات زندگی کا خلاصہ تھا،

اسپنسر کا ننھیالی خاندان ایک بالکل دوسری طرز کا تھا، سولھوین صدی کے آخر زمانہ مین بہت سے بیرونی خاندان نواح اسٹربرج مین آکر آباد ہوگئے تھے، مثلاً لورین (فرانس) کے کمہار الوہیمیا کے شیشہ ساز، اور اس سے پہلے اہل نارمنڈی کا ایک معزز خاندان ان سب نوآبادون نے باہم گررشتۂ ازدواج قائم کیا، اور اسپنسر کی والدہ اسی مشترک و مخلوط نسل کی رکن تھین، یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس طرح فولاد کسی نادر ترد ہات کے مل جانے سے اپنی خوبیون مین کئی گنا بڑھجاتا ہے، اسی طرح شجرۂ نسب مین بیرونی خون کی آمیزش سے غیر معمولی آب و تاب

پیدا ہو جاتی ہے، اسپنسر کو اپنے نسب پر بہت ناز تہا، لیکن میرے نزدیک وہ جتنی اہمیت اپنے
اسلاف کی حریت پسندی و پابندی ضمیر وغیرہ کی سمجھتا تہا، اتنی اپنے شیشہ ساز اجداد کی کمال
دستکاری کی نہین سمجھتا تہا،

اسپنسر کی ابتدائی خانگی زندگی بالکل ہی خشک و محدود قسم کی تھی، اسکے والد گرفتار افلاس
تھے، گھر مین مسرت و شادمانی کا نام نہ تہا اور تقریبات مسرت ایک طرف، دوست احباب
تک کا وجود عنقا تہا، لیکن اسپنسر کے دادا اور چچا صاحبان بڑے ہی "بحاث" اور مناظرہ پسند تھے
ملک مین اسوقت کاروباری حیثیت سے زلزلہ آیا ہوا تہا، اس زمانہ مین یہ حضرات ہر قسم کے
سیاسی، مذہبی و معاشری مسئلہ پر خوب جی کھول کر مناظرہ کرتے رہتے تھے، اور اسپنسر کو اس لفظی
جنگ آزمائی مین شرکت کے مواقع بچپن ہی سے ملنے لگے، اسکی تعلیم کا اصلی بار ایک چچا کے
سر پڑا، اور یہ تعلیم تہی ہی کیا؟ ابتدائی ریاضی، لاطینی و یونانی کی ابجد (جسے اپنے مذاق طبیعت سے
بالکل متغایر پاکر کچھ ہی عرصہ مین اس نے چھوڑ دیا) ڈرائینگ اور انگریزی انشا کے ذرا اونچے
اسباق، بس یہی اسکی تعلیم کی کل کائنات تھی، بچپن کی اس بے توجہی و کم استعدادی کی تلافی
اس نے سن رشد پر پہنچکر جس مستعدی و مشقت کے ساتھ کی وہ حیرت انگیز ہے، ابھی اسکا سن
کل سترہ برس کا تہا کہ اُسے لندن اینڈ برمنگھم ریلوے کے دفتر انجینیری مین نقشہ نویسی کی جگہ
مل گئی، ریل سازی کا خبط اُسے نیا نیا شروع ہوا تہا، اور ہر طرف اسی کا زور و شور اسیکی
چیخ و پکار تھی، چنانچہ کچھ ہی روز کے بعد اس نو آموز انجینیر کے تحت مین "اسّی" آدمی کام کر رہے تھے
جو ہیرو روڈ کے پل کی تیاریون مین لگے ہوئے تھے، چار سال تک اسکی زندگی بھی اسی تعمیری
خبط کے لئے وقف رہی، آگے چل کر اسے خود اس تضییع وقت پر افسوس رہا، اور وہ اس زمانہ کو
اپنے زندگی کے بیکار حصہ سے تعبیر کرتا رہا، تاہم یہی وہ زمانہ ہے جسمین اسکے قوی اپنی پختگی کو

پہنچے، ذہن کی پوری تربیت ہوئی، اور اس سے بڑھکر یہ کہ انجنیر و معمار کا مذاق طبیعت اسمین راسخ ہوا، جسکا اثر یہ ہوا کہ آیندہ وہ واقعات عالم کو بھی اسی میکانکی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا خوگر ہوگیا،

بالآخر اسپنسر اس مشقت سڑک سازی سے اُکتا گیا، اور اپنے والد کی خدمت کی غرض سے اس ملازمت سے استعفا دیدیا، والد بزرگوار اسوقت ایک برقی مشین کی تیاری کی ذہن مین تھے لیکن اسکا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پیشتر دوسری اختراعات کا ہو چکا تھا، یعنی یہ مشین بھی نہ چل سکی، اب ریلوے سازی کا خبط ملک مین سرد پڑ چکا تھا، روزگار کا ملنا دشوار ہوگیا تھا اور انیسوین صدی اپنی چوتھی دہائی مین قدم رکھہ چکی تھی، جو افلاس و ناداری کا دور تھا، مجبوراً ہربرٹ اسپنسر نے لندن مین آکر قیام اختیار کیا کہ اپنے قلم کے ذریعہ سے کچھ پیدا کرین، اسوقت اسکی عمر ۲۳ سال کی تھی، اسکے اس دور زندگی کا ابتدائی حصہ بہت ہی افسوسناک ہے، مضامین واپس آتے تھے، قدر دانی کیا معنی، کوئی بات تک نہ پوچھتا تھا، اور مفلسی کا چارون طرف سامنا تھا، لیکن اسکا استقلال بے نظیر تھا، اور محنت وجفاکشی مین کبھی کمی نہ آئی، اس نے چھوٹے چھوٹے مخترعات تیار کرنے شروع کئے، اور حیرت یہ ہے کہ انہین سے اسے مالی منافع بھی ہونے لگے، خاصکر ایک الپین کے ایجاد و اختراع سے توجو طومار کاغذات کی شیرازہ بندی کے لئے تھی، اسے ۵۰ پونڈ حاصل ہوئے! اسی درمیان مین اسے کبھی کبھی انجنیری کا کام بھی ملتا رہا، اور بعض اخبارات بھی خبرون کی ترتیب وغیرہ مین اس سے اجرت پر کام لیتے رہے، غرض کسی نہ کسی طرح وہ بغیر کسیکا دست نگر ہوئے اس زمانہ مین اپنی گذر کرتا رہا، اور فرصت کے اوقات نکال کر پڑہنے اور لکھنے کے مشاغل بھی جاری رکھے،

اسپنسر کی عمر جب ۳۰ سال کی ہوئی تو اس نے اپنی پہلی تصنیف سوشل اسٹیٹکس شایع کی

جامعیت و ہمہ گیری، جسکی سعی وہ اپنی ہر آیندہ تصنیف مین کرتا رہا، اسکی جھلک اس پہلی تصنیف مین بھی نمایان ہے، اس کتاب کا موضوع ایک نظام اخلاق کو پیش کرنا تھا جسکی تفصیل و تکمیل اس نے بعد کو اپنی پرنسپلز آف ایتھکس مین کی، اخلاق کی تعریف اس نے یہ کی کہ وہ ضبط و منع کی چند دفعات کے مجموعہ کا نام نہین بلکہ اس نظام کا مفہوم آزادی کے اُن حدود کو متعین کرنا ہے جنکے مطابق عمل کرنے سے مقاصد حیات پورے لطف و لذت کے ساتھ حاصل کئے جاسکتے ہین، گویا محکومی و اطاعت نہین، بلکہ آزادیٔ عمل، حقوق انسانی کی اہم ترین دفعہ، اور حیات انسانی کی غایت اصلی ہے، مسئلۂ ارتقا کی داغ بیل اسی کتاب سے پڑی، اور کلیہ بقاے اصلح کی بھی، جسکے معنی یہ ہین کہ نسل کے قوی تر عناصر باقی اور ضعیف تر فنا ہوتے رہتے ہین، ابتدائی تشریح اس کتاب مین ملتی ہے، نیز انسان اور موجودات کے باہمی فعل و انفعال تاثیر و تاثر، اور تشکیل ہیئت اجتماعیہ (یہ نظریہ اگرچہ ارسطو بیان کرچکا تھا لیکن اسپنسر کا بیان اس سے ماخوذ نہین،) کی تصریحات اسی کتاب مین ملتی ہین، اس کتاب کا شمار اسکی اعلیٰ تر تصانیف مین نہین، تاہم اس نے ایک خاص امتیاز بہت جلد حاصل کرلیا، اسپنسر کے متبعین و مخالفین اسی وقت سے پیدا ہونے لگے، جنکا سلسلہ آخر وقت تک قائم رہا، چند ہی سال کے بعد ہندوستان کے ایک بڑے عہدیدار نے اسپنسر کو یقین دلادیا کہ ہندوستان کے ایک بڑے صوبہ کی حکومت تمامتر اسکی اسی کتاب کے اصول و قوانین کے مطابق کیجاتی ہے،

اسکی کتاب جس دارالاشاعت سے شایع ہوئی تھی، وہان ہر ہفتہ ارباب علم کا مجمع ہوا کرتا تھا، اسپنسر کی آمد و رفت وہان شروع ہوئی، اور چند ہی روز مین اسکی شہرت لندن کی علمی دنیا مین پھیل گئی، اب اسکی زندگی ایک بے یار و آشنا گوشہ نشین کی زندگی نہ تھی، بلکہ اب اُسے اپنے حلقہ احباب مین جارج ایلیٹ[1]، ولوئیس[2]، اوین[3] وہکسلے[4]، فار بس[5] وہوکر[6]، ٹین[7] و مینین[8] کے

شمار کرنیکا شرف حاصل تھا، چند روز اور گذرے اور وہ علمی دنیا کے ہر ممتاز رکن سے نہ صرف روشناس تھا، بلکہ خود اسکا بھی شمار اسی جماعت مین تھا، اسپنسر نے جس سرعت سے معاشرتی عزت مین ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے، اسے احباب آفرینی مین کمال حاصل تھا تاہم اُسکی ذمہ داری ایک حد تک اسکے معاصرین کی علمی فراخدلی پر ہے، اسوقت کی دنیا موجودہ دنیا سے چھوٹی تھی، علم کی قدر زیادہ اور دولت کی وقعت کمتر تھی، ممکن ہے میری راے غلط ہو لیکن مین اپنی جگہ پر تو یہ باور نہین کرسکتا کہ آج بھی ایک مفلس وگمنام نوجوان اس آسانی سے اپنے معاصرین سے ہمدردی وعزت حاصل کرنے مین کامیاب ہوسکتا ہے،

یہان اسکی حاجت نہین کہ ان تمام تصانیف کا خلاصہ بیان کیا جاے، یا انکے نام ہی شمار کردیئے جائین، جنکا سلسلہ ۱۸۵۵ء مین پرنسپلز آف سائیکالوجی (اصول نفسیات) سے شروع ہوا، یہ نظام فلسفۂ ترکیبی کی سلسلہ کی پہلی قسط تھی، جسمین آگے چلکر اصول اولیہ کے شمول کے ساتھ اصول حیاتیات، اصول نفسیات، اصول عمرانیات، اصول اخلاقیات کے مجلدات تیار ہوئے،

اس سارے نظام فلسفہ کا مرکز مسئلہ ارتقا ہے، ممکن ہے کہ اسکا تخم اسپنسر کے دل مین لایل کی اصول ارضیات کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، (جبے اس نے اپنی ملازمت ریلوے کے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۵۱ انگلستان کی مشہور ناول نویس خاتون، جسکے ناولون مین فلسفۂ سیرت بشری کی بہترین عقدہ کشائی ملتی ہے، ۵۲ اول الذکر کا شوہر، فلسفہ وسائنس، ادب وشاعری کا ایک ممتاز عالم، ۵۳ علم الحیات کا ماہر، ۵۴ علم الحیات اور سائنس کے دیگر اصناف کا استاذ الاساتذہ، ۵۵ سائنس کا عالم، ۵۶ نباتات کا مشہور ماہر، ۵۷ فلسفہ، نفسیات، ومنطق کا ایک نامور عالم ۵۸ منطق کا پروفیسر، (معارف)

زمانہ مین خرید کیا تھا) جیسا کہ ڈارون کے دل مین اس معرکۃ الآرا تصنیف کے مطالعہ سے پیدا ہوا تھا، کچھ روز کے بعد ڈارون کی تصنیف اصل الانواع شائع ہوئی، اسپنسر اسکی تعلیمات کے لئے نہ صرف تیار رہتا، بلکہ بعض حیثیات سے اس سے چند قدم آگے تھا، جس طرح ڈارون اپنے نظریات کو حیاتی وحیوانی مسایل پر روز افزون شرح وبسط کے ساتھ چسپان کرتا رہا، اسی طرح اسپنسر نے مدۃ العمر اپنی توجہ ارتقار کے نفسیاتی، معاشری واخلاقی پہلوؤن کی توضیح وتشریح پر مصروف رکھی،

اسپنسر کی تصانیف کے بعض مقامات اگر آج پایۂ تحقیق سے ساقط نظر آتے ہین تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسی شمع سے صدہا مشعلین اتبک روشن ہو چکی ہین، علم الحیات کے محققین آج ڈارون کی تحقیقات کو کب وحی والہام کے مرتبہ پر رکھتے ہین؟ درآنحالیکہ چند سال پیشتر تک اسکی تصانیف پر سب بے چون وچرا ایمان رکھتے تھے، بااین ہمہ علم الحیات کی عمارت کی بنیاد آج بھی ڈارون ہی کی تحقیقات ہے، یہی حال اسپنسر کا بھی ہے، اسکی تصانیف کا آج شاذ ونادر مطالعہ کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح کہ جیسے دیڈرو اور روسو کا مطالعہ متروک ہوگیا ہے اور ہمین کوئی خاص تکلیف نہین محسوس ہوتی، لیکن اگر اسپنسر اور ان دونون کا وجود نہوا ہوتا تو آج کونسی کتابین قابل مطالعہ ہوتین،

ارتقار کا ناگزیر دنا متناہی سلسلہ کائنات کے ہر شعبہ مین عامل ہے، جس سے فلسفہ مستثنیٰ نہین، ہر دور مین ایک جدید فلسفہ رواج پاتا ہے، اور پچھلے دور کا فلسفہ متروک ہو جاتا ہے، لیکن آزادیٔ خیال انسان کا ایک مسلم فطری حق قرار پا چکی ہے، اب اس سے اُسے کوئی محروم نہین کر سکتا، اور انیسوین صدی کا یہ کارنامہ عقلیت جسقدر ڈارون و اسپنسر کا ممنون ہے، کسی اور کا نہین، اسپنسر کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ اسکی عقلیت اور فلسفۂ ارتقار کے

ما ورا، اسرار کا وجود ہی نہین، بلکہ ہکسلے کی طرح وہ ان چیزون سے متعلق خاموش و مصالحانہ لاادریت کا عقیدہ رکھتا تھا، اور ان مسائل کو اپنے دائرۂ تحقیقات وفہم سے مافوق سمجھتا تھا،

اسپنسر نے عمر طبعی کو پہنچکر اور ہر قسم کا اعزاز حاصل کر چکنے کے بعد وفات پائی، اسکے انتقال پر انگلستان کے اکثر مشاہیر نے جنمین ہر طبقہ، ہر عقیدہ، اور ہر جماعت کے افراد شامل تھے، اور احباب تلامذہ ومعتقدین نے بہ الحاح درخواست کی کہ اس نامور کی خاک کو قومی قبرستان ویسٹ منسٹر ایبے کے ایک گوشہ مین جگہ دیجائے تاکہ دیگر مشاہیر وطن کے پہلو مین اسکی بھی دائمی یادگار قائم رہے، لیکن یہ استدعا منظور نہوئی، دفن کے بعد ایک عالم و فصیح البیان شخص لارڈ کورٹنے نے ایک موثر و دلاویز تقریر کی، جس سے بہتر تعزیتی تقریر کبھی بھی نہ ہوئی تھی، لارڈ موصوف نے اسپنسر کے ان ذہنی کمالات کو بیان کیا جن سے اُسے محبوبیت حاصل ہوئی تھی، جن اشخاص سے اسکی مستحکم دوستی تھی، جن مکانات مین وہ ہمیشہ عزت واحترام کے ساتھ مہمان بنایا جاتا تھا، اسکے پیش نظر کام کی عظیم الشان وسعت، اسکی ان تھک محنت وجفاکشی، کام کی تکمیل پر اسکی مسرت ارتقاء کائنات سے متعلق اسکی محققانہ وہمہ گیر نظریہ، انسان کی حریت شخصی سے متعلق اسکی جدوجہد اسکی حق پرستی، مسائل حیات کی گرہ کشائی مین اسکی عالی ہمتی اور انکسار، اور آخر مین غیبیات (unknowable) کے دائرہ فہم مین نہ آسکنے، وہ ازلی وابدی قانون پر محیط ہونے سے عاجز رہے' اور "ابدی" و "نامتناہی" کے حضور مین خاموشی پر قناعت کرنیکا اعتراف ان مین سے ایک ایک چیز کا لارڈ موصوف نے ذکر کیا،

ان الفاظ کا ہم بہ مسرت اعادہ کرکے اسپنسر کی سادہ زندگی اور مفید خدمات کو یاد کرتے اور اسکے نام کے آگے سر نیاز جھکاتے ہین،

(لٹریری گایڈ)

باب التقریظ والانتقاد

الاستدلال

مصنفہ پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دارالمصنفین

دنیا کے تمام علوم و فنون کی طرح فن منطق نے بھی تدریجی طور پر ترقی کی ہے، ابتداء وہ جس بسیط حالت مین تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب افلاطون نے انسان کی یہ تعریف کی کہ "وہ ایک حیوان ہوتا ہے جسکے دو پانون ہوتے ہین اور پر نہین ہوتے" تو حکیم دیوجانس کلبی نے ایک بال و پر شکستہ مرغ لاکر اسکی مجلس مین چھوڑ دیا اور کہا "یہ افلاطون کا انسان ہے" لیکن افلاطون کے بعد ہی اس فن نے حیرت انگیز ترقی کی، اور ارسطو نے اسکو ایک مستقل کتاب کی صورت مین مدون کیا جسمین آٹھ باب تھے، اور ہر باب ایک مستقل موضوع پر مشتمل تھا، ارسطو کے بعد مسلمانون نے اسمین بعض خاص تغیرات کئے، جنمین سب سے بڑا تغیر یہ تھا کہ خطابت، شاعری، اور جدل جو درحقیقت منطق کے اجزاء نہ تھے، اور جنکو ارسطو نے منطق مین داخل کر دیا تھا انکو خارج کر دیا، اور معقولات عشرہ کی بحث کو بھی جو الٰہیات سے متعلق تھی، منطق سے نکال دیا، اسکے علاوہ بعض خاص مباحث کا اضافہ بھی کیا مثلاً عکس نقیض کی بحث جو منطق ارسطو مین سرے سے موجود نہ تھی، مسلمانون نے اضافہ کی، اور قیاس شرطی جو ارسطو کے ہان بالکل نہ تھا بوعلی سینا نے ایجاد کیا، ان تمام باتون کے ساتھ ایک سب سے بڑا تغیر یہ کیا کہ اس فن کے دو حصے قرار دیئے تصورات اور تصدیقات، جس سے اس فن کی صورت بالکل بدلگئی، لیکن یورپ کی حیرت انگیز

قوت ایجاد و اختراع نے اسمین اور بھی برگ و بار پیدا کئے، اور بیکن نے منطق کی ایک نئی شاخ ایجاد کی جو منطق عملی یا استقرائی کے لقب سے مشہور ہے، یہ ظاہر ہے کہ جب ہم کسی دعوی کی دلیل بیان کرتے ہین تو اسکی دو صورتین ہوتی ہین، ایک تو یہ کہ ہم ابتدا ہی سے چند ایسے اصول بیان کرتے ہین جو مسلمات عامہ مین داخل ہوتے ہین، اور انکی بنیاد پر ثابت کرتے ہین کہ فلان نتیجہ ان سے ضرور لازم آتا ہے، یہ طریقہ استخراج کہلاتا ہے، مثلاً زید فانی ہے کیونکہ یہ قانون کہ انسان فانی ہے مسلم ہے، اور زید اسی قانون کے تحت مین داخل ہے، اس صورت مین پہلے مقدمات مذکور ہوتے ہین اور پھر نتیجہ اسلئے ذہن کا عمل اوپر سے نیچے کو اترتا ہے، بخلاف اسکے دلیل کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ذہن کا عمل نیچے سے اوپر کو چڑھتا ہے، یعنی پہلے ایک جزئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور پھر اسکے قانون کلی کی جستجو کیجاتی ہے، یہ طریقہ استقرار کہلاتا ہے، اگرچہ اسمین کوئی شبہہ نہین کہ استخراج و استقرار کا مقصد بالکل متحد ہے اور دونون مین منفرد اور جزئی واقعات کے ذریعہ سے قواعد کلیہ دریافت کئے جاتے ہین تاہم چونکہ یہ دونون طریقے بالکل الگ الگ ہین، اسلئے اہل یورپ نے منطق کو انہی دو حصون پر جدا جدا تقسیم کر دیا ہے منطق استخراجی مین منطق قدیم کے اکثر مسائل شامل ہین جنکی انتہا قیاس کی بحث پر ہوتی ہے، قیاس سے آگے منطق استقرائی کی حد شروع ہو جاتی ہے، جسمین استقرار، تمثیل، اور مغالطہ وغیرہ سے بحث کیجاتی ہے، یہی حصہ ہے جسکی ایجاد کے اہل یورپ مدعی ہین، اور جسپر انکو اسقدر ناز ہے کہ وہ مسلمانون کے تمام کارنامہائے زرین پر پانی پھیر کر انکو صرف ارسطو کی گاڑی کا قلی کہتے ہین لیکن کیا درحقیقت یہ دعوی صحیح ہے؟ کیا استقرار منطق کی کوئی علیحدہ شاخ قرار پا سکتا ہے؟ اور کیا اسکا وجود قدیم منطق مین کہین نہین ہے؟ جو لوگ دنیا کی ہر چیز کو یورپ کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہین وہ اسکا جواب اثبات مین دینگے، لیکن جن نگاہون پر یورپ کی کورانہ تقلید کا پردہ

نہین پڑا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس دعوی کو سننے کے لئے تیار نہین، بیکن نے بے شبہہ استقرار کی بحث کو زیادہ پھیلا کر لکھا ہے، لیکن اس سے نفس فن پر کیا اثر پڑا؟ استقرار کی بحث پہلے بھی منطق کا ایک ضروری حصہ تھی اور اب بھی ہے، فرق صرف اسقدر ہے کہ پہلے اس وضاحت، اس تفصیل، اور اس جامعیت کے ساتھ نہ تھی جیسی آجکل پائی جاتی ہے، اس بنا پر اسکو منطق کی کوئی جدید قسم قرار دینا صحیح نہین ہے، ارسطو نے قیاس کے اقسام مین صرف حملیات سے بحث کی تھی، مسلمانون نے اسپر بالکل جدید قسم (یعنی شرطی) کا اضافہ کیا، تو کیا انکا یہ دعوی صحیح ہوسکتا ہے کہ انھون نے ایک جدید منطق ایجاد کی؟ کسی فن کی ایجاد اور چیز ہے اور اسکے کسی خاص باب پر اضافہ کرنا اور بات،

لیکن ابھی تک اصل عقدہ حل نہین ہوا، ہمارا دعوی یہ ہے کہ یورپ نے استقرار مین اصولی حیثیت سے کوئی اضافہ نہین کیا، قدیم منطق مین استقرار کے دو طریقے مذکور ہین، استقرار تام اور استقرار ناقص، استقرار تام اسکو کہتے ہین جسمین کسی خاص واقعہ کے متعلق متعدد تجربات کرکے ایک قاعدہ کلیہ قائم کیا جائے، اور استقرار ناقص وہ ہے جسمین چند مثالون کو دیکھکر ایک قاعدہ کلیہ بنالیا جائے، قدیم منطق مین انہی طریقون کو پھیلا کر لکھا گیا ہے، لیکن جدید منطق مین انکی ایسی تحلیل کیگئی ہے جسپر خارج از بحث ہونے کا الزام قائم ہوسکتا ہے، مثلاً یہ ظاہر ہے کہ استقرار کے ذریعہ سے جو قضیہ دریافت ہوگا وہ مشاہدہ اور تجربہ کے وساطت سے ہوگا، قدیم منطق مشاہدہ اور تجربہ کو نظر انداز کردیتا ہے، لیکن جدید منطق مین ان پر بھی بحث شروع ہوجاتی ہے، اسی طرح تصدیق، قیاس، اور تمثیل وغیرہ قدیم منطق مین بالکل جداگانہ چیزین ہین، اور انسے استقرار کے عنوان مین بحث نہین کیجاتی ہے لیکن جدید منطق مین ان سب سے بحث ہوتی ہے جو نہایت برا خلط مبحث ہے، اور تو اور تمثیل جو قدیم منطق مین بالکل مستقل چیز ہے اسکو جدید منطق نے استقرار مین

داخل کردیا ہے جو تاریخ منطق کا نہایت افسوسناک واقعہ ہے، اسی طرح علت و معلول کی بحث جو درحقیقت فلسفہ سے تعلق رکھتی ہے اسکو بھی منطق استقرائی مین جگہ دیگئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استقرار کی بحث مین یورپ نے اصولی حیثیت سے کوئی اضافہ نہین کیا، بلکہ قدیم منطق اور فلسفہ کے چند ابواب کو لیکر استقرار مین داخل کردیا ہے،

بہرحال استقرار منطق کی کوئی جدید قسم ہو یا نہو کتاب زیر ریویو مین اسکو اسی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اور چونکہ کتاب کا مقصد منطق کو جدید پیرایہ مین لانا ہے، اسلئے مصنف کی کوشش ہر طرح قابل داد ہے، مصنف نے طرز بیان نہایت سادہ اور سلیس اختیار کیا ہے، اور تمام مسایل نہایت خوبی سے سمجھائے ہین، جن سے طلبہ اور اردو دان پبلک کی معلومات مین اضافہ ہو سکتا ہے،

مصنف کو متعدد مواقع پر وضع اصطلاحات کی بھی ضرورت پڑی ہے اور انھون نے اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہی، لیکن کہین کہین فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین مثلاً انھون نے عرض لازم اور غیر لازم کو فارق لکھا ہے یا مثلاً تنویع کو اصطفاف لکھا ہے وغیرہ وغیرہ، با این ہمہ یہ تمام فروگذاشتین جزئی حیثیت رکھتی ہین، اور ہمکو کلی حیثیت سے بحث ہے اور اس حیثیت سے یہ کتاب اردو زبان مین اپنی آپ نظیر ہے،

اخبار علمیۃ

صوبہ متحدہ کے سررشتہ تعلیم نے سال آیندہ سے اپنے ہان فارسی و عربی کے چند امتحانات قائم کئے ہین، جنکے اسناد عطا کئے جایئن گے، یہ امتحانات تعداد مین چار ہین جنمین سے ایک فارسی کا ہے اور باقی عربی کے ہین، فارسی امتحان کے بعد مُنشی کی سند ملیگی، اور عربی امتحانات کے بعد مولوی، عالم، اور فاضل کی، امتحانات الہ آباد مین ہر سال مارچ مین ہونگے، مدت تعلیم ہر امتحان کے لئے دو سال کی ہے، امتحانات کے رجسٹرار، انسپکٹر صاحب مدارس عربی الہ آباد ہین، جن سے مزید تفصیلات معلوم ہو سکتے ہین،

منشی کے امتحان مین آبحیات (آزاد مرحوم) واقعات کربلا (انیس) شعر العجم جلد پنجم (علامہ شبلی) دروس الادب (مولانا سید سلیمان) حدائق البلاغت وغیرہ داخل درس ہین، مولوی کے نصاب درس مین کافیہ، بی، اے کورس عربی، الہ آباد یونیورسٹی، شرح تہذیب، شرح وقایہ، ترمذی، جلالین وغیرہ ہین، عالم کا امتحان متنبی، مختصر المعانی، قطبی، شرح ہدایت الحکمۃ، نور الانوار، ہدایہ، بیضاوی وغیرہ مین ہوگا، فاضل کے کورس مین حریری، بدیعی، حماسہ، اسرار البلاغت، ابوداؤد، موطا امام محمد، نسائی، بخاری، مسلم، بیضاوی، مسلم الثبوت، ملل والنحل شہرستانی وغیرہ کے علاوہ درسیات طب نفیسی، شرح اسباب، کامل الصناعۃ، کلیات و معالجات، وحمیات قانون بھی شامل ہین، شیعہ طلبہ کے لئے کتب دینیات اس نصاب سے علٰحدہ ہین، فاضل کے امتحان مین ادب، دینیات، وطب مین سے صرف ایک شعبہ کا انتخاب کرنا ہوگا،

دارالسلطنت جاپان (ٹوکیو) مین جو مخصوص درسگاہ السنۂ غیر (اسکول آف فارن لنگویجز) کے لئے قائم ہے، اسمین مختلف زبانون کے طلبہ کی تعداد حسب ذیل ہے: -

زبان	تعداد طلبہ
انگریزی	۴۳۹
اسپینی	۱۰۹
چینی	۱۰۵
فرانسیسی	۹۶
جرمن	۹۴
روسی	۵۸
منگولی	۸

ایک انگریزی پرچہ لکھتا ہے کہ ان اعداد سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جاپان کے سیاسی و تجارتی تعلقات کس قوم کے ساتھ کس درجہ تک ہین، جنگ سے قبل جرمن زبان کے طلبہ کی تعداد بہت زاید تھی،

سر چارلس بیلنس نے ایک لکچر مین بیان کیا ہے کہ اعصاب انسانی اگر مجروح یا از کار رفتہ ہوجائین تو انکے علاج کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہین نکال کر انکے بجاے کسی حیوان کے جسم کے مساوی جسامت کے تازہ اعصاب لگا دیئے جائین، اس طریقہ سے مریض یا مجروح اعصاب کا انسان بالکل اچھا ہوجائیگا -

---

کرۂ ارض کی عمر کے بابت علماء سائنس مین ہمیشہ اختلاف رہا ہے، امریکہ کے ایک مستند ماہر ارضیات (جیالوجسٹ) کے تازہ تخمینہ کے مطابق کرۂ ارض پر ابتک تین دور گذر چکے ہین، اور اسوقت چوتھا دور ہے، ان ادوار اربعہ کی حسب ذیل مدت اسکے تخمینہ مین گذر چکی ہے،

دور اول	۳ کرور ۶۰ لاکھہ سال
دور ثانی	۲ کرور ۴۰ لاکھہ ″
دور ثالث	۹۰ لاکھہ ″
دور رابع (موجودہ)	۳۰ لاکھہ ″

انگریزی کا ایک ادبی رسالہ لکھتا ہے کہ مختلف ممالک مین موسومہ ذیل اخبارات اول بار فلان فلان زمانہ مین شایع ہوئے ہین،

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
انگلستان (شہر لندن کے لئے)	انگلش مرکری	سنہ ۱۵۸۳ء	اسپین نے اس زمانہ مین انگلستان پر بڑا زبردست بحری حملہ کیا تھا جس سے ملک مین سخت سراسیمگی پھیل گئی تھی، اس اخبار کا مقصد اجراء بے بنیاد افواہون کی تردید تھی،
اسکاٹ لینڈ	مرکیورس پالیٹکس	سنہ ۱۶۵۳ء	اول الذکر کا گویا مثنیٰ ہوتا تھا۔
انگلستان (بیرونی اضلاع کے لئے)	نارڈنس پوسٹمین	سنہ ۱۷۰۶ء	
اٹلی	گزٹ	سنہ ۱۶۲۰ء	

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
امریکہ	بوسٹن نیوز لیٹر	سنہ ۱۷۰۴ء	
بمبئی	بمبئی ہیرلڈ	سنہ ۱۷۸۹ء	
بنگال	بنگال گزٹ	سنہ ۱۷۸۰ء	
؍؍	سماچار درپن (بنگالی)	سنہ ۱۸۱۸ء	(زیر سرپرستی لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل)
بمبئی	بمبئی سماچار (گجراتی)	سنہ ۱۸۲۲ء	
	باغ وبہار (اردو)	سنہ ۱۸۲۸ء	

فرانس کی ایک مشنری سوسائٹی کا جو اسوقت تک انجیل کا ترجمہ ۱۷۵ زبانون مین شایع کراچکی ہے بیان ہے کہ دنیا مین مستقل زبانون کی تعداد چھ سو ہے،

ایک فرنچ محقق موسیو بیرو نے پیرس کی اکاڈیمی آف سائنس کے سامنے حال مین عمر آفتاب سے متعلق اپنا تخمینہ یہ پیش کیا ہے کہ آفتاب کی پیدائش کو زیادہ سے زیادہ ۶۰ لاکھ سال کا زمانہ ہوا ہے،

موجودہ مہاراجہ بڑودہ کی علم دوستی در وشن خیالی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انکے حدود ریاست کے اندر کتبخانون کا ایک جال پھیل گیا ہے، پایۂ تخت کے مرکزی کتبخانہ مین ۷۰۰۰ ۱۷ کتابین ہین، جنمین سے ۲۲۱ ۶۴ مطبوعہ، اور ۶۸۵۶ سنسکرت کے قلمی مسودات ہین، کتبخانہ مین ۲۲۲ اخبارات در سائل آتے ہین اور حاضرین کا روزانہ اوسط ۴۰۰ کا رہتا ہی، شعبۂ نسوان مین

۱۷۱۴ کتابین ہین، اور دارالمطالعہ ۱۸ پرچہ خرید کرتا ہے، آنے والیون کی تعداد سال گذشتہ مین ۱۸۳۳ رہی، شعبۂ اطفال مین حاضری کی تعداد پچھلے سال ۴۰۰ ... ۱ رہی، اضلاع اور قصبون اور قریون کے کتبخانون کا شمار ۳۶۵ ہے، اوران مین کتابون کی مجموعی میزان اب ۴۴۳۴۸۴ تک پہنچ چکی ہے جنمین سے پچھلے سال ۲۱۶۰۶۹ کتابین لوگون کے مطالعہ مین آتی رہین، سفری کتبخانون مین سے ۱۰۲۷۵ کتابین دیہات مین پڑہی گئین،

رایل کالج آف سرجنز کے سامنے پروفیسر کیتھ نے بیان کیا کہ دق وسل کے امراض جس طرح آج پاے جاتے ہین، اسی طرح ولادت مسیح سے پانچ ہزار سال قبل مصر مین بھی انکا وجود تہا اور اسکا ثبوت انھون نے ان قدیم نعشون سے دیا جو اُنکے عجائب خانہ مین محفوظ ہین، علی ہذا آج سے پانچ ہزار سال قبل کی تحریرون مین اور وہ شرائین کی جو تشریح مندرج پائی جاتی ہے، اُسکو بھی انھون نے شرح وبسط سے بیان کیا، انھون نے لوہے کی وہ کھپاچین بھی دکھلائین جن سے تقریباً سنہ ۱۵۰۰ قبل مسیح مین ٹوٹے ہوئے اعضا کی بندش کیجاتی تھی، پروفیسر موصوف کی تحقیقات اگر صحیح ہے تو جدید فن طب، تشریح وجراحی اس سے آگے نہین بڑہا ہے، جہان وہ آج سے پانچ سات ہزار سال پیشتر تہا،

ماہ گذشتہ مین انگلستان کے ایک مشہور مستشرق سر چارلس لایل کی وفات ہوئی موصوف مدت تک ہندوستان مین ممتاز ملکی مناصب پر مامور رہے تھے، سنہ ۱۸۹۸ مین چیف کمشنر صوبہ متوسط کے مرتبہ سے پنشن پائی، اور اسکے بعد بارہ برس تک انڈیا آفس مین کام کرتے رہے اسلامون کے علوم والسنہ، خصوصاً فارسی، عربی اور اردو کے وہ ایک مستند عالم خیال کئے جاتے تھے اور

شعراءِ عرب کے متعدد دواوین انکے تحشیہ و مقدمہ کے ساتھ شائع ہوے، وہ برٹش اکاڈیمی کے فیلو تھے، اور ایڈنبرا، آکسفرڈ، اسٹراسبرگ، مختلف یونیورسٹیون سے ال، ال، ڈی، بی، ایچ ڈی، ڈی لٹ، وغیرہ کی اعزازی ڈگریان رکھتے تھے، انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے آخری ایڈیشن مین ہندوستانی (اردو) لٹریچر پر مضمون انہی کے قلم سے تھا، انکی عمر ۷۵ سال کی تھی،

لیپزگ (جرمنی) کے عجائب خانہ کتب و کتبات نے حال مین اخبار نویسی و فن صحافت کے ارتقاء سے متعلق ایک نمائشگاہ قائم کی تھی، اخبارات ابتداءً طبع نہین ہوتے تھے، بلکہ کتابت ہوکر دست بدست تقسیم ہوتے تھے، اسوقت سے لیکر اس زمانہ تک، جب اخبارات ہفتہ وار طبع ہونے لگے، اور پھر اٹھارہوین اور انیسوین صدیون مین جو تغیرات ہوے، ان سب عہد بعہد ترقیون کا منظر اس نمائش مین پیش ہوا، سولہوین صدی کے اخبارات جنمین تازہ اکتشافات کا بیان ہے یا اپنی اصلی حالت مین، یا انکے عکس، اس نمائش کے لئے فراہم کئے گئے تھے، نمائش کی سب سے زیادہ قابل ذکر شئے کولمبس کا وہ خط تھا جو اس نے ۱۴۹۳ء مین لکھا تھا اور جسمین امریکہ کے دریافت ہونے کی خبر دی تھی،

ماہ ستمبر مین نارفوک (انگلستان) مین عمر خیام، اور اسکے انگریزی شارح فٹز جیرالڈ کی برسی دہوم دہام سے منائی گئی، رباعیات خیام، مترجمۂ فٹز جیرالڈ کو ڈراما کی شکل مین تبدیل کر لیا گیا تھا، اور مقامی مشاہیر نے رباعیات کے مختلف اشخاص افسانہ کے پارٹ اسٹیج پر ادا کئے، ڈاکٹر کرکبائی فیلو، نیو کالج آکسفرڈ، خود خیام بنے، اور نارفوک کے پادری چارلس کینٹ و پرنس دلیپ سنگھ وغیرہ نے دوسرے پارٹ ادا کئے،

امریکہ نے جب گذشتہ جنگ مین شرکت کا اعلان کیا تو جرمنی کے ارباب حل وعقد اسکی شرکت کو قابل مضحکہ سمجھے اور اُنھون نے علانیہ اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ امریکہ کی نا آشنا ے فن حرب قوم کا چند ماہ کے عرصہ مین جنگ عظیم کے شرکت کے قابل ہوجانا ناممکن ہے، لیکن امریکی فوج کے عملی کارنامون نے ثابت کردیا کہ وہ حربی حیثیت سے کسی دوسری فوج سے پست تر نہین، اس "اعجاز" کا حل امریکی اخبارات نے حال مین شایع کیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جونہی امریکہ نے شرکت جنگ کا اعلان کیا، سپاہیون کی بھرتی اور اُنکی تعلیم وتنظیم کا سارا کام امریکہ کے مشاہیر علما رنفسیات کی ایک جماعت کے سپرد کردیا گیا، میجر برکس اس جدید محکمہ کے افسر اعلی تھے، اور امیدوارون مین سے سپہگری کے لئے موزون ومناسب اشخاص کے انتخاب کا کام ملیٹری سائیکالوجی (نفسیات حربیہ) کے دارالعلوم کے اساتذہ کے سپرد تھا، پہلے عام امیدوارون کے انبوہ مین سے نااہل وناموزون افراد چھانٹ کر الگ کردیئے جاتے تھے، پھر جتنے افراد لے لئے جاتے تھے، ان مین سے کرنل اسکاٹ ان افراد کو مختلف شعبون مین الگ الگ تقسیم کرتے تھے، جو کسی خاص شعبہ کے لئے مخصوص اہلیت وصلاحیت رکھتے تھے، اور انتخاب وتقسیم کا یہ سارا کام مختلف نفسیاتی تجربات واختبارات کے ماتحت انجام پاتا تھا، اس طرح جتنے افراد منتخب ہوے وہ اپنے اپنے کام کے لئے بہترین صلاحیت واہلیت رکھتے تھے، امریکی نفسیات حربیہ کے اس حیرت انگیز کارنامہ نے فن نفسیات کی عظمت ورفعت کا ایک اور نقش یورپ وامریکہ کے قلوب پر بٹھادیا ہے،

ایک سائنٹفک رسالہ لکھتا ہے کہ ابتدار سنہ مسیحی سے لیکر اب تک دنیا کے مختلف اقطاع مین کوہہاے آتشین کی آتش فشانیون اور زلزلون کے حسب ذیل نہایت اہم

واقعات وقوع مین آچکے ہین :-

۷۹ء، شہر پامپئی (رومہ) کوہ ویسو ویس کی آتش فشانی سے برباد ہوگیا،

۱۶۶۹ء، کوہ اٹنا کی آتش فشانی سے کیٹینیا (اٹلی) برباد ہوگیا، اور پندرہ ہزار نفوس ہلاک ہوئے،

۱۶۹۲ء، زلزلہ سے بندرگاہ پورٹ رایل (جمائیکا) ۴۰ ۲ فٹ نیچے دہنس گیا اور تین ہزار آدمی ہلاک ہوئے،

۱۶۹۳ء، زلزلہ نے کیٹینیا (اٹلی) کو ۱۸ ہزار نفوس کے ساتھ غرق کر دیا، کل تعداد اموات ایک لاکھہ تک پہنچی،

۱۸۸۳ء، کوہ کراکوٹوا (جاوا) کی آتش فشانی سے ۲۰۰ ہزار افراد کی جانین ضایع ہوئین،

۱۹۰۲ء، کوہ پیلی کی آتش افشانی نے سارے شہر سینٹ پیبری (مارٹینک) کو آنا فانا مٹا دیا، دس منٹ کے اندر ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا،

۱۹۰۵ء، زلزلہ سے دہرمسالہ (پنجاب) مین جسکا اثر لاہور تک پہنچا تھا، دس ہزار جانین ضایع ہوئین،

۱۹۰۸ء مسینا (اٹلی) مین قیامت خیز زلزلہ آیا، جس نے ایک لاکھہ انسانی زندگیون کو نذر اجل کر دیا۔

کچھ روز ہوئے توکوپلا (مملکت چلی، جنوبی امریکہ) مین ایک قدیم نعش عجیب وغریب ہیئت کے ساتھ برآمد ہوئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کان کن تھا، اور تانبے کی ایک کان کے اندر بیٹھا ہوا کچے تانبے کو صاف کر رہا تھا، عین اپنی حالت مین کان بیٹھ گئی، اور یہ

شخص اسی حالت مین دبکر مرگیا، کام کرتے وقت یہ شخص جس وضع وہیئت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوگا ٹھیک اسی حالت کے ساتھ اسکی نعش برآمد ہوئی ہے، علمار فن کی متفقہ راے ہے کہ یہ نعش چھ صدیون سے قبل کی ہے، البتہ اس باب مین یہ لوگ مختلف الآرا ہین کہ متوفی کس قوم و نسل کا شخص تھا،

پونہ مین بھنڈارکر ریسرچ انسٹیٹیوٹ، مشرقی علوم والسنہ کی جوگرانبہا خدمات انجام دے رہا ہے، ان کا ذکر معارف مین اس سے پیشتر آچکا ہے، اسی نوعیت کی ایک دوسری چیز بمبئی مین بھی ہے، جسکا نام کاما اورنٹیل انسٹیٹیوٹ ہے اور جو ایک فارسی فاضل شمس العلما کے، آر، کاما کی یادگار مین گیارہ سال سے قائم ہے، گذشتہ اگست مین اسکا گیارہوان سالانہ اجلاس ڈاکٹر جمشید جی مودی کی زیر صدارت منعقد ہوا، سکریٹری کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ پچھلے سال گورنمنٹ سے تیس ہزار کا عطیہ اس غرض سے موصول ہوا کہ تحقیقات عالیہ کے لئے رفقا پر یہ رقم صرف کیجائے، مسٹر بومن جی نوشیروان جی ایم، اے، جو اس غرض سے رفیق منتخب ہوے تھے کہ تمام مطبوعات ومسودات موجودہ انسٹیٹیوٹ مذکور کی ایک مفصل ومشرح فہرست تیار کرین، اپنے کام سے فارغ ہو چکے، سال آیندہ کے لئے ایک جدید رفیق (فیلو) کا تقرر اس غرض سے ہوا ہے کہ وہ پہلوی کتبات اور سکہ جات پر لکچر دین، ایک اور رفیق (فیلو) اس کام پر متعین کئے گئے ہین، کہ وہ سورت وبھروچ مین گشت لگا کر پارسیون کی تاریخ سے متعلق ہر قسم کا سرمایۂ معلومات فراہم کرین، ایک فیاض معطی کی جانب سے اسکا اعلان کیا گیا کہ انھون نے ایک سال کے لئے تین سو ماہوار کا عطیہ تاریخی تحقیقات کے اغراض کے لئے منظور کیا ہے۔

پونہ کی گذشتہ مشرقی کانفرنس کے موقع پر کاما انسٹیٹیوٹ نے اپنے ہان کے پانچ نادر مسودات علمی نمائش کے لئے بھیجے تھے جنمین حسب ذیل قابل ذکر ہین:-

(۱) قانون مسعودی

(۲) محیط معرفت،

(۳) مہابہارت، (پانچ ابواب)

ڈاکٹر کاما کو سب سے زیادہ شغف ایرانی علوم وفنون سے تہا، انکے انسٹیٹیوٹ کے کارکنون کو سب سے زیادہ دلچسپی اسی سے ہے، امید ہے کہ انکی کوششون سے کچھ عرصہ مین ایرانی تاریخ ایرانی علوم، وایرانی السنہ کے متعلق ایک عظیم الشان ذخیرۂ معلومات فراہم ہوجائیگا۔

ادبیات

غزل

حضرت جگر مرادابادی

جورِ گلچین و جفائے باغبان دیکھا کئے
جو دکھایا تونے وہ اے آسمان دیکھا کئے

شامِ فرقت دل کی آہون کا دھوان دیکھا کئے
ہر طرف ہم آسمان ہی آسمان دیکھا کئے

آج کن آنکھون سے یہ جورِ خزان دیکھا کئے
سب چمن لٹتا رہا اور باغبان دیکھا کئے

جب چمن سے لیچلا صیاد کرکے ہمکو قید
دُور تک مُڑ مُڑ کے سوئے گلستان دیکھا کئے

اب قفس مین ہوش آیا تو یہ حیرت ہی ہمین
کسطرح آنکھون سے لُٹتے آشیان دیکھا کئے

جی بھر آیا ناتوانی مین جو راہِ شوق مین
دیر تک ہم نقشِ پائے رہروان دیکھا کئے

تہا اسیری مین بھی کچھ ایسا تعلق رُوح کو
ہم قفس مین روز خوابِ آشیان دیکھا کئے

کیسی سیرِ لالہ و گل، باغ مین جبتک رہے
دستِ گلچین یا نگاہِ باغبان دیکھا کئے

(۲)

مرزا احسان احمد بی اے، ال ال بی، وکیل

جب یون پھری ہوئی نگہِ باغبان رہے
پھر کسطرح چمن مین مرا آشیان رہے

کچھ ایسے محوِ لذتِ دردِ نہان رہے
دنیا سے بے نیاز رہے ہم جہان رہے

صیاد تجھسے خوش رہے یا سرگران رہے
لیکن اسیرِ غم وہی طرزِ فغان رہے

اتنا کرم تو مجھہ پہ مرے باغبان رہے
سب کچھ ہو دور پاس مگر آشیان رہے

کچھ آج ایسی شان سے آہ و فغان رہے
چارونطرف قفس کے دھوان ہی دھوان رہے

یون ہوشیار راہِ محبت تو لطف ہے
دل مین بھرا ہو درد مگر چپ زبان رہے

دروازہ قفس ہے کہلا دیر سے مگر
حیرت یہ ہے ہمین کہ ہم اب تک کہان رہے

قید قفس مین جی جو بھر آیا تو دیر تک
ہم آج دیکھتے ہی سوے گلستان رہے

پامالی چمن ہو نگاہون کے سامنے
اور اُسپہ حکم یہ ہے کہ ضبط فغان رہے

صیاد کی نگاہ مین ہے کسقدر عزیز
تہوڑی سی وہ جگہ بھی جہان آشیان رہے

آنے لگے ہین خواب اسیری ہمین نظر
گلشن مین اب بہار رہے یا خزان رہے

ذوقِ ستم سے ہو نہ سکا بے نیاز مین
ہر چند میرے حال پہ وہ مہربان رہے

لٹتا رہا قفس کے قریب اپنا آشیان
ہم تھے کہ پھر بھی مائلِ خواب گران رہے

اے چشم شوق آج ہو یون عرضِ مدعا
ہر جنبشِ نگاہ ہین اک داستان رہے

(۳)

ہادی مچھلی شہری

ذوقِ کرم کو یون بھی نہ رسوا کرے کوئی
کبتک کسی سے عرض تمنا کرے کوئی

ہے کشمکش مین جذب نظر سے نقاب حسن
اتنا نہ چشم شوق سے پردا کرے کوئی

مانا کہ اضطراب ہے شرمندہ سکون
قابو چلے نہ دل پہ تو پھر کیا کرے کوئی

کہتا ہے حسن سارے علائق سے چھوٹکر
تکو تنہا کے سامنے دیکھا کرے کوئی

اللہ رے لطف یار کی بے التفاتیان
کبتک نگاہِ یاس سے دیکھا کرے کوئی

ہو جاے کاش فیصلہ یاس و آرزو
کبتک تری نگاہون کو دیکھا کرے کوئی

لے دیکے اک تمہین تو ہو سرمایہ حیات
پوچھو نہ تم بھی بات تو پھر کیا کرے کوئی

کچھ شغل چاہیئے دل محزون کے واسطے
ہادی نہ مضطرب ہو مگر کیا کرے کوئی

(۴)

مولوی ابوالحسنات تیّر ندوی

یاس کا گہر جو مرا یہ دلِ رنجور ہے آج　　آرزو دل کی بھی اب دل سے کہین دور ہی آج

بنگئی اپنی خودی پردۂ دیدارِ جمال　　سامنے رہ کے نگاہون سے وہ مستور ہی آج

حسن کچھ غیر نہین، دید سے محرومی کیون؟　　خود مرا تارِ نگہ جلوہ گہِ طور رہے آج

عشق کی خیر ہو یارب کہ ملی لذتِ زیست　　تن مین ہر قطرۂ خون صورتِ ناسور ہی آج

دہر آئینہ ہے اس جلوۂ یکتا کے لئے　　حسن آپ اپنی ہی دیدار سے مسرور ہی آج

ہان کسیکی نگہ ناز نے پھر چھیڑ دیا　　زخم دل دیکھ رہا ہون کہ بدستور ہے آج

ذرّہ ذرّہ سے انا الحق کی صدا اُٹھتی ہے　　دل جو شورافگنِ آوازۂ منصور ہے آج

جلوۂ وادیٔ ایمن کی حقیقت معلوم

دل کا جو داغ ہے وہ شمعِ سرِ طور ہے آج

مطبوعات جدیدہ

رباعیاتِ ابوسعید ابوالخیر، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر پہلے شخص ہین جھنون نے فارسی شاعری مین صوفیانہ خیالات ادا کئے، یہ انہی کی رباعیان ہین، جنکو پروفیسر کے، ایم متر ایم، اے (لاہور) اور مولوی عبد العزیز منہاس بی، اے، وکیل (گوجرانوالہ) نے مرتب کرکے شایع کیا ہے، یہ رباعیان چونکہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہین اسلئے ان مین تصوف کے حقائق اور مسائل موجود نہین، البتہ عشق و محبت کے جذبات ہین جنمین تصوف کا رنگ جھلک رہا ہے، آج فارسی شاعری مین تصوف کا جو وسیع سرمایہ موجود ہے، اسکی بنیاد انہی رباعیون پر ہے، اس بنا پر ان کے مرتب کرنے والون نے درحقیقت فارسی زبان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے جسکے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہین، اس رسالہ مین ۴۸ رباعیان ہین اور اسکی قیمت ایک روپیہ ہے، پتہ: شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور،

مقامِ حدیث، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مذہبی رسائل کا ایک نہایت مفید سلسلہ شروع کیا ہے جنمین سے بعض پر معارف مین ریویو بھی ہوچکا ہے، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اسکے مصنف مولوی محمد علی صاحب ایم، اے امیر جماعت احمدیہ ہین جسمین انھون نے حدیث کی صداقت، ضرورت، جمع و ترتیب، اور جرح و تعدیل وغیرہ پر بحث کی ہے اور نہایت عالمانہ پیرایہ مین کی ہے، لیکن بعض جگہ فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین، مثلاً انھون نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ حدیث کا درس باقاعدہ طور پر تابعین کے زمانہ مین شروع ہوا، حالانکہ اسکا سلسلہ خود حضرت عمر کے زمانہ مین قائم ہوچکا تھا، اور مختلف مقامات مین متعدد صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے، بہرحال

چونکہ مولف کا مقصد محض حدیث کا درجہ اور مرتبہ ثابت کرنا ہے، اسلئے بلاشبہہ وہ اسمین کامیاب ہوئے ہین، اور ہم اس مفید علمی خدمت پر انکو مبارکباد دیتے ہین، رسالہ کی قیمت ہے اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتا ہے،

انجمن ترقی تعلیم کے وظائف، یہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند امرتسر کی سالانہ رُوداد ہے، جسمین اُن طلبہ کی فہرست دیگئی ہے جو اُسکے وظائف سے تعلیم پارہے ہین اور جنکی موجودہ تعداد ۱۸۰ ہے، انجمن نے اپنی مختصر سی عمر مین نہایت خاموشی، سکون، اور استقلال کے ساتھ مسلمانون کی جو خدمت کی ہے اسکی نظیر سے تمام اسلامی مدارس اور انجمنین خالی ہین، اور یہ بلاشبہہ مولوی محمد عمر صاحب مرحوم سکریٹری اور ارکان انجمن کے جوش، خلوص، دیانت اور ایمانداری کا نتیجہ ہے، جس نے اس انجمن کو قابل تقلید بنادیا ہے، انجمن مذکور کے موجودہ سکریٹری جناب خواجہ مظہر حسین صاحب بی، اے وکیل نے اس رودادمین قلت سرمایہ کی شکایت کی ہے، اور انجمن کے مقاصد کے لحاظ سے پانچ لاکھہ روپیہ کی اپیل شایع کی ہے،

انجمن حمایت اسلام کا ماہوار رسالہ: شعبان، رمضان، اور شوال کے یہ پرچے ہین، جنمین انجمن کے موجودہ تغیرات اور انتظامات کے علاوہ مختلف مذہبی اور تعلیمی مضامین درج کئے گئے ہین، جنمین سے ایک تاتاری مسلمان اور تعلیم عربی ہے جو جناب مولانا عبد السلام ندوی کے قلم کا نتیجہ ہے، ایک پرچہ مین سیر سلیمان کے عنوان سے جناب مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خط نقل کیا ہے، جو انھون نے مولوی مسعود علی صاحب ندوی کے نام لکھا تھا اور جسمین وینس وغیرہ کے حالات ہین۔

مجلد ششم	ماہ ربیع الاول سنہ ۳۹ھ مطابق نومبر سنہ ۲۰ع	عدد پنجم

مضامین

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ عائشہؓ، از مولانا سید سلیمان ندوی، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے احوال زندگی کی تفصیل، قرن اول کی خانہ جنگیوں کے اصلی اسباب کی تشریح، ام المومنین کے فضائل و اخلاق کا بیان اور انکے علمی اجتہادات و کمالات پر تبصرہ، چھپکر تیار ہی ضخامت ۲۵۰ صفحات، قیمت درجہ اول (کاغذ و طبع اعلی) (۳) ، درجہ دوم (۳) ، درجہ سوم (کاغذ دیسی سفید) ۸/، ۔ منیجر

شذرات

عدم تعاون اور ترک موالات کے مسئلہ نے ہندوستان کے سطح تعلیمی مین جو زلزلہ پیدا کر دیا ہے، اوس سے عربی مدارس بھی غیر متاثر نرہے، مدرسہ عالیہ کلکتہ، دار العلوم ندوۃ العلمار لکھنؤ، مدرسہ نور الہدیٰ بانکی پور، مدرسہ دار العلوم مئو (اعظم گڈھ) دار العلوم اسلامیہ پشاور کے نام اس سلسلہ مین سننے مین آئے ہین، اگر ہم سے پوچھا جاے تو ان مدارس مین اگر یہ تحریک اسوقت عام نہ بھی ہوتی تو بھی مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا توڑنا ہر حیثیت سے فرض تھا، یہ وہ مچھلی ہر جسنے بنگال کے تمام تعلیمی تالابون کو گندہ کر رکھا ہے، بنگال کے وسیع رقبہ مین ایک درسگاہ ایسی نہین جو مدرسہ عالیہ کے جال سے محفوظ ہو، اس وقت صوبۂ بنگال مین کم از کم ۲۵ ہزار طالب العلم عربی پڑھنے مین مشغول ہین اور سیکڑون مدرسے ہر طرف قائم ہین، لیکن یہ سطح مدرسۂ عالیہ کے نظم و نسق و ترتیب کی زنجیرون مین جکڑے ہوے ہین، کہ وہ گورنمنٹ کے دیگر صیغون اور محکمون کی طرح دست شل ہو کر رہ گئے ہین جن مین ہر طرح کی ترقی و تجدید و اصلاح ناممکن ہے، اور وہ کسی حیثیت سے مسلمانون کی مذہبی و تعلیمی ضرورتون کو پورا نہین کر سکتے ہین، اور اونکا وجود اونکی جگہ پر دوسرے مدارس کے قیام کے لیے سد سکندری ہو گیا ہے، اس سلسلہ مین اگر بنگال کی عربی تعلیم کی اصلاح کا کام انجام پا جاے تو درحقیقت قوم کی ایک بڑی ضرورت رفع ہو جاے،

دار العلوم ندوۃ العلمار لکھنؤ کے ارکان انتظامی نے ڈیڑھ دن کے متصل و سرگرم مباحثہ کے بعد ۔۔ ۵ ماہوار کی سرکاری اعانت کا لینا بند کر دیا، دار العلوم کیلئے یہ رقم اسقدر ناگزیر تھی کہ اسکے ہٹ جانیکے

بعد فوراً اسکی زندگی گویا معرض خطر مین آگئی ہی تقریباً ایکہزار ماہوار کا جو صرف ہی سرکاری امداد کے انکار کے بعد صرف سرکار بھوپال کی ۲۵۰ روپیون کی ایک امداد اسکے پاس رہ گئی ہے، کسی اور قسم کا سرمایہ اوسکے پاس نہین، ہماری درخواست پر مدرسین کرام نے اپنی مقدس جماعت کے رتبہ کے مطابق بڑے ایثار کا ثبوت دیا، تاہم تین برس کے لیے کم ازکم تیس ہزار روپے کی ضرورت ہے، کیا ہم قوم سے امید رکھین کہ وہ اوسکی جھولی کے بھرنے مین اپنے رتبہ کے مطابق ایثار کا ثبوت دیگی ؟

ع خدا شرّے برانگیزد کہ خیرِ ما درو باشد، اس مصرع کی صحیح بیانی کی تصدیق موجودہ مسئلۂ ترک موالات کے ضمن مین بھی ملے تو عجب نہین، سرکاری یونیورسٹیون سے قطع تعلق کے بعد قومی یونیورسٹیون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، یہ یونیورسٹیان علی گڈھ اور احمد آباد مین قائم ہو رہی ہین، ان مین تعلیم کی زبان اُردو، ہندی اور گجراتی ہوگی، ہمارا مدت سے خیال ہے کہ کوئی زبان بغیر تعلیمی زبان بنے علمی اور عام زبان نہین بن سکتی، اگر قومی یونیورسٹیونکا خواب سچا نکلا تو آپ تھوڑے ہی دنون مین دیکھ لینگے کہ آپ کی زبان ہر قسم کے لٹریچر سے کسقدر مالا مال ہو جاتی ہے،

بیسوین صدی کا پہلا سال تھا (سنہ ۱۹۰۱ء) کہ اُردو اور ہندی نے دو رقیب پہلوانون کی حیثیت سے سرکاری محکمون کے دنگل مین قدم رکھا، اس دنگل کے حکمت استاد میکڈانل صاحب کی نیت جو کچھ ہو مگر اسمین شک نہین کہ اونکا پیچ دونون حریفون کو دست و گریبان کرنے مین نہایت کامیاب ہوا۔ اوسوقت سے اسوقت تک اُردو ہندی کے جھگڑون نے ہماری بزم ادب کو مکدر اور غمزدہ کر رکھا ہے، بیس برس کے بعد گجرات کی خاک سے ایک صلح جو اور مرنج و مرنجان

ہستی (گاندھی) نے ظہور کیا، جسنے اردو ہندی کے تمام جھگڑون اور نزاعون کو سنکر فیصلہ کیا کہ انکی حیثیت نزاع لفظی کے سوا اور کچھ نہین، اور اسلیے اونھون نے ایک تیسری اصطلاح وضع کی یعنی ہندوستانی، گو اس اصطلاح کے اصل واضع انگریز ہین، تاہم یہ بدیسی چیز اگر دو قومون کے درمیان مصالحت کرا سکے تو سودیشی کے حامی اوسکو برا نہ جانینگے،

آجکل جب ایک متحدہ ہندوستان کی بنیاد ڈالی جارہی ہے، اور ہندوستانیون کی ایک متحدہ قومیت کی تعمیر کی فکرین ہورہی ہین ملک کے لیے ایک متحدہ زبان سے چارہ نہین، کسی قوم کے اتحاد کے صرف تین عناصر ہین، نسل، مذہب اور زبان، نسل کے لحاظ سے تو ہندوستان دنیا کی قومون کا مجموعہ ہے، اسلیے یہ اتحاد تو سرے سے مفقود، مذہب کا اتحاد بھی ناممکن ہے، لے دے کے صرف ایک زبان رہ گئی، اگر وہ بھی ایک نہو تو متحدہ قومیت کی دیوار کی اینٹین کس مسالہ سے پیوست ہونگی، اب کہ قومی تعلیم کا سوال درپیش ہے اس مدت کے الجھے ہوے مسئلہ کو بھی طے کردینے کا موقع ہے،

ہم نے متعدد دفعہ انھین صفحات مین اس مسئلہ کا تذکرہ کیا ہے اور جب کبھی سمجھدار ہندو مسلمانونکے مجمع مین بولنے کا اتفاق ہوا ہے ادھر اُن کو توجہ دلائی ہے، کیمبرج کے ہندوستانی طلبہ کے مجمع مین جہان تمام ہندوستان کے صوبونکے نوجوان فرزند موجود تھے اس مسئلہ پر پُرزور تقریر کی، ۶، اکتوبر کو بمبئی کی نوجوان ہندوستانیون کی ہوم رول لیگ مین اسکی طرف توجہ دلائی کیونکہ اب نظر آتا ہے کہ اُردو ہندی کی کشمکش ہندوستان کی دونون قومون کے درمیان اجنبیت اور بیگانگی کی ایک دیوار کھینچ رہی ہے، ابھی ۱۰ نومبر کو مئو مین ایک جلسہ کی شرکت کا اتفاق ہوا جسمین ایک سوامی جی بھی جو گرو کل کے تعلیم یافتہ تھے مقرر کی حیثیت سے شریک تھے، ہم دونون

کی تقریرون کا موضوع بھی ایک ہی تھا، لیکن یہ کیا عجیب بات تھی کہ نہ وہ میری پوری تقریر سمجھ سکے اور نہ مین اونکی پوری بات سمجھ سکا، کیا حکومتِ ملکی یا سوراج کے حصول کے بعد ہمارے ایوان حکومت کے ارکان کا بھی یہی حال ہوگا،

اردو اور ہندی مین جو فرق ہے وہ درحقیقت نہایت معمولی ہی ہر زبان تین عنصرون سے مرکب ہوتی ہے، اسم، فعل اور حرف، اُردو اور ہندی مین جسقدر افعال اور حروف ہین وہ تمامتر ایک ہین، جھگڑا صرف اسمار کا ہی اگر عربی اور فارسی اسمار زیادہ ہین تو وہ اُردو ہی اور اگر سنسکرت اور بھاشا کی اسمار زیادہ ہین تو وہ ہندی ہے، اس مسئلہ مین دونون زبانون کے حامیون کے درمیان افراط و تفریط ہے، ہمارا خیال یہ ہی کہ اسوقت تک جو زبان ہندوستانی کے نام سے پشاور سے لیکر برما تک بولی جاتی ہے اور اوسمین جس حد تک عربی فارسی سنسکرت اور بھاشا کے اسمار اوسکے اندر آگئے ہین وہ مطلب کے ظاہر کرنے کے لیے کافی ہین، اب نئے نئے اور موٹے موٹے عربی یا فارسی یا سنسکرت کے الفاظ بھر کر دو مختلف زبانین بنانا نامناسب ہی آج سے بیس برس پہلے اب جسکو ہندی کہا جاتا ہی اوسکا وجود بھی نہ تھا، دیہاتون مین ہندو مسلمان جو زبان بولتے ہین وہ ایک دہقانی زبان ہے جو ہر ملک کے دیہاتون مین پائی جاتی ہے لیکن وہ کہین دفتری یا علمی زبان نہین بنائی گئی،

یورپ مین سوئٹزرلینڈ کی بالکل یہی کیفیت ہے، اس پہاڑی ملک مین جرمن، فرنچ اور اٹالین تین قومین آباد ہین، اور ہر قوم اپنی زبان آپ بولتی ہے، اور اپنی آبادی مین اوسکی تعلیم، معاملات اور دفتر کی وہی زبان ہے لیکن کل ملک کی عمومی دفتری زبان بھی ایک ضروری

اور وہ فرینچ ہے اسی طریقہ سے اگر ہندوستان کی صوبہ دار زبانین اپنے اپنے صوبون مین بولی جائین تو کچھ ہرج نہین، بشرطیکہ ایک نہ ایک عمومی زبان ہی طے ہو جاے،

اردو مین عمومی زبان بننے کی مختلف ترجیحی دلیلین ہین، اول یہ کہ کم ازکم ایک قوم یعنی مسلمانون کی یہ مشترکہ زبان ہے، لیکن ہندی کو یہ حیثیت حاصل نہین ہے، دوسرے یہ کہ عملاً ہر صوبہ مین یا ہر اسٹیشن پر بیرونی ملک کے ہندوستان مین رہنے والون کے اندر بلکہ ہندوستان سے باہر بھی یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے، اس سفر یورپ مین تو مجھے اردو کی جغرافی وسعت پر سخت تعجب آیا، ہندوستان سے باہر عدن کی تو یہ گویا زبان ثانی ہوگئی ہے، وہان بے تکلف یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے حضر موت کا ایک عرب لڑکا مجھے مصوع سے آتے جہاز پر ملا، وہ خاصی اُردو بولتا تھا مین نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کبھی ہندوستان نہین گیا، عدن مین انگریزونکی نوکری اس نے کی ہے مصر مین پورٹ سعید کے تمام خلاصیون اور ملاحون کو دیکھا کہ وہ خاصی اُردو بولتے تھے، دریافت سے معلوم ہوا کہ انھون نے ہندوستان کی صورت بھی نہین دیکھی، مصوع کے افریقی سواحل پر بھی یہی منظر نظر آیا، یہ صرف ہندوستانی مسافرون کی آمد ورفت کا نتیجہ ہے، بصرہ خلیج فارس اور حجاز کی بھی یہی کیفیت سنی ہے، ادھر افغانستان تک اسکا اثر اور اقتدار معلوم ہوتا ہے، افغانستان کے اخبارات کی زبان تک سر اردو کی بو آتی ہے، علاوہ ازین، انڈمان، پورٹ بلیر، جنوبی افریقہ، مارشس جہان جہان ہندوستانی پہنچے ہین ہندوستان کی یہ زبان جسکو خواہ اُردو کہو، ہندی کہو یا ہندوستانی پھیلتی چلی گئی ہے،

اخبارات سے یہ خبر معلوم ہوچکی ہوگی، کہ جناب مولنا مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی نے

۷ - نومبر ۱۹۲۰ء کو بعارضۂ فالج بھوپال مین انتقال کیا، مفتی صاحب مرحوم عربی درسگاہونکی قدیم تعلیم کے بہترین نمونہ تھے، ہندوستان کے مشاہیر علما مین اونکا شمار تھا، وہ ادب مین مولانا فیض الحسن صاحب اور دینیات مین مولانا احمد علی صاحب محدث کے شاگرد تھے، مولانا فیض الحسن صاحب کے انتقال کے بعد اورنٹیل کالج لاہور کی پروفیسری کی جگہ اونکو ملی، اور اونکی عمر کا بڑا حصہ اسی درسگاہ مین گذرا، اخیر زمانہ مین وہ دار العلوم ندوہ کے مدرس اعلے مقرر ہوے تھے اور اسکے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس ہوے، اور یہین سے بیمار ہوکر اپنے صاحبزادہ جناب مفتی انوار الحق صاحب ایم اے ناظم و مشیر تعلیمات بھوپال کے پاس گئے تھے، جہان اونھون نے وفات پائی، غالبًا وفات کے وقت مفتی صاحب مرحوم کی عمر ستر کے قریب ہوگی، تعلیمی خدمات کے علاوہ مفتی صاحب کا بڑا کارنامہ انجمن مستشار العلماء لاہور ہے، جو ایک قسم کا دار الافتاء ہے، مرحوم نے بعض عربی کی درسی کتابون پر حواشی بھی لکھے تھے، اونکی وفات سے علما کی صف مین ایک ایسی جگہ خالی ہے جس کے بھرنے کی اب آیندہ امید نہین،

بعض اہل علم اور سمجھدار ہندوستانیون نے جو کسی نہ کسی مقصد سے انگلستان مین اقامت پذیر ہین، مختلف اغراض سے چند انجمنین قائم کی ہین، ان مین ایک انجمن "دی یونین آف ایسٹ اینڈ ویسٹ"، یعنی "اتحاد مشرق و مغرب" ہے، اس انجمن کا مقصد یہ ہی کہ مشرق و مغرب کو علم و فن، مصوری، فلسفہ، ادب، موسیقی اور ڈراما کے میدان مین ایک چبوترہ پر جمع کیا جاے، کے، ان، داس گپتا اسکے سکرٹری ہین، ۱۹۱۹ء مین اسکے متعدد جلسے لندن کے مختلف ایوانون مین ہوے جن مین انگریزی اور ہندوستانی مقررون نے مختلف مضامین پر تقریرین کین، ذیل مین ہم سال گذشتہ کے مقررین اور عنوانات تقریر کا نقشہ دیتے ہین،

ماہ	مقررین	عنوان
جنوری	یوسف علی سابق ڈپٹی کمشنر (صوبہ متحدہ)	گلیپولی مین ایک ہندوستانی ہیرو
مارچ	ایم، ایچ، اصفہانی	اکبر
اپریل		حیات بعد الممات
مئی	ارنسٹ رہائس، کے، ٹی، پاول۔ ان ایم سو مارتھ، ایڈمنڈ رسل، کینیتھ سونڈرس ڈاکٹر ٹویلن،	ہندوستان اور برطانیہ،
جون	ایڈمنڈ رسل	مہانی اراکان
جولائی	سرسیندر وناتھ بنرجی، سری نواس شاستری	موجودہ اور گذشتہ ہندوستان،
اکتوبر	سروجنی نائڈو	ہندوستان کا تخیل،

نامور مستشرق پروفیسر براؤن (کیمبرج) کی "تاریخ ادبیات ایران" کی تیسری جلد، جسکا مدت سے انتظار تھا، بالآخر شائع ہوگئی، کتاب کا پورا نام "ہسٹری آف پرشین لٹریچر انڈر ٹارٹارڈومینین" ہے اور تقریباً چہ سو صفحہ کی ضخامت کے ساتھ کیمبرج یونیورسٹی پریس سے بہ آب وتاب شائع ہوئی ہے۔ کاغذ وطباعت کی تفاوت کے علاوہ متعدد تصاویر سے بھی کتاب کے حسن وزیبائش مین مدد لی گئی ہے، جنمین سعدی، حافظ، ابواسحاق شیرازی کی تصاویر خاص طور پر قابل ذکر ہین، اس جلد کا رقبۂ موضوع ۱۲۶۵ء ۶۶۳ھ سے ۱۵۰۲ء ۹۰۷ھ تک وسیع ہے، طبقۂ شعراء وصوفیہ مین عراقی، حافظ، خواجو، سلمان ساوجی، امامی، مغربی، محمود شبستری، خواجہ عبیداللہ احرار، کمال خجندی، ابن یمین، خسرو، وغیرہ تمام اکابر عصر کا تذکرہ آگیا ہے،

کتاب پر تفصیلی ریویو کا یہ موقع نہین، اسوقت صرف ایک ضمنی بات عرض کرنا ہے،
آج سے آٹھ دس سال قبل جب شعرالعجم کی ابتدائی جلدین شائع ہوئی تہین، اسوقت ہمارے
ملک کے بعض خوش فہم "نقادان فن" نے مصنف کی محنت وکمال کی داد یہ دی تھی کہ
شعرالعجم کا سرمایۂ معلومات تمامتر براؤن صاحب کی لٹریری ہسٹری ہے، ان حضرات کو
یہ معلوم کرکے یقیناً صدمہ ہوگا کہ پروفیسر موصوف نے اپنی اس جدید جلد کا ایک خاص ماخذ
شعرالعجم ہی کو بنایا ہے، ساری کتاب مین شعرالعجم اور اسکے مصنف کا ذکر پندرہ بیس مرتبہ آیا ہے
کیونکر، اور کس حیثیت سے؟ اسکا اندازہ اقتباسات ذیل سے ہوگا:-

جو اشخاص اردو سے واقفیت رکھتے ہین، اُنہین مین زمانہ حال کی ایک اعلیٰ ترین
کتاب شعرالعجم، مصنفہ شبلی نعمانی کی جانب توجہ دلاؤنگا، جو الخ (صفحہ ۱۰۸)

(سلمان ساوجی کے سوانح سے متعلق) علمائے ہند کی دو بہترین کتابون پر مین توجہ دلانا چاہتا
ہون.... جنمین دوسری کتاب تقریباً بیس فارسی شعراء کے کلام پر بیش بہا تبصرون کا
مجموعہ ہے، موسومہ "شعرالعجم، مولفہ شبلی نعمانی" (صفحہ ۲۶۱)

"حافظ کے متعلق بہترین وجامع ترین تبصرہ جو میری نظر سے گذرا ہے وہ وہ ہے جو
شبلی نعمانی نے شعرالعجم مین کیا ہے، جسکا حوالہ مین مکرر دیچکا ہون" (صفحہ ۲۷۳)

ان متفرق حوالون سے قطع نظر کرکے پروفیسر براؤن نے سلمان حافظ وخواجو کے
سوانح وکلام پر جو کچھ لکہا ہے وہ تقریباً لفظ بہ لفظ شعرالعجم کی تلخیص ہے، اور مولانا مرحوم نے
حافظ کا جو موازنہ سلمان وخواجو سے کیا تہا، اسکے ایک بڑے حصہ کو بعینہٖ نقل کردیا ہے
پھر ان چیزون کو چُرا چھپا کر نہین لیا ہے، بلکہ قدم قدم پر شعرالعجم ومصنف شعرالعجم کے حوالے

دیئے ہین، فاضل موصوف کا جو خیال مولانا ے مرحوم کے متعلق ہے، اسکے اظہار کے لئے ہم انکے ایک گرامی نامہ موسومہ ایڈیٹر معارف سے چند فقرے اس مقام پر نقل کرتے ہین:-

"بازمیگویم کہ ہرگاہ بتوانید کتاب مولوی شبلی نعمانی مرحوم را یعنی شعرالعجم، یا بہ فارسی یا بہ انگلیسی ترجمہ و چاپ بکنند، چہ قدر از برائے عموم فارسی خوانان خوب و بجا می شد، چہ قدر افسوس میخورم کہ نصیبم نشد آن بزرگوار را ملاقات کنم قبل از انکہ ازین دارالفنا بدارالبقا انتقال فرمایند۔"

تصریحات بالا سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ شعرالعجم کو لٹریری ہسٹری آف پرشیا کا "سرقہ" قرار دیتے تھے، وہ وہی اشخاص ہو سکتے ہین جنکے دماغی دسترس سے یہ دونون کتابین بالاتر ہین، ان حضرات کی تائید نہ براؤن کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے اور نہ شبلی کے لئے باعث ننگ، اسکا بے شبہہ افسوس ہے کہ براؤن صاحب کو اسوقت تک شعرالعجم کی صرف ابتدائی دو جلدین دستیاب ہو سکی ہین، اگر بقیہ تین جلدین بھی اُنکے پیش نظر ہوتین تو یقیناً وہ بہت زیادہ استفادہ کرتے،

ناظرین معارف اس خبر کو یقیناً نہایت مسرت سے سُنین گے کہ مولوی عبدالباری صاحب ندوی مصنف "برکلے" نے جنکے مضامین و تصانیف سے وہ بخوبی روشناس ہو چکے ہین، یکم دسمبر سے دارالمصنفین مین مستقل قیام کرنے اور اپنی دماغی فیاضیون سے اُسے مستفید کرتے رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے انکی قابلیت، انکی قوت تحریر اور سب سے بڑھکر انکی جامعیت (وہ علوم جدیدہ و قدیمہ دونون کے عالم ہین) کے لحاظ سے سلک دارالمصنفین مین اس جدید گوہر کے اضافہ کو بے شبہہ ایک خوش قسمتی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے،

مقالات

نظامِ اخلاق
یا
نظام محبت

(از مولانا عبد السّلام ندوی)

لیکی نے اخلاق یورپ کی جو تاریخ لکھی ہے، اسمین ضمناً ایک موقع پر اسلام اور عیسائیت کے اخلاقی اثر کا ان الفاظ مین موازنہ کیا ہے،

"لیکن مسیحیت کا خالی یہی کارنامہ نہ تہا کہ اس نے لوگون کو ڈرا دہمکا کر اور اُنکے ذاتی وخود غرضانہ جذبات کو متاثر کرکے اُنکے اخلاق کو درست کیا، بلکہ اس سے بڑھکر اسکا کمال یہ ہے کہ اس نے بالکل بے غرضانہ وخود فراموشانہ طور پر محض خالصاً للہ لوگون مین نیکی و نیک چلنی کا جذبہ پیدا کردیا، اور بہ مسیح کی محبت کے ذریعہ سے' اشراقیہ کہتے تھے کہ خدا کا تتبع کرو، رواقیہ کہتے تھے کہ شاہراہِ عقل پر چلو، لیکن مسیحیت نے آکر کہا کہ مسیح سے محبت رکہو، اور تمہارے اخلاق خود بخود درست ہو جائینگے، محبت کی یہ پہلی صدا تھی جو دعوتِ اخلاق کے سلسلہ مین بلند ہوئی اور اسکا جو کچھ اثر ہوا وہ دنیا پر روشن ہے، اسپکٹیٹس و متاخرین رواقیہ یہ کہنے لگے تھے کہ ایک بلند اخلاق شخص کو بطور اسوۂ حسنہ کے اپنے سامنے رکہنا چاہیئے اور اسکی تقلید کرتے رہنا چاہیئے، لیکن تقلید و تتبع اور الفت و محبت مین زمین و آسمان کا فرق ہے، یہ شرف مسیحیت کے لئے مخصوص تہا کہ اُس نے

دنیا مین سب سے اول بار لوگون کو محبت کے راستہ سے اخلاق کی تعلیم دی اور نسل انسانی
کے سامنے ایک ایسا بلند کیرکٹر، ایک ایسی دلفریب شخصیت پیش کی جو اپنی دلفریبی و
محبت سے ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کو متاثر کرتی رہی ہے، جو بہترین محرک اخلاق ہے،
جو انیس سو سال گذر جانے پر بھی بدستور قوی و موثر ہے اور جسکی عجیب و غریب قوت کا
اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گو اسکی ساری زندگی کے صرف تین سالون کا علم ہے لیکن
اسکے اسی سہ سالہ زندگی کے کارنامے طبیعت پر وہ اثر ڈالتے ہین جنکا مقابلہ بڑے سے
بڑے واعظین کے مواعظ، اور بہتر سے بہتر حکماء کے مقولے نہین کرسکتے حقیقت مین
مسیحی اخلاق کے چشمہ کا منبع یہی مسیح کی محبت رہی ہے، جو صدہا انقلابات پر بھی اب تک
جون کی تون ہے، اور گو آگے چل کر مسیحیون نے خود اپنے دین و ملت مین بیسیون رخنے
پیدا کئے، لیکن اپنے آقاے نامدار کی سیرت کی دلفریبی پر کبھی کوئی حرف نہ آنے دیا، محبتِ
کامل اپنے سامنے کسی استحقاق و دعوی کو نہین ٹہرنے دیتی، پس جو لوگ ایک مرتبہ مسیح کے
عشق و محبت مین سرشار ہو جاتے ہین وہ جو کچھ کرتے ہین انتہائی خلوص و ذوق سے کرتے
ہین جسمین نہ خوف کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ صلہ و تحسین کی، سینٹ تہریسیا دعا مانگا کرتی
تھی کہ کاش ساری کائنات ناپید ہو جائے اور اکیلی مین موجود رہون تاکہ آقا کی خدمتگذاری
کا فخر تنہا مجھی کو حاصل رہے، اور اسکی اس تمنا کی آواز بازگشت اس جیسی ہزارہا عاشقان
مسیح کی زبان سے آتی ہے، خود تعدیون کے زمانہ مین منتہاے شداید پر تحمل و برداشت کی
قوت مسیحیون مین کس نے پیدا کردی تھی؟ اسی عشق مسیح نے، زندہ زمین مین دفن کئے
جاتے تھے، جنگلی جانورون کے آگے چھوڑ دیئے جاتے تھے، زخم پر زخم کہاتے تھے،
دوسرون کو انکی حالت پر ترس آجاتا تہا، لیکن وہ خود خوش و خرم تھے، کہ مسیح کے نام پر

یہ زخم کہائے جا رہے ہین، موت آتی تھی اور وہ اسکا مسرت سے استقبال کرتے تھے کہ گویا دولہا اپنی نئی دلہن کو آغوش مین لے رہا ہے، یہ کیون؟ محض اسلئے کہ موت سے اُنہین اپنے معشوق کا وصل نصیب ہوگا، سینٹ فیلیٹیسین زندان عقوبت مین اسیر تھی کہ وضع حمل کا وقت آگیا، ایسی حالت مین اُسے جیسی کچھ تکلیف ہوئی ہوگی ناظرین اندازہ کرسکتے ہین، اس حالت مین بے اختیار ایک چیخ اسکے منہ سے نکل گئی، ایک تماشائی نے ترس کہا کر کہا کہ ابھی اسقدر بیچین ہورہی ہو ذرا دیر مین درندون کے سامنے ڈالدی جاؤگی، وہ تکلیف کیسے برداشت کروگی؟ اسپر اس نے پورے اطمینان سے جواب دیا کہ "نہین۔ اسوقت مجھے تکلیف نہین ہوگی، وہ تکلیف مین جسکے لئے برداشت کرونگی درحقیقت خود وہی اسے برداشت کریگا" اسی طرح جب سنٹ میلینا کا شوہر اور دونون لڑکے دفن ہوچکے اور دنیا مین اسکا کوئی والی و وارث باقی نہین رہا تو وہ اُنکی قبرون پر جا کر بیٹھی اور کہا کہ "الٰہی تیرا شکر ہے کہ تو نے ان بکھیڑون سے مجھے نجات دی، مین اب پوری یکسوئی کے ساتھ تیری خدمتگذاری کرسکونگی"، جو لوگ اس واقعیت سے بیخبر ہین کہ جذبات کی قوت و تندی کے مقابلہ مین اکثر محض قوت فرض شناسی کیونکر بیکار جاتی ہے، جو لوگ اس رمز سے آگاہ ہین کہ اسلام باوجود اپنی خالص توحید اور اعلیٰ نظام اخلاق کے محض اس باعث کہ اسکے متبعین کے سامنے کوئی اعلیٰ نمونہ نہین تھا، شرافت و محبت کے لطیف ترین جذبات سے کس طرح معرّیٰ رہا ہے، اور جن لوگون کے پیش نظر مسیحی تاریخ کے اوراق ہین، جنکی ہر ہر سطر مین مسیحیت مسیح کے کرشمے نظر آرہے ہین وہ سینٹ اگسٹائن کے اس فقرہ کی اہمیت و لطف کا پوری طرح اندازہ کرسکتے ہین کہ مسیحی اخلاق فلسفۂ اخلاق نہین بلکہ ایک نظام محبت ہے"[۵]

(۵ تاریخ اخلاق یورپ جلد دوم صفحہ ۵، ۶، ۷)

لیکی نے پرستاران مسیح کی والہانہ وارفتگی اور خود فراموشانہ جوش محبت کے متعلق جو موثر واقعات نقل کئے ہین نہ اُن کا انکار کیا جا سکتا، اور نہ اُنکے انکار کی ضرورت ہے، البتہ ہم اُسکے اس ریمارک کو کہ

"اسلام باوجود اپنی خالص توحید اور اعلیٰ نظام اخلاق کے محض اس باعث کہ اسکے متبعین کے سامنے کوئی اعلیٰ نمونہ نہین تھا، شرافت و محبت کے لطیف ترین جذبات سے کس طرح معری رہا ہے؟"

کسی طرح نہین تسلیم کر سکتے، اسلام نے حسب اعتراف لیکی جو "اعلیٰ نظام اخلاق" قائم کیا، اسکے معنی اس سے زیادہ نہ تھے کہ اس نے ایک نہایت بلند شخصیت مسلمانون کے پیش نظر کر دی،

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ	تمہارے رسول اللہ کی ذات مین بہترین نمونہ عملی
حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ	موجود ہے لیکن یہ نمونہ صرف ان لوگون کے لئے ہے جو
والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا	ذات خداوندی اور روز قیامت کی توقع رکھتے ہین اور
	خدا کو بہت یاد کرتے ہین،

اور مسلمانون نے عبادات، معاملات، اخلاق و عادات، غرض عملی زندگی کے ایک ایک جزئیات مین اسی کو اپنی تمام حرکات ارادیہ کا محور قرار دیا، چنانچہ قرون اولیٰ کے مسلمانون کی زندگی مین اس قسم کے واقعات بکثرت مل سکتے ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھون نے قدم قدم پر اسی اسوۂ حسنہ کی تقلید کی، ایکبار حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سفر مین تھے دیکھا کہ کچھ لوگ نفل پڑھ رہے ہین، رفیق سفر سے بولے کہ اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو مین نماز ہی پوری نہ پڑھتا، مین نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر کیا ہے، آپ نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہین پڑھی، حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ سفر کیا، انھون نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہین پڑھی، اور

لقد كان لكم فى رسول الله | تمہارے لئے رسول اللہ ہی کی ذات میں تقلید کیلئے
اسوۃ حسنۃ[1]، | بہترین مثال ہے،

ایکبار حضرت سعید بن یسار حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ سفر میں تھے، ایک موقع پر اونٹ سے اُتر کر پیچھے ٹھہر گئے، فرمایا تم پیچھے کیوں رہ گئے؟ بولے وتر پڑھنا تھا، فرمایا، کیا تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کی ذات میں اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ آپ اونٹ ہی پر وتر ادا فرماتے تھے[2]،

اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی کا نام شریعت کی اصطلاح میں اتباع سنت ہے اور صحابہ کرام نے جس شدت کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی سنت کا اتباع کیا ہے، اسکی نظیر سے دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ خالی ہے، سخت سے سخت خطرے سامنے ہوتے تھے، لیکن اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی صحابۂ کرام کو مذہبی اعمال و فرائض کے ادا کرنیکی ہمت دلاتی تھی، جس زمانہ میں حجاج اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے درمیان جنگ شروع ہوئی وہ حج کا زمانہ تھا، اور خود خانہ کعبہ محاصرہ میں آگیا تھا، لیکن با این ہمہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس حالت میں سفر حج کرنا چاہا، صاحبزادوں نے روکا تو بولے کہ "ہمارے سامنے رسول اللہ صلعم کا نمونہ موجود ہے، آپ عمرہ ادا کرنے کے لئے چلے تو کفار نے روکدیا، آپ نے قربانی کر کے سر منڈوالیا[3] یعنی اگر راستہ میں رکاوٹ پیش آئی تو ہم بھی ایسا ہی کرینگے،

سنن عادیہ و اتفاقیہ کا اتباع اگرچہ ضروری نہیں، تاہم صحابہ کرام نے جوش عمل میں اسکا اتباع بھی کیا، چنانچہ حضرت ابو درداء جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے،

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التطوع فی السفر، [2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الوتر علی الراحلۃ
[3] یہ حدیث بخاری کتاب الحج کے متعدد ابواب میں اجمالاً اور تفصیلاً مذکور ہے،

کسی نے کہا کہ اس عادت کو ترک کر دیجئے، ورنہ لوگ آپکو احمق بنائینگے، بولے، مین نے رسول اللہ صلعم کو دیکہا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے[1]، ایک صحابی آپکی خدمت مین بیعت کے لئے حاضر ہوے، دیکہا کہ آپکی قمیص کا تکمہ کہلا ہوا ہے، آپکی تقلید مین انھون نے بھی عمر بھر قمیص کا تکمہ کہلا رکہا[2]، لیکن یہ سب کچھ کسی جبر، ظلم، اور دباؤ کا نتیجہ نہ تہا، بلکہ ایک جذبۂ محبت کا اثر تہا جسکو خود رسول اللہ صلعم نے جزو ایمان قرار دیدیا تہا،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اسوقت تک کسی شخص کا
لا یومن احدکم حتی اکون احب لیہ من	ایمان مکمل نہین ہوسکتا جبتک مین اسکو اسکے بیٹے
ولدہٖ و والدہٖ والناس اجمعین (مسلم)	اسکے باپ اور تمام لوگون سے محبوب تر نہون،

اور صحابہ کرام کی عملی زندگی مین یہ جزو ہر موقع پر نہایت نمایان رہا، لیکی نے پرستاران مسیح کے متعلق جو محبت آمیز واقعات نقل کئے ہین، اُن سے بہت زیادہ موثر، اُن سے بہت زیادہ اعلی اور اُنسے بہت زیادہ شاندار واقعات اسلام کی تاریخ مین مل سکتے ہین، اور اس کثرت سے مل سکتے ہین کہ اُنکے پیش نظر رکہہ لینے کے بعد عہد صحابہ کی تاریخ تاریخ نہین رہتی، بلکہ عشق و محبت کی ایک دلآویز داستان بنجاتی ہے، سیر الصحابہ مین ہم نے اس داستان کے ایک ایک حرف کو احادیث و سیر کے حوالہ سے ایک خاص باب مین جمع کردیا ہے، لیکن اس موقع پر صرف چند موثر واقعات کا نقل کردینا کافی ہوگا،

بی بی سبکو فطرۃً محبوب ہوتی ہے، لیکن خدا و رسول کی محبت مین صحابہ کرام نے ایسی محبوب چیز کو بھی قربان کردیا، ایک صحابی کی بیوی (ام ولد) رسول اللہ صلعم کو بُرا بھلا کہا کرتی تھی، اسکے ساتھ اُنکے تعلقات جس قسم کے تھے اُنکو خود انھون نے بیان کیا ہے،

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۹۸، [2] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۳۵،

لی منھا ابنان مثل اللؤلؤ تین وکانت — اس سے میرے دو بچے موتی کی طرح تھے اور وہ

لی سا فیقۃ، — میری ہمدم تھی،

لیکن ایکبار رات کو وہ آپکو برا بہلا کہہ رہی تھی، اُنھون نے سن لیا، اور اُن تمام تعلقات کو بہول گئے، کلہاڑی اُٹھالی اور اُسکا پیٹ چاک کر دیا، لڑکا گود سے اسکے سامنے گر پڑا، اور خون مین لتھڑ گیا[1]،

غزوۂ تبوک سخت گرمیون کے زمانہ مین واقع ہوا تھا، حضرت ابوخیثمہؓ ایک صحابی تھے جو اس غزوہ مین شریک نہو سکے تھے، ایکدن وہ گھر مین آئے تو دیکھا کہ بی بیون نے اُن کی آسائش کے لئے بہت کچھ سامان کیا ہے، بالاخانے پر چہڑکاؤ کیا ہے، پانی سرد کیا ہے، عمدہ کہانا تیار کیا ہے، گھر مین آے تو یہ تمام سامان عیش دیکھکر بولے کہ رسول اللہ صلعم تو اس لُو اور اس گرمی مین کہلے ہوئے میدان مین ہون اور ابوخیثمہ، سایہ، سرد پانی، عمدہ غذا اور خوبصورت عورتون کے ساتھ لطف اُٹہاے، خدا کی قسم یہ انصاف نہین ہے، مین ہرگز بالاخانہ پر نہ آؤنگا، چنانچہ اسیوقت زاد راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہوگئے[2]۔

ایکبار حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپکے داہنے، اور حضرت خالد بن ولیدؓ بائین جانب بیٹھے ہوئے تھے، آپکا معمول تہا کہ ہر کام کی ابتدا، داہنی جانب سے فرماتے تھے، حضرت میمونہؓ دودھ کا پیالہ لائین، تو آپ نے پیکر حسب معمول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا کہ حق تو تمہارا ہے، لیکن اگر ایثار نفسی کرو تو خالد کو دیدو، بولے، مین آپکا جھوٹا کسیکو نہین دیسکتا[3]

ایکبار ایک صحابی آپکی خدمت مین حاضر ہوے، آپ کہانا کہا رہے تھے، اُنکو بھی شریک

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلعم [2] اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۱ تذکرہ مالک بن قیس،
[3] ترمذی ابواب الدعوات باب مایقول اذا اکل طعاما،

کرنا چاہا وہ روزے سے تھے، اسلئے انکو سخت افسوس ہوا کہ ہائے رسول اللہ کا کھانا نہین کھایا[۱]

ایک صحابی کی آنکھین جاتی رہین، لوگ عیادت کو آئے تو انہون نے کہا کہ ان آنکھون سے مقصود تو صرف رسول اللہ صلعم کا دیدار تھا، لیکن جب آپکا وصال ہو گیا تو میری بینائی لوٹ بھی آئے تو مجھے پسند نہین[۲]۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال خدا کی راہ مین دیدیا تھا، ایکبار آپ نے فرمایا کہ مجھکو جو نفع ابوبکر کے مال سے پہنچا وہ کسی کے مال سے نہین پہنچا، حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے اور کہا کہ یا رسول اللہ صلعم کیا مین اور میرا مال آپکے سوا اور کسی کا ہے؟[۳]

انصار کا معمول تھا کہ آنحضرت صلعم کی رضامندی کے بغیر اپنی لڑکیون کی شادی نہین کرتے تھے، ایکدن آپ نے ایک انصاری سے فرمایا کہ "تم اپنی لڑکی میرے حوالہ کردو"، وہ تو منتظر ہی تھے باغ باغ ہو گئے، لیکن آپ نے فرمایا کہ مین اپنے لئے نہین بلکہ جلیبیبؓ کیلئے یہ پیغام دیتا ہون، جلیبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو راستون مین بھی ظرافت اور مذاق کی باتین کیا کرتے تھے، اسلئے صحابہ انکو عموماً ناپسند کرتے تھے، انھون نے جلیبیبؓ کا نام سنا تو بولے کہ "اسکی ماں سے مشورہ کرلون" ماں نے انکا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ "رسول اللہ صلعم کی بات نامنظور نہین کیجا سکتی مجھے آپکے حوالہ کردو خدا مجھے ضائع نہ کریگا[۴]"

ایکبار ایک صحابیہ نے آپکی دعوت کی، آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اسکو انہون نے محفوظ رکھا، جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھین[۵]، جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے

---

[۱] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ باب عرض الطعام [۲] ادب المفرد باب العیادۃ من الرمد، [۳] سنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق، [۴] مسند جلد ۴ صفحہ ۴۲۲ [۵] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نبار،

تو انکی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھین، یہ شیشی حضرت انسؓ کے پاس محفوظ تھی، انھون نے جب انتقال کیا تو وصیت کی کہ آب حیات کے یہ قطرے انکے حنوط مین شامل کئے جائیں[1]،

غزوۂ خیبر مین آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا وہ اسکو اسقدر متبرک سمجھتی تھین کہ عمر بھر گلے سے جدا نہ کیا اور جب انتقال کرنے لگین تو وصیت کی کہ انکے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے[2]،

ایک صحابی کے پاس آپکا ایک پیالہ تھا، حضرت عمرؓ انکے پاس آتے تھے تو اسی پیالہ مین پانی پیتے تھے، اور اسمین زمزم کا پانی بھر کر اپنے منھ پر چھڑکتے تھے[3]،

آپ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مکان مین قیام فرمایا، آپ نیچے کے حصہ مین اور انکے اہل وعیال اوپر کے حصہ مین رہتے تھے، ایک رات حضرت ابو ایوبؓ انصاری بیدار ہوے اور کہا کہ ہم اور رسول اللہ صلعم کے اوپر رہین! اس خیال سے تمام اہل وعیال کو ایک کونے مین کر دیا اور صبح کو آپکی خدمت مین گذارش کی کہ آپ اوپر قیام فرمائیں، ارشاد ہوا کہ نیچے کا حصہ ہمارے لئے زیادہ موزون ہے بولے "جس چھت کے نیچے آپ ہون ہم اسپر نہین چڑھ سکتے" مجبوراً آپکو بالاخانہ پر قیام کرنا پڑا[4]،

متعدد صحابہ نے اپنے آپکو آپکی خدمتگذاری کے لئے وقف کر دیا تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ کام تھا کہ جب آپ کہین تشریف لیجاتے تو وہ پہلے آپکو جوتیان پہناتے، پھر آگے آگے عصا لیکر چلتے، آپ مجلسون مین بیٹھنا چاہتے تو آپکے پاؤن سے جوتیان نکالتے پھر آپکے

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوماً فقال عندہم، [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۸۰، [3] اصابہ، [4] مسلم کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم وانہ ینبغی لمن اراد خطاب الکبار ترکہ،

ہاتھ میں عصا دیتے، آپ اُٹھتے تو پھر اُسی طرح جوتیاں پہناتے، اور حجرۂ مبارک تک پہنچا جاتے،
آپ نہاتے تو پردہ کرتے، آپ سوتے تو آپکو بیدار کرتے، آپ سفر میں جاتے تو آپکا بچھونا،
مسواک، اور وضو کا پانی اُنکے ساتھ ہوتا، اسلئے وہ صاحب سواد رسول اللہ یعنی آپ کے
میر سامان کہے جاتے تھے[۱]،

حضرت ربیعہ اسلمیؓ شب و روز آپکی خدمت میں مصروف رہتے، جب آپ عشا کی
نماز سے فارغ ہوکر کاشانۂ نبوت میں تشریف لیجاتے تو وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے کہ مبادا آپکو کوئی
ضرورت پیش آجائے، ایکبار آپ نے اُنکو تاہل اختیار کرنے کا مشورہ دیا، بولے یہ تعلق
آپکی خدمتگذاری میں خلل انداز ہوگا جسکو میں پسند نہیں کرتا[۲]،

حضرت انس بن مالک کو بچپن ہی سے انکی والدہ نے آپکی خدمت کے لئے وقف
کر دیا تھا، حضرت سلمیٰ ایک صحابیہ تھیں، اُنھوں نے اس استقلال کے ساتھ آپکی خدمت کی کہ
انکو خادمۂ رسول اللہ کا لقب حاصل ہوا[۳]،

سفینہ حضرت سلمہؓ کے والدہ کی لونڈی تھی، اُنھوں نے اسکو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا
کہ وہ اپنی عمر آپکی خدمتگذاری میں صرف کرے، اُس نے کہا کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی کریں تب
بھی میں تا نفس واپسین آپکی خدمت سے علحدہ نہوتی[۴]۔

صحابہ کرام کے اس جوش محبت اور حسن عقیدت کا اظہار سب سے زیادہ غزوات
میں ہوتا تھا، غزوۂ بدر میں جب آپنے کفار کے مقابلہ کے لئے صحابۂ کرام کو طلب کیا تو حضرت
مقدادؓ بولے کہ ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح کہدیں،

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبد اللہ بن مسعود [۲] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۸ و ۵۹ [۳]
ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ، [۴] ابوداؤد کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط،

اذھب انت و ربک فقاتلا ، تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور دونوں مل کر لڑو

بلکہ ہم آپ کے داہین سے، بائین سے، آگے سے، پیچھے سے لڑینگے، آپ نے یہ جان نثارانہ فقرے سُنے تو آپکا چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اُٹھا،[۱]

صحابہ کے جان نثارانہ جذبات کا ظہور سب سے زیادہ غزوۂ احد مین ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ نے جو صورت شکل مین رسول اللہ صلعم سے مشابہ تھے، شہادت پائی تو عام غل مچگیا کہ خود رسول اللہ صلعم شہید ہوگئے، اس آواز سے تمام فوج مین بدحواسی پہیل گئی اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ صرف نو صحابی جنمین سات انصاری اور دو مہاجر یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ تھے رہ گئے، کفار نے یہ حالت دیکھی تو دفعۃً آپ پر ٹوٹ پڑے، آپنے ان جان نثارون کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ ان اشقیا کو کون میرے پاس سے ہٹا سکتا ہے؟ ایک انصاری فوراً آگے بڑہے اور لڑکر آپ پر قربان ہوگئے، اسی طرح آپ بار بار پکارتے جاتے تھے اور ایک ایک انصاری بڑھکر آپ پر اپنی جان قربان کرتا جاتا تھا، جب ساتون بزرگ شہید ہوگئے[۲] تو حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ کی جان نثاری کا وقت آیا، حضرت سعدؓ کے سامنے آپ نے خود اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا کہ تیر پھینکو، میرے باپ مان تم پر قربان! حضرت ابوطلحہؓ سپر لیکر آپکے سامنے کھڑے ہوگئے، اور تیر چلانے لگے، اور اس شدت سے تیراندازی کی کہ دو تین کمانین ٹوٹ گئین، اگر آپ گردن اُٹھاکر کفار کی طرف دیکھتے تھے تو وہ کہتے تھے "میرے باپ، مان آپ پر قربان، یون گردن اُٹھاکر نہ دیکھیے، مبادا آپکو کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینہ کے سامنے ہے"[۳] حضرت شماسؓ بن عثمان کی جان نثاری کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلعم داہین بائین جسطرف نگاہ اُٹھاکر دیکھتے تھے انکی تلوار چمکتی ہوئی نظر آتی تھی، آپ پر غشی طاری

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب قصہ غزوۂ بدر [۲] صحیح مسلم ذکر غزوہ احد، [۳] بخاری ذکر غزوۂ احد،

ہوئی تو انھون نے اپنے آپکو آپکی سپر بنا لیا، یہانتک کہ اسی حالت مین شہید ہوئے[۵۱]،

اسی غزوہ مین آپ نے ایک صحابی کو حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کی تلاش مین روانہ فرمایا، وہ لاشون کے درمیان اُنکو ڈھونڈ ہنے لگے، حضرت سعد بن رؓبیع خود بولے کہ کیا کام ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ نے مجھے تمھارے ہی پتہ لگانے کے لئے بھیجا ہی، بولے جاؤ آپکی خدمت مین میرا اسلام عرض کرو، اور کہو کہ مجھے بارہ زخم لگے ہین، اور اپنے قبیلہ مین اعلان کردو کہ اگر رسول اللہ صلعم شہید ہوگئے، اور ان مین کا ایک متنفس بھی زندہ رہا تو خدا کے نزدیک اُن کا کوئی عذر قابل سماعت نہوگا![۵۲]

صحابہ کرام کے اس جوش محبت، اس حسن عقیدت، اور اس جان نثاری کا منظر اسقدر موثر ہوتا تھا کہ خود کفار عرب بھی اس سے شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے، صلح حدیبیہ کے متعلق عروہ نے آپ سے گفتگو کی تو عرب کے طریقے کے مطابق ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا، وہ جب جب ہاتھ بڑھاتا تھا حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تلوار کے اشارہ سے روک دیتے تھے، اس واقعہ سے عروہ کو اسطرف توجہ ہوئی اور اس نے صحابہ کے طرزعمل کو بغور دیکھنا شروع کیا اسپر اسکا یہ اثر پڑا کہ پلٹا تو کفار سے بیان کیا کہ مین نے قیصر، کسری اور نجاشی کے دربار دیکھے ہین، لیکن محمد کے اصحاب جسطرح محمدؐ کی تعظیم کرتے ہین، مین نے کسی بادشاہ کے رفقار مین وہ بات نہین پائی، اگر وہ تھوکتے ہین تو ان لوگون کے ہاتھ مین اُن کا تھوک گرتا ہے، اور وہ اپنے جسم و چہرہ پر اسکو مل لیتے ہین، اگر وہ کوئی حکم دیتے ہین تو ہر شخص اُسکی تعمیل کے لئے مسابقت کرنا چاہتا ہے، اگر وہ وضو کرتے ہین تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کے لئے باہم لڑپڑتے ہین، اگر وہ بولتے ہین تو اُنکی آوازین لپست ہوجاتی ہین، ادب سے انکی طرف آنکھ بھرکے نہین دیکھتے،[۵۳]

---

۵۱ ابن سعد تذکرہ حضرت شماس بن عثمانؓ ۵۲ موطاے امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد ۵۳ بخاری کتاب الشروط

اب ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھ لینے کے بعد لیکی کے اس فقرہ کو پڑھو،

"کہ اسلام باوجود اپنی خالص توحید اور اعلیٰ نظام اخلاق کے محض اس باعث کہ اسکے متبعین کے سامنے کوئی اعلیٰ عملی نمونہ نہین تہا، شرافت و محبت کے لطیف ترین جذبات سے کس طرح معری رہا ہے"۔

تو تمکو صاف نظر آئیگا کہ وہ صداقت اور واقعیت سے کسقدر معریٰ ہے؟

لیکی کے نزدیک صرف وہی لوگ سینٹ اگسٹائن کے اس فقرے کی اہمیت و لطف کا پوری طرح اندازہ کرسکتے ہین کہ

"مسیحی اخلاق، فلسفہ اخلاق نہین بلکہ ایک نظام محبت ہے"۔

جن لوگون نے مسیحی تاریخ کے اوراق پراگندہ کو پیش نظر رکہا ہے، لیکن جنلوگون نے تاریخ اسلام کی شیرازہ بندی کی ہے، ان لوگون نے سب سے پہلے یہ لطف اُٹھا لیا تہا اور وہ اس فقرہ کی اہمیت کا پورا اندازہ کرچکے تھے کہ

"اس رشتۂ محبت کو سب سے زیادہ اسلام نے دراز کیا تہا"۔

خوش قسمت حافظ

اور

بدنصیب خیام

نے ایک ہی قسم کی نواسنجیاں کین، لیکن آج حافظ کے ترانون سے دنیا اسطرح گونج رہی ہے کہ اس نقارہ خانہ مین خیام کی آواز بالکل طوطی کی آواز معلوم ہوتی ہے، رندون کی بزم عیش مین، صوفیون کی مجلس حال مین، اور شعرار کی بزم ادب مین غرض ہر جگہ حافظ ہی حافظ کی آواز سنائی دیتی ہے، اور اس غلغلہ انگیز صدا نے خیام کی آواز کو اسقدر دبا دیا ہے کہ اگر مخصوص اہل ذوق نے اسکی رباعیون کو نہایت بلند آہنگی ساتھ نہ سُنایا ہوتا تو آج لوگ اُسکو بھول گئے ہوتے،

موجودہ زمانہ مین یورپ نے اسکی رباعیون کی طرف جو جوش التفات ظاہر کیا ہی اس نے اگرچہ ایک حد تک اسکا کفارہ کردیا ہے، لیکن یورپ کے اس جوش التفات سے خیام کی گمنامی اور حافظ کی شہرت کا مسئلہ اور بھی زیادہ پیچیدہ و لاینحل ہوگیا ہے، ایک آواز جس نے یورپ کی منجمد اور برف آلود فضا مین تحلخل پیدا کردیا ہے، کئی صدی تک اسلامی تمدن کی فضا مین گونجتی رہی اور اسمین ذرہ برابر تموج نہین پیدا ہوا، لیکن اُسکے دوہی صدی کے بعد اسی قسم کی آواز شیراز کی فضا مین گونجی، اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے اسکی صداے بازگشت آنے لگی، آخر اس انقلاب کے کیا اسباب ہین؟ کیا خواجہ حافظ کے زمانہ مین دنیاے اسلام کی فضا زیادہ رقیق ہو گئی تھی، جس مین اُن کی آواز نے نہایت آسانی کے ساتھ تموج

پیدا کر دیا؟ کیا اس زمانہ کا شیراز موجودہ زمانہ کا یورپ بنگیا تہا؟ یا یہ کہ خیام اور حافظ کے لب ولہجہ مین اختلاف تہا؟ لیکن ان سوالات کے جواب سے پہلے ہمکو اپیکورین فلاسفی کی حقیقت اور اُسکے نتائج پر تفصیل کے ساتھ بحث کر لینی چاہیئے، کیونکہ خیام اور حافظ دونون کی شاعری کا مواد اسی فلسفہ سے ماخوذ ہے، اسلئے ان سوالات کے جواب مین ہمکو اس سے مدد ملیگی،

اپیکورس نے فلسفیانہ مسائل پر غور وفکر شروع کی تو

قبل اسکے کہ وہ دنیا کی کسی چیز پر غور کرتا، اس نے خود اپنے نفس سے سوال کیا کہ اسکے علم وادراک کا اصلی ماخذ کیا ہے؟ اس سوال کے بعد اسکو معلوم ہوا کہ علم وادراک کا اصلی ماخذ شعور ہے، اور وہی مختلف حالات کے لحاظ سے لذت، خوشی اور غم وغیرہ کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے، لیکن یہ تمام جذبات درحقیقت شعور ہی کی مختلف صورتین ہین جو مختلف رنگ مین رنگی گئی ہین، اسلئے اپیکورس کا مذہب حسی مذہب ہے جو صرف محسوسات اور مشاہدات کی بنیاد پر قائم ہے، اور موجودہ فلاسفہ مین لاک وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے،

لیکن الٰہیات کے متعلق اسکے جو عقاید ہین ان کا حال قابل اعتماد طریقے پر ہمکو معلوم نہین ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان مین سے کسی چیز کا قائل نہ تہا لیکن اسکے ساتھ اس سے یہ بھی منقول نہین ہے کہ اس نے علانیہ ان چیزون کا انکار کر دیا تہا بلکہ یہ منقول ہے کہ وہ معبودون کا ذکر ادب واحترام سے کرتا تہا، لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عوام کے خوش کرنے کے لئے ایسا کرتا تہا، زینون کے مقلدین نے اسکو ان حکماء مین شمار کیا ہے جو وجود باری کے منکر تھے، بعض فلاسفہ نے اسکے اس

دعویٰ پر تعجب کیا ہے، کہ رُوح انسانی ایک جوہر لطیف ہے اور وہ خصائص عالیہ رکھتی ہے، اُس نے ایک مدت تک اس بدن مین قیام کیا اور اس سے کام لیا، لیکن جب بدن بیکار ہو گیا تو وہ اس سے الگ ہو کر خود بھی گم ہو گئی،

اپیکورس سے چار اخلاقی اصول مروی ہین، جنکی بنا پر اسپر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ وہ شہوت پرست تہا، اور وہ اصول یہ ہین،

(۱) وہ لذتین تلاش کرو جنکے بعد رنج نہو،

(۲) اس رنج سے بچو جو کوئی لذت نہ پیدا کرے،

(۳) اس لذت سے احتراز کرو جو تمکو اپنے سے بڑی لذت سے محروم کر دے یا اسکا انجام ایک ایسا رنج ہو جو اس لذت سے بڑا ہو،

(۴) اس رنج کو برداشت کرو جو اپنے سے بڑے رنج سے نجات دے یا جسکے بعد بڑی لذت حاصل ہو،

ان اصول کے علاوہ وہ اور چند عظیم الشان اصول کی تعلیم دیتا ہے، ان چارون اصول کا مقصد صرف ایک فضیلت ہے یعنی اعتدال، لیکن وہ اس اعتدال کے ساتھ اور تین اصول کی تعلیم دیتا تہا یعنی ہوشیاری، احتیاط، اور عدل،

اپیکورس نے لذات انسانی کی طرف اس شدت سے اسلئے توجہ مبذول کی کہ اُس نے انسان کے حالات اسکے جسمانی، روحانی اور اخلاقی مقاصد سے بحث کی تو معلوم ہوا کہ وہ فطرۃً جسمانی مقاصد کے بوجہ سے دبا ہوا ہے اور وہ فطرۃً اسپر مسلط ہو گئے ہین اسلئے اُس نے اس بحث کو نظر انداز کرنا مناسب نہین سمجہا، اور اپنی تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے اسمین اعتدال پیدا کرنا اور اس تسلط کو کم کرنا چاہا، اس بنا پر لذت کو

اس نے ایک جائز چیز قرار دیا اور جب تک اعتدال ملحوظ رہے، اُس نے اپنے مقلدین کو کسی لذت سے محروم کرنا پسند نہین کیا،

اُس نے مادّی خواہشون کی متعدد قسمین کین، ایک وہ جو طبعی اور ضروری ہین ایک وہ جو انسان پر شدت سے غالب آنیوالی ہین، مثلاً بھوک اور پیاس، انکے علاوہ اور خواہشین بھی ہین جو اگرچہ طبعی کہی جاسکتی ہین، لیکن وہ زیادہ تر شہوانی ہین، مثلاً مختلف قسم کی لذیذ غذائین، مختلف قسم کے حلوے، اور مختلف قسم کے شربت وغیرہ انکے علاوہ اور خواہشین بھی ہین جو بالکل مصنوعی ہین، اور انکو ہمارے توہم نے پیدا کیا ہے، مثلاً شراب اور بھنگ وغیرہ، اب اپیکورس کے نزدیک اعتدال کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی، ضروری اور سخت غالب آنیوالی خواہشین پوری کیجائین، شہوانی خواہشون سے احتراز کیا جاے، اور مصنوعی اور عادی خواہشون کو ہر ممکن طریقہ سے روکا جاے، پس فلسفہ سے اُسکا مقصد صرف یہ تھا کہ حواس پر حکومت کیجائے، یہ نہین کہ حواس کے سامنے سر اطاعت خم کردیا جاے[۱]،

یہی فلسفہ ہے جسکو عام طور پر لذتیہ اور فلسفہ اخلاق کی اصطلاح مین افادیہ کا لقب دیا گیا ہے، لیکن اسکے اخلاقی اثرات کے نمایان کرنے کے لئے سب سے پہلے اسکے حریف ضمیریت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، ضمیریئن کے اخلاقی اصول کی بنیاد یہ ہے کہ ہم مین فطرۃً ایک ایسی اندرونی بصیرت موجود ہے جو ہمین یہ سمجھاتی رہتی ہے، کہ بعض خصوصیات اخلاق مثلاً فیاضی، عصمت، اور راستبازی وغیرہ دوسرے خصائص اخلاق کے مقابل مین بہتر وقابل اختیار ہین، اور اُنکے اضداد لائق ترک ہین، اسے دوسرے الفاظ مین یون کہنا

---

[۱] کنز العلوم و اللغۃ صفحہ ۲۰، ۲۱،

چاہیئے کہ فرض کے احساس کے ساتھ اسکی تعمیل بھی بشر کی سرشت مین داخل ہے، یعنی فرض کی بجاآوری اسکے نتائج کے پسندیدہ و ناپسندیدہ ہونے سے قطعاً مستغنی ہے، اور شاہراہ فرض پر چلنے کے لئے ہمارے باطن وضمیر کا یہ فتویٰ بالکل کافی ہے کہ وہ فرض ہے، لیکن جولوگ افادیت کے قائل ہین وہ کسی اخلاقی حاسۂ باطنی کے وجود سے بالکل انکار کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ طبعاً نہ تو ہمارے پاس حسن و قبح کے شناخت کا کوئی ذریعہ ہے، اور نہ ہم کسی حس باطنی کی مدد سے اپنے افعال وجذبات مین اخلاقی حیثیت سے کوئی ترتیب مدارج قائم کرسکتے ہین بلکہ ہم ان نتائج پر صرف تجربہ ومشاہدہ کی وساطت سے پہنچ سکتے ہین، یعنی جن افعال کو ہم یہ دیکھتے ہین کہ اُن سے نوع انسان کی مجموعی راحت ومسرت مین اضافہ ہوتا ہے یا انسانی درد وکلفت مین اُنسے کمی ہوتی ہے، اُنھین ہم افعال حسنہ قرار دیتے ہین، اور جن افعال کے متعلق ہم یہ پاتے ہین کہ وہ اسکے برعکس اثر ڈالتے ہین اُنھین افعال مذموم سے تعبیر کرتے ہین، مختصر یہ کہ "بڑی سے بڑی تعداد افراد کو بڑی سے بڑی مسرت" بس یہ کلیہ ہر ماہر اخلاقیات کے لئے شمع ہدایت ہونا چاہیئے کہ یہی حسن اخلاق کا بہترین مظہر اور کمال تزکیۂ نفس کا اعلیٰ ترین معیار ہے،[۲]

فلسفۂ اخلاق کے یہ دونون نظریئے مذہبی شخصی اور تمدنی حیثیت سے بالکل مختلف نتائج پیدا کرتے ہین، مذہبی حیثیت سے رواقیت، (ضمیریت) نے خودداری وضبط نفس کا جو نظام قائم کیا تھا اسکی بنیاد غرور پر تھی، اعتماد نفس کا مرتبہ رواقیت نے اس درجہ بڑھا دیا تھا کہ توبہ واستغفار کی کوئی گنجائش ہی نہین باقی رہی تھی، رواقیین کے نزدیک معصیت کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی کہ وہ ایک طرح کا مرض ہے، جسے دُور کرنا توبے شبہہ انسان کا

---

[۲] تاریخ اخلاق یورپ صفحہ ۴،

فرض ہے، لیکن اسکے اسباب کی چھان بین کرنا یا اُسپر تاسف کرنا ضرور نہین[1]،
شخصی طورپر دنیا بین ہمیشہ دو طرح کے آدمی پائے جاتے ہین، ایک وہ جو ثبات، استقلال و
ضبط نفس کے بہت بڑے حصہ دار ہوتے ہین، جو خودداری و نفس کشی کی بڑی سی بڑی
آزمائشون بین پورے اُتر سکتے ہین، جنکا خمیر ایثار، دیانت داری، جرأت وہمت سے
ہوتا ہے، اور جو حق و صداقت کے مقابلہ بین جان تک کی پروا نہین کرتے، دوسرے قسم
کے وہ لوگ ہوتے ہین جو ہر شے بین سہولت ڈھونڈھتے ہین، اور تحمل شداید پر قادر نہین
ہوتے، جو اپنی زندگی کو لطف و اسائش سے بسر کرنا چاہتے ہین، جو خوشخوئی، احباب پروری،
ملنساری و لطف صحبت کو حاصل عمر سمجھتے ہین، اور جو شدید نفس کشی، ایثار و جانبازی کے
ناقابل ہوتے ہین، ان بین سے اول الذکر قسم کے لوگ طبعاً و فطرۃً رواقیین (ضمیریین)
ہوتے ہین اور ثانی الذکر لذتیین،

لیکن اگرچہ ان معاملات بین انسان کی سیرت فطری اسکے عقاید وخیالات کی تشکیل
بین مدخل عظیم رکھتی ہے، تاہم اسمین شبہہ نہین کہ افراد کی سیرت بجاے خود اپنی تشکیل کیلیے
قومی حالات وخصوصیات پر منحصر ہے، مثلاً یونان و ایشیاے کوچک بین جو لطیف، نفیس
و پرتکلف تمدن شایع تھا، اسکے لحاظ سے وہان لذتیہ کے انداز کے بہت سے افراد آسانی سے
پیدا ہوسکتے تھے[2]، لیکن خود ابیقورس کا فلسفہ اخلاق اس قسم کے افراد کو نہین پیدا کرسکتا تھا،
وہ بذات خود نہایت اعلی سیرت اور بیداغ چال چلن رکھتا تھا، اور اس نے جو اصول قائم
کئے تھے وہ بہت بلند اور جملہ فضائل و محاسن اخلاق پر حاوی تھے، اسکے تلامذہ بھی بعض
اخلاقی فضائل کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے[3]،

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ صفحہ ۱۵۹ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۹، ۴۰ [3] ایضاً ۱۴۲،

البتہ اس کے اصول مین تاویل کی بہت کچھ گنجائش تھی، اسلئے جو لوگ اُن سے عیاشانہ زندگی مین کام لینا چاہتے تھے، اُنکے لئے وہ ایک عمدہ حیلہ بن سکتا تہا، قدیم رومن قوم مین ضبط، نفس کشی، ایثار، اور جانبازی کا مادہ شدت سے موجود تہا، اور جنگی طوائف الملوکی اور فوجی زندگی نے اُنکے اخلاق مین اور بھی شدت وصلابت پیدا کردی تھی، اسلئے قدرتی طور پر روما مین رواقیت یعنی ضمیریت کا فلسفیانہ اثر اور اخلاقی اقتدار شدت سے قائم رہا، شہنشاہی کے زمانہ مین اگرچہ اکثر حالات بدل گئے تھے تاہم رواقیت کا فلسفیانہ اثر اور اخلاقی اقتدار اب بھی باقی تہا اسمین شک نہین کہ اس دور مین لذتیت کی بھی اشاعت رہی، لیکن اسکو کوئی اخلاقی اہمیت کبھی حاصل نہین ہوئی، بلکہ یہ ہمیشہ بداخلاقی وتعیش کے لئے لوگون کے ہاتھ مین بطور ایک حیلہ کے رہی یا زیادہ سے زیادہ اُسے ان افراد نے اختیار کیا جو پہلے ہی سے ضعیف الاخلاق تھے، لیکن جس مسلک کی بنیاد لذت ومسرت پر ہو وہ جنگی طوائف الملوکی کے زمانہ مین شدید اخلاقی کشاکش کا کیونکر مقابلہ کرسکتا، اور رومیون کے جبلّی فضائل ورذائل تو سرے سے اسکی مقبولیت وکامیابی کے مخالف تھے، انکے تمام تخیلات ایک بالکل مختلف سانچہ مین ڈھلے ہوے تھے، اُنکے لئے یہ ناممکن تہا کہ وہ لذتیت کے اثر مین آکر ایثار ونفس کشی کے جذبات اپنے اندر رکھہ سکین، اور پھر اپیکورس نے لذت کے جو دقیق اقسام کئے تھے اور انسان کی مسرت حقیقی کی جو تعریف کی تھی، یہ بھی رومیون کی سمجھ سے باہر تھی وہ اگر حصول لذت کی کوشش کرتے تو بس عیش پرستیون کی انتہائی ہی صورتون پر جُہک پڑتے، پس اپیکورس کے مذہب کا رومن تاریخ پر جو اثر پڑا اسکی حیثیت بالکل سلبی ومنفیانہ رہی، یعنی صرف اسقدر کہ وطن پرستی وقومیت کے جوش وخروش کو دباکر اور عام اخوت انسانی کے خیال کو چمکا کر اس نے مذہب مروجہ کے انحطاط وزوال مین

اور عجلت پیدا کردی[۵]،

ضمیریت اور افادیت کے ان نتائج مختلفہ سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ضمیریت مین ہر حیثیت سے جمود، صلابت، شدت، اور غرور و خود بینی پائی جاتی ہے اور افادیت مین لطافت، نزاکت، نفاست، انکسار، فروتنی، اور عجز و الحاح کا مادہ موجود ہے، یونان، ایشیاے کوچک اور روما مین یہ دونون مذہب الگ الگ قائم تھے، اور اسلئے اُنکے نتائج بھی مستقل مظاہر مین نمایان ہوتے تھے، لیکن اسلام نے ان دونون مذاہب کو مخلوط کر دیا،

ضمیریت کا تمام تر دار مدار وجدان، ذوق، اور ایک اخلاقی حاسۂ باطنی پر تھا، اور اسلام نے بھی نہایت صراحت کے ساتھ اسکے وجود کو تسلیم کیا، چنانچہ حدیث شریف مین آیا ہی،

البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی نفسک وکرھت ان یطلع علیہ الناس[۶] — نیکی حسن خلق کا نام ہی اور گناہ وہ ہی جو تمہارے دل مین کھٹکے اور تم یہ نہ پسند کرو کہ لوگ اس سے واقف ہون،

لیکن دنیا کی اخلاقی تحریک اور اخلاقی روک ٹوک کے لئے عملی طور پر صرف یہ وجدان کافی نہین ہو سکتا، نیکی کو صرف نیکی کے لئے اگر کر سکتے ہین تو صرف حکما، رواقیین ہی کر سکتے ہین، عام طور پر لوگ اُسی کام کو کرتے ہین جو اُنکے لئے مفید ہوتا ہے اور اس کام سے بچتے ہین جسمین اُنکو علانیہ اپنا نقصان نظر آتا ہے، اسلئے عملی حیثیت سے ایک موسس اخلاق کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ صرف دنیا کے حاسۂ اخلاقی پر اعتماد نہ کرے بلکہ ہر چیز کے منافع و مضار کو بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بتا دے، افادیت نے صرف یہی فرض ادا کیا تھا، اور اسلام نے بھی یہی فرض ادا کیا، چنانچہ شراب و قمار کے متعلق فرمایا،

فیھما منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما — ان دونون مین لوگون کیلئے فوائد بھی ہین لیکن اُنکا گناہ ان دونون کے نفع سے بڑا ہے

---

[۵] تاریخ اخلاق یورپ صفحہ ۱۴۲ [۶] مسلم باب تفسیر البر والاثم،

اس موقع پر دو مفید چیزون کو اسلئے واجب الترک قرار دیا کہ انکے نقصانات کا پلہ انکے فواید سے بہاری تہا، لیکن چند مخصوص حالتون مین ایک بد اخلاقی کے جواز کا اسلئے فتوی دیا کہ وہ مفید نتائج پیدا کرتی تھی، چنانچہ جہوٹ کو ہر حال مین ناجائز بتایا، لیکن تین صورتون مین اسکی اجازت دی،

الحرب والاصلاح بین الناس وحدیث | لڑائی مین اور لوگون کے درمیان مصالحت کرانیکے لئے

الرجل امراته وحدیث المراۃ زوجھا ؂۱ | اور میان بیوی مین باہم جو باتین ہون اُن مین،

فلسفہ اخلاق کے ان دونون نظریات کے اختلاط کا یہ نتیجہ ہوا کہ جمود، صلابت، شدت غرور، خود بینی، اور لطافت، نفاست، انکسار، اور عجز والحاح کی باہمی آمیزش، اُنکے نعل و انفعال، اور کسر و انکسار سے ایک نہایت معتدل قسم کا تمدن پیدا ہو گیا جو صحابہ کے زمانہ تک اسی معتدل حالت مین قائم رہا، لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا مذہبی بندشین کمزور ہوتی گیئن، اور اسلامی تمدن مین روز بروز لطافت آتی گئی، یہانتک کہ خلفا سے بنو امیہ کی بزم عیش سے نغمہ و سرود کی آوازین آنے لگین، اور اخطل نے اس نشہ آور شاعری مین نام پیدا کیا، جسکی تکمیل خیام اور حافظ نے کی، خلفاے عباسیہ کے دور مین اسلام کی تمدنی لطافت کے ساتھ ایرانی نفاست بھی شامل ہو گئی، اور ان دونون کے امتزاج نے ابو نواس کو پیدا کیا، جس نے اخطل کی شراب کو اور بھی دو آتشہ کر دیا، تمدنی رنگینیون کے ساتھ فلسفیانہ خیالات کی عام اشاعت نے پانچوین صدی مین ابو العلا معری جیسا آزاد خیال شاعر پیدا کیا جس نے نہایت کہلے ہوے الفاظ مین عذاب و ثواب، نبوت، رسالت، حشر و نشر غرض تمام نظام شریعت کا انکار کیا، ابو العلا معری نے ۴۴۹ھ مین

؂۱ مسلم باب تحریم الکذب وبیان ما یباح منہ،

وفات پائی، اور اسی کے بعد خیام کا غلغلہ بلند ہوا، اور اس نے اخطل، ابونواس اور معری کے کھنڈر پر ایک نئی عمارت تعمیر کی، اخطل اور ابونواس صرف شراب کی تعریف میں قصیدے کہتے تھے، معری صاف صاف ملحدانہ بولی بولتا تھا، لیکن خیام نے ان خیالات میں ایک خاص ترتیب پیدا کر کے انکو ایک مستقل فلسفہ کے قالب میں ڈہالدیا، اور اسکے زمانہ میں دنیاے اسلام کی جو حالت تھی، اسکا قدرتی نتیجہ بھی یہی تہا، خیام کے زمانہ میں دین و دنیا دو گروہ کے ہاتھ میں منقسم ہوگئے تھے، علما، وفقہار کا گروہ جو خشک مزاجی، رہبانیت، جمود عجب غرور اور خود بینی میں ضمیریین اور رواقیین سے مشابہت رکھتا تہا، دین کا مالک تہا، اور ارباب سیاست یا اصحاب حکومت جنمین متواتر خانہ جنگی، طوائف الملوکی، اور فوجی ہنگامہ آرائی نے سخت قساوت، سنگدلی، بیرحمی اور جاہ پرستی کا مادہ پیدا کردیا تہا، دنیا کے مالک بنگئے تھے، اور ان دونون گروہ کی اخلاقی حالت نے تمدن کی لطافت اور اخلاق کی لچک کو بالکل فنا کردیا تہا، دنیا میں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، دو قسم کے لوگ ہوتے ہین، ایک وہ جو ثبات، استقلال اور ضبط نفس کے بہت بڑے حصہ دار ہوتے ہین، دوسرے وہ جو ہر شے مین سہولت ڈہونڈہتے ہین، اور تحمل شدائد پر قادر نہین ہوتے، پہلی قسم کے لوگ طبعاً رواقیین ہوتے ہین، اور دوسری قسم کے لوگ لذتیین، خیام فطرةً اسی دوسرے قسم کے لوگون مین تہا، نظام الملک کے دربار مین اگرچہ اُسکو بڑے سے بڑا سیاسی منصب ملسکتا تہا، لیکن اس نے اس دردسر کو گوارا نہین کیا، اور معمولی وجہ معاش پر قناعت کر کے عزلت گزینی اختیار کرلی، اس بنا پر نہ تو وہ زاہدون کی طرح ریاضت شاقہ کرسکتا تہا، نہ سپاہیون کی طرح میدان جنگ کی مصیبتین جہیل سکتا تہا، لیکن اسکی نگاہ کے سامنے یہی دو گروہ تھے، اور اُسکو اپنے طبعی خصائص کی بنا پر نظر آتا تہا کہ ان دونون گروہ کی بے اعتدالیون نے دین و دنیا دونون کے مطلع کو

غبار آلود کردیا ہے، اسلئے اس نے ان دونون کے جذبات وخیالات مین اعتدال پیدا کرنا چاہا، اپیکورس نے طبعی اور ضروری خواہشون کے پورا کرنیکی اجازت دی تھی، خیام نے بھی اس اعتدال کو سرمایۂ مسرت و راحت قرار دیا،

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد / وز بہر نشست آستانے دارد

نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے / گو شاد بزی کہ خوش زمانے دارد

لیکن خیام کو نظر آتا تھا کہ یہ مسرت دنیا سے کافور ہوگئی ہے اور افق عالم پر شہوانی خواہشین اسقدر محیط ہوگئی ہین کہ قناعت، فضائل انسانی کی فہرست سے خارج کردیگئی ہے، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ،

این جمع اکابر کہ مناصب دارند / از غصہ وغم زجان خود بیزارند

وانکس کہ اسیر حرص چون ایشان نیست / این طرفہ کہ آدمیش مے نشمارند

اسلئے خیام نے بالکل زاہدانہ لہجہ مین بتایا کہ دنیا جس دنیا پر جان دے رہی ہے وہ خود ایک چلتی پھرتی چھاؤن ہے، جن لوگون نے دنیا کو اپنی نمائشگاہ بنایا تھا، اب وہ خود دوسرون کی نمائش کا سامان بنے ہوے ہین،

خاکے کہ بزیر پاے ہر حیوانے است / زلف صنمے وعارض جانانے است

ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے است / انگشت وزیرے وسر سلطانے است

لیکن اسکے ساتھ خیام کو یہ بھی نظر آیا کہ جن لوگون نے اس حقیقت کو سمجھکر اپنا دامن سمیٹ لیا ہے ان مین بھی جمود تو ہے، لیکن سکون نہین، ان مین بھی قناعت تو ہے لیکن بےفکری نہین، ان مین بھی ذوق تو ہے، لیکن اس ذوق مین لطافت نہین، اسلئے خیام نے اس گروہ سے بھی علٰحدگی اختیار کی، اور صاف صاف کہدیا کہ

یک شیشہ شراب ولب یار ولب کشت | این جملہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت
قومی بہ بہشت و دوزخ اندر گروند | کہ رفت بدوزخ و کہ آمد ز بہشت

زان پیش کہ بر سرت شبخون آرند | فرمائے کہ تا بادۂ گلگون آرند
تو زر نہٗ اے غافل نادان کہ ترا | در پوتہ ہنند و باز بیرون آرند

این عقل کہ در رہِ سعادت پوید | روزے صد بار خود ترا می گوید
دریاب تو این یکدمہ فرصت کہ نہٗ | آن ترہ کہ بدروی و آخر روید

لیکن اس موقع پر اُسکو نظر آیا کہ اسکی یہ تعلیم مذہب اور فلسفہ دونون کے مخالف ہے مذہب تو صاف صاف اسکی مخالفت کرتا ہے، اور اپیکورس بھی شراب پینے کی اجازت نہین دیتا، اِسلیے اس نے جیسا کہ ایک رفیق الطبع اپیکورین کو ہونا چاہیے، سب سے پہلے ان عاجزانہ الفاظ مین خدا کے سامنے الحاح وزاری کی،

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن | بر جان و دلِ اسیر من رحمت کن
بر پاے خرابات رومن بخشائے | بر دستِ پیالہ گیر من رحمت کن

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجا است | تاریک دلم نور و صفائے تو کجا است
مارا تو بہشت اگر بطاعت بخشی | آن بیع بود لطف و عطائے تو کجا است

اسکے بعد اس گناہ کا اصلی سبب تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجبور تہا اِسلیے نہایت ادب کے ساتھ اُس نے اس گناہ کا ذمہ دار خود خدا کو قرار دیا،

نقشے است کہ بر وجودِ ما ریختہٗ | صد بوالعجبی ز ما برانگیختہٗ
من زان بہ ازین نمی توانم بودن | کز بوتہ چنین مرا فرو ریختہٗ

فلسفیانہ حیثیت سے اگرچہ اس نے اپیکورس کے اصول اعتدال کی خلاف ورزی کی

لیکن جہانتک ممکن تہا، اس نے اس بے اعتدالی مین بھی اعتدال کو ملحوظ رکہا اور شراب نوشی کے لئے متعدد شرطین مقرر کین،

مے گرچہ حرام ست دلے تاکہ خورد — آنگاہ چہ مقدار؟ و دگر باکہ خورد؟

ہرگاہ کہ این چہار شرط آید جمع — پس مے نخورد مردمِ داناکہ خورد؟

پھر صاف صاف ان شرائط کی تشریح کی،

گر بادہ خوری تو باخردمندان خور — یا باصنمے سادہ رُخے خندان خور

بسیار مخور، ورد مکن فاش مساز — اندک خور و گہ گہ خور و پنہان خور

اسکے نزدیک شراب پینے کا جو مقصد تہا اور یہ مقصد جس طریقہ سے حاصل ہوسکتا تہا اسکو اس طرح بیان کیا،

چون ہشیارم طرب زمن نہان ست — ورمست شوم درخردم نقصان است

حالے ست میان مستی وہشیاری — من بندۂ آنکہ زندگانی آن است

چون بادہ خوری زعقل بیگانہ مشو — مدہوش مباش وجہل راخانہ مشو

خواہی کہ مے لعل حلالت باشد — آزار کسے مجوے و دیوانہ مشو

اب اگر ان خیالات کو اپیکورین فلسفہ کے قالب مین ڈہالنا چاہین تو اُنکی ترتیب یہ ہوگی، قناعت اور آزادہ روی مین جو مسرت ہے اُسمین شخصی اور اجتماعی رنج وغم کی آمیزش نہین ہے، اِسلئے اگر

خواہی کہ ترا نزبیت اسرار رسد — مپسند کہ کس را زتو آزار رسد

از مرگ میندیش وغم رزق مخور — کین ہردو بوقت خویش ناچار رسد

اور اپیکورس بھی یہی کہتا ہے کہ "وہ لذتین تلاش کرو جنکے بعد رنج نہو"

شراب اگرچہ اپیکورس کے نزدیک جائز نہین، لیکن اگر اعتدال کے ساتھ پی جاے تو اس سے کسی قسم کا عقلی، اجتماعی اور اخلاقی نقصان نہین پہنچ سکتا، اسلئے وہ بھی اسی اصول کے تحت مین داخل ہے، اسکے علاوہ جتنی چیزین ہین، سب مین منفعت کے ساتھ مضرت، اور مسرت کے ساتھ رنج وغم کی آمیزش ہے، زہد وتقشف، مجاہدہ ومراقبہ، ریاضت وعبادت مین یا تو سرے سے کوئی فائدہ ہی نہین ہے، کیونکہ

توزر نہ اے غافل نادان کہ ترا | در لوتہ نہند و باز بیرون آرند

اسلئے حسب ارشاد اپیکورس "اس رنج سے بچنا چاہیئے جو کوئی لذت نہ پیدا کرے"،
اور اگر فائدہ ہے تو وہ ان فواید کے مقابل مین ہیچ ہے جو ہمکو دنیا مین حاصل ہو سکتے ہین،

یک شیشہ شراب ولب یار ولب کشت | این جملہ مرا نقد وترا نسیہ بہشت

اسلئے اپیکورس کی ہدایت کے مطابق "اس لذت سے احتراز کرو جو تمکو اپنے سے بڑی لذت سے محروم کردے"۔

اپیکورس کے اخلاقی دستور العمل کی آخری دفعہ یہ ہے کہ، "اس رنج کو برداشت کر لو جو اپنے سے بڑے رنج سے نجات دے یا جسکے بعد بڑی لذت حاصل ہو"۔

لیکن خیام نے اس چند روزہ زندگی کے بسر کرنیکے لئے جو روش اختیار کی ہے اسکے لئے کسی رنج کے برداشت کرنیکی ضرورت نہین اسلئے وہ ہمیشہ خوش رہنے کی تعلیم دیتا ہے،

روزیکہ گذشتہ است ازو یاد مکن | فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
برنامدہ وگذشتہ بنیاد مکن | حالے خوش باش وعمر برباد مکن

لیکن خیام نے جس زمانہ مین اس فلسفہ کی تعلیم دی اسکی عدم مقبولیت کے مختلف اسباب جمع ہو گئے تھے اس نے جو زمانہ پایا،

(۱) وہ فوجی ہنگامہ آرائیون کا زمانہ تہا، قوم مین اگرچہ عیش پسندی آگئی تھی، لیکن با این ہمہ جذبات و خیالات مین وہ رقت و لطافت نہین پیدا ہوئی تھی جو اس لطیف فلسفہ کا خیر مقدم کرتی، ترک تمام دنیا پر چہائے ہوئے تھے، اور وہ فطرۃً قدیم رومن قوم سے مشابہت رکہتے تھی شاعری کی تمام انواع مین صرف رزمیہ شاعری کا عام طور پر چرچا تہا، قدما نے غزل کا جو خاکہ تیار کیا تہا اسمین اسقدر رنگینی نہین آئی تھی جو خیام کے خیالات کو رنگین تر بنا دیتا،

(۲) ابو العلا معری نے جن خیالات کی بنا پر ملحد و بد دین کا خطاب پایا تہا، خیام نے اگرچہ بہت کچھ انکی اصلاح کر دی تھی، تاہم وہ قیامت کے انکار مین اسکا ہمزبان تہا، اور اہل ظاہر کی طرح اہل تصوف نے بھی اس مسئلہ مین شدت کے ساتھ اسکی مخالفت کی، اُس نے دنیوی عیش کو نقد اور اخروی لذتون کو اُدہار قرار دیا تہا،

یک شیشۂ شراب ولب یار ولب کشت این جملہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

خواجہ فرید الدین عطار نے اسکی تردید مین کہا،

گرفتم در بہشت نسیہ نتوانی رسیدن تو ولے خود را ازین دوزخ کہ نقد است برہانی

اس نے شاعرانہ انداز مین کہا تہا کہ انسان کچھ گہاس پات نہین ہے کہ ایک مرتبہ اگر اسکو کاٹ ڈالا جاے تو پھر اسمین نشو و نما ہو،

دریاب تو این یکدمہ فرصت کہ نۂ آن ترہ کہ بدرودی و آخر روید

مولانا روم نے بھی شاعرانہ انداز مین اسکا جواب لکہا،

کدام دانہ فرو رفت در زمین کہ نہ رست چرا بدانۂ انسانت این گمان باشد

(۳) اسلام کے گمراہ فرقون مین باطنیہ، مزدکیہ اور خرمیہ عقاید و خیالات مین خیام کے ساتھ اشتراک رکہتے ہین، یعنی فرقہ باطنیہ شریعت کو ایک معما قرار دیتا ہے، جسکے دو رخ ہین،

ظاہر و باطن، اور رمز و کنایہ اور خمریہ جائز و ناجائز کا فرق اُٹھا دیتے ہین اور ہر لذت کو اپنے لئے مباح قرار دیتے ہین، خیام کے زمانہ مین ان فرقون کی نشو و نما کا شباب تھا، اور وہ مذہبی اور پولیٹکل دونون حیثیتون سے خطرناک خیال کئے جاتے تھے، خیام جو خیالات ظاہر کرتا تھا اُن کا مقصد اگرچہ ان فرقون سے مختلف تہا، تاہم وہ ان خیالات کی ترجمانی کر کے مقبول عام نہین ہو سکتا تہا،

لیکن خیام کے بعد خواجہ حافظ نے اس فلسفہ کا اعادہ کیا تو انکی خوش قسمتی سے دفعتہً حالات بدل گئے،

(۱) تاتاری حملہ نے مسلمانون کے فوجی جذبات مین عام تنزل پیدا کر دیا اِسلئے جذبات مین عام طور پر رقت و لطافت آگئی،

(۲) تمدنی حیثیت سے شیراز بالکل موجودہ زمانہ کا فرانس بنگیا اور عیش پسندی کی یہ حالت ہوگئی کہ جب شاہ ابو اسحاق کے عہد مین شاہ مظفر نے شیراز پر چڑھائی کی تو ابو اسحاق نے بالاخانے سے اسکے لشکر کو دیکھکر کہا کہ "عجیب احمق ہے اس بہار مین یون اوقات خراب کرتا ہے" یہ شعر پڑھکر نیچے اُتر آیا،

بیا تا یک امشب تماشا کنیم ۔۔۔ چو فردا شود فکر فردا کنیم[1]

خواجہ حافظ اسی شاہ ابو اسحاق کے زمانہ مین تھے، اِسلئے اُن سے زیادہ کون اس شعر کی داد دے سکتا تہا،

(۳) جن ملحدانہ خیالات کی بنا پر ابو العلاء اور خیام بدنام تھے، خواجہ صاحب نے اُن سے بہت کم تعرض کیا، خیام بار بار حشر و نشر کا انکار کرتا ہے، اور صاف صاف کہتا ہے،

---

[1] شعر العجم تذکرۂ خواجہ حافظ،

تو زرنہ ای غافل نادان کہ ترا | دربوتہ نہند و باز بیرون آرند

دریاب تو این یکدمہ فرصت کہ نہ | آن ترہ کہ بدروی و آخر روید

لیکن خواجہ صاحب نے صراحۃً قیامت کا کہین انکار نہین کیا، ایکبار انکی زبان سے یہ شعر نکل گیا،

گر مسلمانی این است کہ واعظ دارد | وای اگر در پس امروز بود فردای

اسپر شاہ شجاع نے انکو ستانا چاہا، لیکن مولانا زین الدین ابوبکر تائبادی کے مشورہ سے انھون نے اسکو بھی ایک عیسائی کا مقولہ بنا دیا،

دی دو میتم چہ خوش آمد کہ سحرگہ میگفت | با دف و بربط و نے مغبچہ ترسائی[1]

اس بنا پر باوجود رندی و سرمستی کے کسی نے انکو ملحد یا بددین نہین قرار دیا،

(۴) رزمیہ شاعری بالکل فنا ہو چکی تھی اور صوفیانہ شاعری کو قبول عام حاصل ہو رہا تھا خواجہ صاحب کا کلام صوفیانہ خیالات سے لبریز تھا، اِسلئے صوفیون کے حلقہ مین خصوصیت کے ساتھ مقبول ہوا، آخر زمانہ مین خیام کو بھی اس مقدس حلقہ مین رسائی حاصل ہوئی، چنانچہ علامہ جمال الدین قفطی اخبار الحکماء مین لکھتے ہین

وقف متاخرو الصوفیۃ علی شیء من ظواہر شعرہ	متاخرین صوفیہ اسکے اشعار کی چند ظاہری باتون سے
فنقلوہا الی طریقتہم و تحاضروا بہا فی مجالساتہم	واقف ہوے اور انکو اپنے طریقہ کی طرف نقل کر لیا اور
و خلواتہم[2]	اپنی مجلسون اور اپنی خلوتون مین انکو پڑھا،

(۵) خواجہ صاحب نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے غزل کو انتخاب کیا تھا جسکی بحرون مین موسیقیت پائی جاتی ہے، بالخصوص خواجہ صاحب کا کلام تو سراپا موسیقی ہے مثلاً

چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش | کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

---

[1] شعر العجم تذکرۂ حافظ [2] اخبار الحکماء صفحہ ۱۶۲:

یکی از کفر می لافد دگر طامات می بافد	بیا کین داوریہا را بہ پیشِ داور اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقان ریزد	من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم
شرابِ ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم	نسیم عطر گردان را شکر در مجمر اندازیم

اسلئے وہ قوالون کی زبان پر نہایت آسانی سے چڑھ گیا، اور خیام کی رباعیون کو یہ بات نصیب نہین ہوئی،

(۶) اب مزدکیہ اور خرمیہ وغیرہ کا وجود باقی نہین رہا تہا، اسلئے حافظ کی آواز مذہبی بدگمانیان نہین پیدا کرسکتی تھی،

(۷) خواجہ صاحب کے کلام مین تنوع پایا جاتا ہے، جس سے انسان کی طبیعت نہین گھبراتی، اور خیام بار بار ایک ہی خیال کو دہراتا ہے جس سے جی اکتا جاتا ہے، ان اسباب کا یہ نتیجہ ہوا کہ خواجہ صاحب کا کلام گھر گھر پہیل گیا، اور اس نے ہر جگہ ایک عام جوشِ نشاط پیدا کردیا، چنانچہ خود خواجہ صاحب فرماتے ہین،

بہ شعرِ حافظِ شیراز می گویند و می رقصند	سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

لیکن خیام کی مقبولیت مخصوص اہل ذوق کے حلقہ تک محدود رہی، اور اس دائرہ سے باہر اسکا کوئی اثر قائم نہو سکا۔

عبد السلام ندوی

سیرِ فلک

از یوسف الزّمان صاحب آسیونی

آسمان کا منظر اندہیری رات مین بیشمار چھوٹے چھوٹے تارون سے جگمگاتا ہوا شاعرون اور فطرت کے عاشقون کے واسطے ایک دل بہلانے والا منظر ہے، کوئی تارون کی جھلملاتی روشنی کو بخت خفتہ کی بیداری سے تعبیر کرتا ہے، کوئی کسی تاریک رات کی لامتناہی درازی سے تنگ آکر فراق یار مین اختر شماری کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، کسی شاعر کی حسرت ناک امید اس شعر مین فراق کی راتون کے مشاغل پر کافی روشنی ڈالتی ہے،

الی اری واطن ان ستری　　　　وضح النہار وعالی النجم

روشن چاند اور نکہری سفید چاندنی بھی کیسے دلکش مناظر قدرت ہین، جیسے اندہیری رات کو عموماً فراق کی تکالیف اور خیال یار کے ساتھ نسبت دیجاتی ہے، ویسے ہی چاندنی رات شب وصل کے لوازمات اپنے ساتھ لاتی ہے، اور اسی سبب سے جاڑون کی شفاف چھٹکی چاندنی کو نوجوان بیوہ سے مشابہ کہا جاتا ہے، شعراء اور عشاق نے چاند کو وہ درجہ دے رکھا ہی کہ جسپر خود خوبروؤن کو رشک کرنا چاہیئے وہ خوبرون کو "مہ جبین" "مہ لقا" "ماہ رخ" کے نام دیتے ہین اور شاید اس خیال کی بنیاد پرانے اعتقاد سے کوئی تعلق رکھتی ہو، جب چاند ہی کو نہین بلکہ دوسرے سیارون اور ستارون کو بھی دیویان کہا جاتا تھا، جو خوبصورتی اور حسن مین لاثانی سمجھی جاتی تہین، "زہرہ جبین" اور "ثریا شمایل" اسکی خاص مثالین ہین، پھر روزمرہ کے نکلنے والے سورج کو بھی معشوق سے مشابہ کرنیکو چنا گیا، صاحب فسانۂ عجائب کی ملکہ مہر نگار

عقل و فرزانگی مین مردون کے کان کاٹتی تھی، اور جانِ عالم کی دوسری ملکہ ماہ طلعت سے جو نیکی، بھولے پن اور شرم و حیا کی تصویر تھی، کہین زیادہ سمجھدار تھی، سرور نے کمال فہانت سے ہوشیار، چالاک، اور شوخ تندخو ملکہ کو مہرنگار کا نام دیا، اور نیک، سنجیدہ مزاج بھولی بھالی، زود رنج ملکہ کو ماہِ طلعت کہا، اور حقیقت یہ ہے کہ سورج اور چاند مین کچھ ایسے ہی اوصاف پائے جاتے ہین، ہمارے مہرِ عالمتاب کو مے و میخانہ سے خاص نسبت دیجاتی ہے غالب کہتے ہین،

میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہان شیخ دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے

آفرینش آدم کے ایک عرصہ بعد تک محض اس قسم کے توہمات سے فضائے بسیط کی معمہ کو حل کیا جاتا رہا، اور یہ توہمات کچھ اس طرح سینکڑون صدیون سے ہمارے اجداد کی فطرت مین داخل ہو گئے تھے کہ اکثر اصحاب محض اس سبب سے کہ جدید اکتشافات چونکہ روایات سابقہ کے خلاف ہین، انکو ناقابل قبول تصور کرتے ہین، حالانکہ ہیئت کے متعلق جدید معلومات کا دار و مدار ریاضی، طبعیات، اور علم کیمیا (کیمسٹری) کے ان علوم متعارفہ پر مبنی ہے، جن سے کوئی انکار نہین کرسکتا،

انسان نے اپنی عقل اور اپنے تجربہ کے موافق ہر دور اور ہر زمانہ مین فضائے آسمانی کی چھان بین کی ہے، اسیریا، چین، مصر، ہندوستان، یونان، اور قرطاجنہ یہ سب قدیم ترین تہذیبون کے مرکز رہے ہین اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم ہمیشہ زمانہ قدیم مین تہذیب و تمدن کے ساتھ رہا ہے، ان تمام قدیم اقوام نے اس راز کو افشا کرنیکی کوشش کی ہے ستارون کو دیوتا مانا گیا، چاند کی پرستش کیگئی، سورج کے سامنے سر جھکایا گیا، اپنی محدود معلومات کے موافق زمین کو مرکز سمجھکر تمام کائنات کو اسکا ماتحت بیان کیا گیا، آسمان کو ٹھوس

قرار دیا، پھر بطلیموس نے ان تمام مناظر کو علمی سانچہ مین ڈھالا، لیکن یہ اور اس سے پہلے کے تمام نظریات و انفعات سے دور تھے، اصل ہیئت جدید کی ابتدا حق و صداقت کے شہدا کاپرنیکس اور گیلیلو کے ساتھ ہوتی ہے، انھون نے نظام عالم مین ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، زمین کو ایک ماتحت سیارہ تبلایا، سورج کو نظام شمسی کا مرکز قرار دیا، چاند کو خوبصورت دیوی کے بجائے زمین کا لڑکا کہا،[۱] دوربین سے تمام فضاے بسیط چھان ڈالی، اور وہ سب ثابت کر دیا جسکو تسلیم کرنیکو اسوقت لوگ تیار نہ تھے،

لیکن ہیئت جدید کی نئی ترکیب اسوقت ایک حدتک مکمل ہوئی جب نیوٹن نے صحیفۂ ہیئت مین نئے باب کا ہینن بلکہ ایک مستقل جلد کا اضافہ کیا، قانون کشش نے بہت سی ان باتون کو ثابت کر دیا جنکو گلیلو اور کاپرنیکس نہ ثابت کرسکے تھے، یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب قرون مظلمہ (تیرہوین، چودہوین اور پندرہوین صدی عیسوی) کی کثیف تاریکی سے نکل کر روز روشن کے مناظر اور ان چیزون کی حقیقت جان کر جو شب تار کی ظلمت مین کچھ کی کچھ نظر آتی تھی، یورپ اپنی لاعلمی کے باعث کی ہوئی حرکتون پر اظہار تاسف کر رہا تھا، اہل یورپ کی بیداری سے عقل انسانی کی بلند پروازی نے ہیئت جدید کو ایک نئے ڈھنگ پر پیش کیا، کاپرنیکس کے نظریات، گیلیلو کی دوربین کی ایجاد، نیوٹن کے قانون کشش، انیسوین صدی مین فوٹوگرافی کا ہیئت مین استعمال، اور سب سے آخر مین اسپکٹرسکوپ سے روشنی کے اجزا کی تقسیم، ان سب باتون نے مل کر اب ایک ایسے نظام کائنات کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے جسکا ذکر تعجب خیز ہیبت اور حیرت انگیز عظمت ہمارے دلون مین پیدا کرتا ہے،

---

[۱] ہم اپنے ایک آیندہ مضمون مین دکھلا ئینگے کہ اس خیال مین کہ چاند اصل مین زمین کا ایک حصہ تھا بہت کچھ اب تغیر ہو گیا ہے

قبل اسکے کہ اس پر ہیبت منظر کا کچھ ذکر کیا جاے، ہیئت کی ایک ضروری اصطلاح کو واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے، "روشنی کے سکنڈ" "روشنی کے منٹ" "روشنی کا سال" ہیئت کی ایک اصطلاح ہے جس سے فاصلہ ظاہر کیا جاتا ہے بلکہ یون کہنا چاہئیے کہ فاصلہ کو وقت کی صورت مین تبدیل کرکے قابل قیاس بنایا جاتا ہے،

اندہیری رات مین اگر آتش بازی چھوٹتی ہو تو گولون کی آواز روشنی نظر آنے کے بعد سُنائی دیتی ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے کہین زیادہ ہے، آواز کی رفتار محض دو فرلانگ فی سکنڈ ہے، اور روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل (بلکہ کسیقدر زیادہ) فی سکنڈ ہے، ایک سال مین ۳ کرور ۱۵ لاکہہ ۳۶ ہزار سکنڈ ہوتے ہین، اسلئے وہ روشنی جو ایک سال مین ہم تک پہنچی ہم سے تین کرور × ۱۸۶۰۰۰ میل یعنی ۵۵ کہرب ۸۰ ارب میل کے فاصلہ سے آتی ہے، اور اِسلئے بغرض آسانی اس فاصلہ کو "ایک روشنی کے سال سے تعبیر کرینگے، آفتاب کی روشنی زمین تک آٹہہ منٹ مین آتی ہے اور دونون کے درمیان ۹ کرور میل کا فاصلہ ہے، اس فاصلہ کو قیاس مین آنے کے قابل بنانیکی غرض سے کہین گے کہ آفتاب ہم سے آٹہہ "روشنی کے منٹون" کے فاصلہ پر ہے،

آفتاب ہمارے نظام شمسی کا مرکز ہے، عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل نودریافت شدہ یورنیس اور نیپچون، مع اپنے رفقا کے آفتاب کے مستقل حاشیہ نشینون مین ہین، لیکن ہر سال دو تین مہمان فضائے بسیط کے دور از قیاس حصص سے سفر کرکے ہمارے نظام مین داخل ہوتے اور "خسرو انجم" کے سامنے زانوے ادب تہ کرتے ہین، ان مہمانون کو ہم "مدار ستارے" کہتے ہین، ہر سال پر شاید آپکو تعجب ہوا ہو، ہر سال یہ آتے تو ضرور ہین لیکن بلا دوربین کے نظر نہین آتے، البتہ چند مشہور مدار ستارے جو ہمارے مستقل مہمانون

ہین ہین اور ایک خاص مدت کے بعد نمودار ہوتے ہین، انکو ہر شخص چشم عریان سے (بلا دوربین کی مدد کے) دیکھہ سکتا ہے، ہیلی صاحب کا دمدار ستارہ جو ہر ۷۵ یا ۷۶ سال کے بعد نمودار ہوتا ہے، خاص طور سے قابل ذکر ہے، ۱۹۱۰ء مین یہی ستارہ نمودار ہوا تھا،

ہمارا نظام شمسی نظامون اور ستارون کے جہرمٹ سے دور ودراز فاصلہ پر ہی اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر نظام شمسی کو ایک میل لمبا چوڑا نخلستان تصور کرلین تو اس خلا کو جسمین کوئی دوسرا استارہ ابتک نظر نہین آیا، اور جو ہمارے نظام (شمسی) کے گرداگرد پہیلا ہے، نسبتہً صحرای افریقہ کا دوگنا ماننا پڑیگا، ایک "روشنی کا سال" ۵۵ کہرب میل (۵½ بلین) کے برابر ہے، اور ہمارے آفتاب سے نزدیک ترین سیارہ (Alpha Centauri) تین "روشنی کے سالون"، یعنی تقریبًا ایک نیل ۶۵ کہرب (۱۶ بلین) میل کے فاصلہ پر ہے، اگر ان ستارون کی روشنی آج کسی سبب سے غائب ہوجاے تو تین سال کے بعد ہمین اسکی اطلاع ہوگی،

گرمیون کی اندہیری رات مین جب بچہ کسیقدر سمجھدار ہوتا ہے تو ان چمکتے جہلملاتے ستارون کو شمار کرنیکی کوشش کرتا ہے، لیکن اسکی کوشش بیکار ہوتی ہے، وہ مان سے جو اسکے نزدیک ہر سوال کا تسلی بخش جواب دینے پر قدرت رکھتی ہے انکی تعداد کی بابت سوال کرتا ہے، اور مان ہون ہان کرکے اس معاملہ کو "عالمانہ" سکوت سے ٹال دیتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ہیئت قدیم تو صحت اعداد کے معاملہ مین حقیقت سے بہت دور تھی سواے اسکے کہ لاتعداد، لاتحصیٰ، بے شمار سے انکی تعداد کا پرہیبت اندازہ کیا جائے، تمام قدیم زبانون کے لٹریچر مین ہمیشہ ستارون کی تعداد کو ناقابل شمار ظاہر کیا گیا ہے، اور بہت سی السنہ جدیدہ نے بھی قدما کی تائید مین یہی طرز عمل اختیار کیا ہے، چنانچہ اردو زبان

مین بھی انجم یا ستارہ کا لفظ بے شمار کے معنون مین استعمال ہونے لگا ہے، ڈاکٹر اقبال اپنی مشہور نظم بلال مین "سکندر رومی" کی فوج کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہین،

دنیا کے اس شہنشہ انجم سپاہ کو　......　حیرت سے دیکھتا فلکِ نیل فام تھا

ہیئت جدیدہ نے اس سمت کافی ترقی کی ہے، دور بین کی ایجاد سے پہلے کل ستارون کی تعداد کا اندازہ محض آٹھ ہزار کیا گیا تھا، لیکن بہترین دوربینون کی مدد سے یہ تعداد ۱۰ کرور تک پہنچتی ہے، اب فوٹو گراف کے ذریعہ سے جو نقشے شمالی وجنوبی آسمانون، کیونکہ زمین سے شمالی نصف کرہ سے نظر آنیوالے ستارے جنوبی نصف کرہ سے نظر آنیوالے ستارون کے مختلف ہین، کے لئے گئے ہین انھون نے اس تعداد مین بہت بڑا اضافہ کردیا ہے،

پچھلے چالیس سال مین فوٹو گرافی نے ہیئت مین ایک انقلاب پیدا کردیا ہے ان ستارون کا بھی فوٹو لے لیا گیا ہے، جنکی روشنی ایسی کم تھی کہ پلیٹ پر بلاکئی گھنٹہ کے اثر کے اُن کا فوٹو لینا محال تھا، اس طرح اب ستارون کی تعداد کئی ارب تک پہنچ گئی ہے

ان ستارون کی روشنی کے مختلف مدارج ہین، اسکے لحاظ سے وہ تقسیم کئے گئے ہین، وہ ستارے جو دس "روشنی کے سالون" تک کے فاصلہ پر ہین، مشہور ستارے ہین، لیکن فضائے آسمانی مین بلحاظ فاصلہ کے دریافت شدہ ستارون کی تعداد مین بھی کمی ہوتی گئی ہے، مثلاً ۵۰ روشنی کے سالون" کے فاصلہ پر جتنی تعداد ستارون کی دریافت ہوئی ہے اس سے ان ستارون کی تعداد کم ہے، جو ۲۵۰ "روشنی کے سالون" کے فاصلہ پر ہین آسمان کے فوٹو گرافی کے نقشون سے ثابت کیا گیا ہے کہ بعض ستارے ایسے بھی دریافت ہوئے ہین جو ۲۳۰۰۰ "روشنی کے سالون" کے فاصلہ پر ہین، اس فاصلہ کو میلون مین

ظاہر کرنا فضول ہے، محض یہ یاد دلانا کافی ہے کہ "ایک روشنی کے سال" مین ۵ ۵ کہرب ½ ۵ بلین، میل ہوتے ہین،

ستارون کی زندگی کے مختلف دور ہین، نیلگون روشنی کے ستارے اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے گذر رہے ہین، زردی مائل روشنی کے ستارے عالم شباب کے مزے اٹھارہے ہین، اور سرخی مایل ستارون پر پیری کے آثار ہویدا ہین، اور وہ ایسے دور سے گذر رہے ہین جسکے بعد انکی ساری چمک دمک مبدل بہ تاریکی ہو جائیگی، اور وہ ہماری دنیا سے پھر نظر نہ آئین گے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کی یاد مین کوئی ستارہ ان تینون دورون مین سے گذر گیا ہو، کرورون برس مین ایک دور سے دوسرے دور مین ستارے پہنچتے ہین،

ہمارا آفتاب جو اپنی زندگی کے آخری دور سے گذر رہا ہے، زمانۂ قدیم مین تمام ستارون کی مملکت کا سرگروہ تصور کیا جاتا تہا، اور چونکہ دوسرے ستارے آفتاب کے سے روشن نہین نظر آتے تھے اسلئے آفتاب کے ماتحت سمجھے جاتے تھے، غالب نے اسی خیال کو یون نظم کیا ہے،

خسرو انجم کے آیا صرف مین　　　　شب کو تہا گنجینۂ گوہر کہلا

لیکن اس خیال کا ایک دوسرا سبب بھی تہا، اسقدر بُعد کا خیال قدما مین نہین پیدا ہوا تہا، وہ لوگ ان تمام ستارون کو ٹھوس آسمان یا آسمانون مین جڑا ہوا تصور کرتے تھے، بطلیموس اور اسکے بعد کے ہیئت دانون نے ان خیالات مین بہت کچھ جلادی، پھر بھی کوئی اصولی تغیر ستارون کے بارہ مین نہین ہوا، جدید تحقیقاتون نے جو عظیم ترین دوربینون اور بہترین سامان فوٹوگرافی کی مدد سے کیگئی ہین، ثابت کردیا ہے کہ "خسرو انجم" حقیقتاً محض

نو سیارون اور چند د مدار ستارون کا مرکز ہے،

وہ زبردست ستارے، عظمت وہیبت کے ناقابل قیاس مجسمے جو اس فضاے آسمانی کی خلا مین غیر معمولی سرعت اور انتہائی سکون اور خاموشی سے کسی نامعلوم منزل کی طرف سرگرم سفر ہین، ہمارا آفتاب باوجودیکہ ہماری زمین سے کئی لاکھ گنا بڑا ہے، اِنکے مقابلہ مین حقیقتاً ایک ذرہ کے برابر ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخران لاتعداد نظامون کے مجموعہ کے بعد کیا ہے؟ یہ منجملہ ان سوالات کے ہے جنکا جواب دینے سے ابتک انسان کی عقل، اسکی معلومات، اور اُسکے کل تجربات قاصر رہے ہین، انکی انتہا کے متعلق اسکے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ستارون یا بالفاظ دیگر آفتابون کا چلا گیا ہے، جنکا قیاس کرنا بھی ہمارے خیالات کو ہیجان مین ڈال دیتا ہے اور اس جگہ ہم اس "قانون کل" کا ہیبت ناک تصور کرتے ہین، جو ان تمام ستارون اور انکے ماتحت سیارون، ان سیارون کی آبادی، انکے جاندارون کے وجود کا راز ہی، یہی جگہ ہے جسکے بعد انسان کی عقل، اسکے تجربات، اسکی علمیت کا زعم اور اسکی معلومات کا گھمنڈ باطل ثابت ہوتا ہے، اور یہین سے "سرحد اعتقاد" یا "ایمان بالغیب" کی ابتدا ہوتی ہے جسکو طے کرکے لوگ مذہب کی مملکت مین داخل ہوتے ہین،

ہماری داستان ابھی ختم نہین ہوئی، ستارون کے اس سارے قصہ کو بیان کرنیکے بعد اگر یہ نتیجہ نکالا جاے تو بیجا ہوگا کہ ممکن ہے یہ ستارے[1] بھی ہمارے آفتاب کی طرح اپنے اپنے نظامون کے مرکز ہون، اِنکے ماتحت بھی بہت سے سیارے ہون اور کون کہہ سکتا ہی کہ ویسے ہی تغیرات کے زیر اثر رہ کر جنھون نے ہماری زمین پر عمل کیا تھا، ان سیارون مین

[1] ہم اپنے آیندہ مضمون مین اس بحث پر علما ہیئت کی راے سے ناظرین معارف کو مطلع کرینگے،

بھی جاندار مادہ کا وجود نہین، ہان یہ ممکن ہے کہ وہ جاندار مادہ اس دنیا کے جاندارون سے مشابہ ہو، اب ذرا غور کیجئے کہ لاتعداد آفتاب اور انکے لاتعداد سیارے اور انکی ناقابل قیاس آبادی، ان نتائج تک پہنچنا، تخئیل کی انتہائی بلند پروازی اور قیاس کی رفیع ترین پرواز ہے،

اجرام فلکی کی گردش کے متعلق بہت سی تحقیقاتین ہوئی ہین، لیکن ان مین سے دو خاص طور سے قابل ذکر ہین، ستارے جیسا کہ پہلے خیال تھا ساکن نہین، محوری گردشون کے علاوہ تمام ستارے بلحاظ سمت گردش دو گروہون مین تقسیم ہو سکتے ہین، دونون گروہ ایک دوسرے سے مختلف سمت کو گردش کرتے ہین، ہر ایک ستارہ ان دونون گروہون مین سے کسی ایک مین شامل ہے، ستارون کے اس سفر کی ابتدا کہان سے ہوئی، اور اُن کی منزل مقصود کیا ہے؟ اسکا کوئی جواب ہمارے پاس نہین،

اسپکٹراسکوپ ایک آلہ ہے جسکو "آلۂ گردش نما" کہنا چاہیئے، اس سے روشنی دیکھکر ستارون کی حرکت اور اُنکی سمت وغیرہ معلوم کیجاتی ہے، ولیغہ (Vega) نامی ستارہ کی روشنی کو اس آلہ سے جانچا گیا، علماء ہیئت اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ ہمارا آفتاب مع اپنے ذریات کے اس ستارہ کی جانب جارہا ہے، یہ صحیح ہے کہ ولیغہ ہم سے نیلون (نیل = بلین = ملین ملین) میل دور ہے، لیکن رفتار جس سے آفتاب سرگرم سفر ہے دنیاوی لحاظ سے زیادہ ہے، یعنی ۱۹ میل فی سکنڈ یا قریب قریب ۶۰ کرور میل سالانہ، یہ تباہ کن نتائج پیدا کرنیوالی رفتار اسلئے ابھی خطرناک نہین کہ ولیغہ ہم سے بہت ہی دور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فضاے آسمانی مین آفتاب کی حرکت دوسرے ستارون کی کشش کے باعث کچھ اس طرح بدلجاے کہ ہمارے آفتاب کا سفر اس منحوس دن کو نہ دیکھے

جب ولیقہ اور ہمارا آفتاب برسر پیکار ہون اور دونون کی گرما گرمی مین ہماری ذرا سی زمین بھی گیہون کے گہن کی طرح نیست و نابود ہو جائے،

غیر مناسب نہوگا اگر اس جگہ اس نئے نظریہ کا سرسری ذکر کیا جائے جو نظام کائنات کو ایک نئے ڈھنگ سے پیش کریگا، ابتک یعنی ۱۹۱۵ء سے پہلے سر ایزک نیوٹن کا یہ نظریہ کہ روشنی خطِ مستقیم مین حرکت کرتی ہے، مسلمہ اور تسلیم کردہ نظریون مین سے تہا لیکن جرمنی کے مشہور ریاضی دان انیسٹن نے سب سے پہلے ۱۹۰۵ء مین اور اسکے بعد ۱۹۱۵ء مین اپنا یہ دعوی پیش کیا کہ روشنی پر بھی قانون کشش کا اثر پڑتا ہے، مگر مئی ۱۹۱۹ء سے پہلے بہت کم لوگ اس خیال کو کچھ بھی اہمیت دیتے تھے، تاہم ہیئت دانون کو فکر دامنگیر ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح اس خیال کی تائید یا تردید کرنی چاہئیے چنانچہ یہ معلوم کرکے کہ مئی ۱۹۱۹ء کو جنوبی امریکہ اور شمالی افریقہ مین کسوف کامل ہونیوالا ہے، برٹش اسٹرانومیکل سوسائٹی کی جانب سے دو مشن روانہ کئے گئے، ایک برازیل (جنوبی امریکہ) دوسرا شمالی افریقہ کے مغربی ساحل پر ایک جزیرہ مین، وقت معینہ پر جب آفتاب مین پورا گہن پڑا تو دونون جگہون آسمانون کے نقشے لئے گئے، اور بعد کو ان نقشون سے اُن نقشون کا مقابلہ کیا گیا جو ایسے وقت سے لئے گئے تھے جب آفتاب درمیان مین حائل نہ تہا، دونون کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ پہلے نقشون کی بہ نسبت بعد کے نقشون مین ستارے آفتاب کی سمت کو کسیقدر دبے ہوئے تھے، پہلے نقشون مین روشنی بلا کسی روک ٹوک کے ہم تک آئی تھی، لیکن بعد کے نقشون مین روشنی چونکہ آفتاب کے قریب سے گذری اِسلئے کسیقدر اسکی کشش کے زیر اثر آفتاب کی جانب خطِ منحنی بناتی ہوئی دب گئی، مثال سے یہ بات پورے طور پر ذہن نشین ہو سکتی ہے،

نقشۂ ذیل مین آ وہ جگہ ہے جہان ایک ستارہ معمولی نقشون مین ملتا ہے، لیکن ب وہ جگہ ہے جہان روشنی کی آفتاب کی جانب کشش کے سبب مئی ۱۹ء کو لئے ہوے نقشون مین وہی ستارہ ملتا ہے،
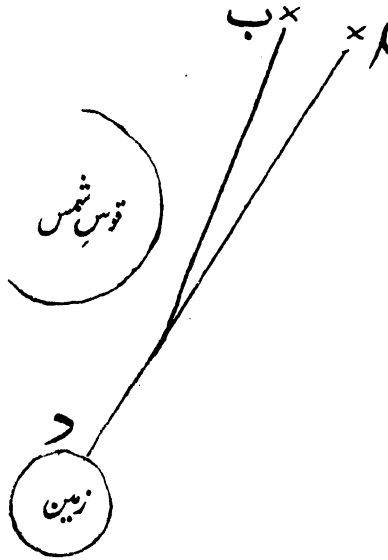
د وہ مقام ہے جہان اس منظر کے نقشے لئے گئے تھے، آینسٹن کے نظریہ کی اس عملی تائید نے دنیاے جدید مین ایک تہلکہ ڈالدیا، اور گذشتہ جون سے لیکر دسمبر تک ولایتی اخبارات اس جدید تغیر کے نتائج اور خوش آیند توقعات پر قلم فرسائی کرتے رہے،

تلخیص و تبصرہ

اسلام بطور عالمگیر مذہب کے

خواجہ کمال الدین سالہا سال سے اشاعت اسلام کی جو سرگرم کوششین عمل مین لارہے ہین، اور غیر اقوام کے سامنے تبلیغ اسلام جن بہترین صورتون کے ساتھ فرمارہے ہین انکا اعتراف ہر منصف مزاج شخص پر لازم ہے، چند ماہ ہوے اُنھون نے جنوبی ہند کا دورہ کیا تھا، اور اس دورے مین جا بجا اُنھون نے اپنی مجوزہ "انجمن مذاہب" کے مقاصد کی بھی تشریح کی تھی، اس سلسلہ مین ایک لکچر اُنھون نے "پیام اسلام" کے عنوان سے دیا تھا، جسکی تلخیص درج ذیل ہے:۔

خواجہ صاحب نے آیۂ کریمہ قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله کی تلاوت کرکے بیان کیا کہ اخوت عامہ کا یہ وہ پیام ہے جو آج تیرہ سو برس ہوے اسی نبی کی زبان سے ادا ہوا تھا جو ان انبیاے کرام کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی، جو خدا کی طرف سے ہر ملک اور ہر زمانہ مین اس غرض سے مبعوث ہوتے رہے ہین کہ نسل انسانی کے تنازعات و اختلافات کو مٹاکر ان مین اتحاد و یکجہتی پیدا کرین، اور مین آج اس پیام کو پھر اسلام کی جانب سے پیش کرنیکو حاضر ہوا ہون، آپ حضرات مین سے جو لوگ وید کو کلام ربانی تسلیم کرتے ہین اور ہندوستان کے رشیون کی اولاد مین ہین، جو لوگ یہودی ہین، یا عیسائی ہین، یا اور کسی الہامی مذہب کے قائل ہین، مین انکی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ آئیے ہم آپ سب مل کر ایک امر پر متحد

ہو جائین اور وہ یہ کہ ہم سب خدائے واحد ہی کی پرستش کرین، ہم سب مل کر ایک مشترک معبد بنائین، جسمین سب ایک ہی برتر معبود کے آگے سر جھکائین،

حضرات، آپ یہ اندیشہ نکرین کہ مذاہب و ملل کے اس تعدد و تنوع کے زمانہ مین اتحاد و یکرنگی کی کوششین کیونکر بار آور ہو سکینگی، ترقی نام ہی تعدد و تنوع کا ہے، فطرت نے اپنے قدم آگے بڑہانے کا راستہ بھی رکھا ہے، تخم ایک واحد و غیر منقسم شئے ہوتی ہے لیکن اسکے ارتقار کے معنی ہی یہ ہین کہ اسمین کلّے پیدا ہون، شاخین ہون، ٹہنیان ہون، پہول ہون، پتیان ہون، ڈنٹھل ہون، پہل ہون، نطفہ اپنی ابتدائی حالت مین نسبتہً ایک مفرد و بسیط شئے ہوتا ہے، لیکن جنین کی حالت مین اسمین کتنے نئے نئے اجزا پیدا ہونے لگتے ہین، اس قانون کی بیشمار مثالین ہین، اور جمادات، نباتات، حیوانات، ہر جگہ یہی قانون اپنا عمل کرتا ہوا نظر آتا ہے،

انسان کی اجتماعی زندگی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین، وحشی قبائل مین ہر فرد خود اپنی ضروریات کا کفیل رہتا ہے، لیکن جون جون تمدن و تہذیب کے قدم آتے جاتے ہین تقسیم عمل شروع ہونے لگتی ہے، یہانتک کہ کچھ روز مین مختلف پیشے، صنائع، اور مشاغل پیدا ہو جاتے ہین، دیہات اور قریئے بڑہتے بڑہتے شہر ہو جاتے ہین، شہرون کا اجتماع ملک و سلطنت کی شکل حاصل کر لیتا ہے اور مختلف ممالک ملکر براعظم بنجاتے ہین،

پس مذاہب کے تنوع و تعدد سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہین، یہ نوعین ترقی و نمو کی علامت ہے، خود ہمارے پیمبر نے اختلاف امت کو "رحمت" سے تعبیر کیا ہے، البتہ اصل سوال یہ ہے کہ ان مین باہم رابطۂ اتحاد کیونکر پیدا کیا جائے، اُسکے جواب مین ہمین ان اصول کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، جنکے ماتحت ارتقار کائنات کی رفتار جاری ہے، اگر

تخم کی حالت سے درخت بننے کے منازل کو پیش نظر رکھا جائے تو حسب ذیل مراتب ہفت گانہ معلوم ہونگے:-

(۱) سارے نظام شجری کی اصل ایک شے، تخم ہوتی ہے،

(۲) اس سے کلے پھوٹتے ہین،

(۳) تمام شاخین جڑ کی ماتحت و محکوم رہتی ہین،

(۴) ہر شاخ دوسری شاخ کا مستقل و علحدہ وجود تسلیم کرتی رہتی ہے،

(۵) ہر شاخ ایک دوسرے سے منتفع ہوتی رہتی ہے،

(۶) کوئی شاخ ایک دوسرے کی بربادی کے درپے نہین رہتی،

(۷) درخت کا وجود و قیام، اسکے تمام مختلف اعضاء کا مشترک مقصد رہتا ہے،

ہر مفرد و بسیط شے کو مرکب حالت تک تبدیل ہونے اور ہر شے کو کمال نمو تک پہنچنے مین انہی منازل ہفت گانہ سے ہوکر گذرنا پڑتا ہے، مادیات و جسمانیات، نفسیات و روحانیات، اخلاقیات و سیاسیات، غرض ہر شعبۂ موجودات مین یہی قانون عامل ہے اور دنیا کو ایک مرکز پر لانے مین، اگر کبھی بھی کامیابی ہوسکتی ہے تو انہین نوامیس سبعہ کی پابندی و رعایت کے ساتھ،

اصول بالا مین سے اصول چہارم، جسکا مفہوم رواداری یا ایک دوسرے کی ہستی کے اعتراف و احترام کا ہے، اتحاد مذاہب کی راہ مین سب سے زیادہ دشوار نظر آتا ہی، ہر مذہب صرف اپنے تئین سچا قرار دیتا ہے اور دوسرون کو گمراہی و ضلالت کے مرادف تسلیم کرتا ہے لیکن اسلام کی تعلیم اس دشواری کا نہایت صحیح حل پیش کرتی ہے، اسلام سے پہلے تمام مذاہب صرف اپنے تئین حامل حق اور دوسرون کو جادۂ ضلالت قرار دیتے تھے، اور یہی صد

آج بھی ہر غیر اسلامی حلقہ سے آرہی ہے کہ نجات صرف اسی کے مخصوص عقاید کے اندر محدود ہے
حالانکہ منافع مادی کے جتنے اصلی مراکز ہین، مثلاً چاند اور سورج، آسمان و زمین، ستارے اور
بادل، ہوا اور پانی، انکی فیض رسانی سے کسی فرقہ و عقیدہ کے لوگ محروم نہین، اُنکی نفع رسانی
جملہ مخلوقات کے لئے یکسان و مشترک ہے، تو کیا قدرت کا بخل صرف نجات رُوح کے
بارہ مین ہے؟ کیا فیوض روحانی بہ نسبت منافع مادی کے غیر اہم ہین؟

قرآن سب سے پہلی کتاب ہے جس نے اس خطرناک غلطی کو مٹایا، اسکی پہلی ہی آیت نے
دنیا کو اسکی تعلیم دی کہ خداتعالےٰ کسی مخصوص ملک، فرقہ، قوم، یا قبیلہ کا خدا نہین بلکہ رب العالمین ہے
یعنی جملہ موجودات کا پروردگار ہے، تنہا عرب و عراق، مصر و شام، یورپ و امریکہ کا نہین، اخوت
عامہ کا یہ درس قرآن مین بار بار تاکید و تصریح کے ساتھ ملتا ہے، مثلاً یہ کہ "ہر قوم کے لئے
ایک ہادی ہے[۵۱]" "ہر جماعت کے لئے ایک رسول ہے[۵۲]" "کوئی طبقہ انسانی ایسا نہین جسمین
خدا کی جانب سے ڈرانے والا نہ بھیجا گیا ہو[۵۳]" وقس علی ہذا۔

حضرات، یہ اس کتاب کی تصریحات ہین جسے اُسکے مخالفین تعصب و عدم
رواداری کا سرچشمہ بتاتے ہین، مین آپ سے عرض کرتا ہون کہ اس فراخدلی و رواداری کی نظیر
اگر دنیا کی کسی اور الہامی کتاب مین مل سکتی ہو تو پیش کیجاے، یہ قرآن اور محض قرآن ہی
کی تعلیم کا اثر ہے، جسکی بنا پر مین آپکے سامنے یہ کہنا چاہتا ہون کہ جس طرح میرا ایمان قرآن
پر ہے اسی طرح مین غیر محرف انجیل و وید کو بھی کلام الٰہی مانتا ہون، اور جس طرح مین موسیٰ کو
رسول برحق مانتا ہون، اُسی طرح یہ عقیدہ رکھتا ہون کہ کرشن و رامچندر بھی خدا ہی کے
فرستادہ پیامبر ہین جو سرزمین ہند پر بشیر و نذیر کی حیثیت سے بدی کو کچلنے اور نیکی کو اُبھارنیکے

---

۵۱ لکل قوم ہاد ۵۲ ولکل امۃ رسول ۵۳ وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر۔

لئے مبعوث ہوئے تھے، اور جس بحر معرفت سے مسیح ابن مریم سیراب تھے، اُسکے جرعہ نوش زر تشت بھی تھے، تاکہ ایران مین آتش حق پرستی کو شعلہ زن کرین، اور انہین چند نامون پر موقوف نہین، دنیا مین جہان کہین انسانی آبادی کا وجود رہا ہے، وہان کوئی رسول یا پیمبر بھی ضرور بھیجا گیا ہے، جہان کہین ظلمت رہی ہے وہان نور بھی پہنچایا گیا ہے، اور مین یہ جو کچھ کہہ رہا ہون میری ذاتی راے نہین، قرآن کی صاف و واضح تعلیم ہے:-

قولوا آمنّا باللهِ وما اُنزِلَ الینا وما اُنزِلَ الی ابراھیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اُوتِیَ موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النّبیّون من ربھم لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنھُم ونحنُ لہٗ مُسلِمون۔ (سورہ بقر-آیت ۱۳۶)

جسکے لحاظ سے مسلمان پر ہر نبی کو برحق سمجھنا واجب ہو جاتا ہے، اور اس طرح اصول متذکرہ بالا مین چوتھے اصول کی منادی جس جامعیت سے قرآن کرتا ہے، اسکی نظیر دنیا کے مذہبی لٹریچر مین مجھے نہین ملتی، اور مسلمان نہایت کشادہ دلی سے ہر دوسرے مذہب وملت کا احترام کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے،

اصول رواداری کے علاوہ ارتقاء کائنات کے باقی چھ اصول کو ایکبار پھر پیش نظر کر لینا چاہیئے،

(۱) اتحاد اصل،

(۲) انشقاق وانشعاب،

(۳) مرکزیت ومرجعیتِ اصل

(۴) باہمدگر نفع رسانی

(۵) عدم ضرر رسانی

(۷) متحد اغراض کے لئے اشتراک عمل،

اب دیکھئے کہ قرآن ان مین سے ہر اصول کی کیسی صریحی و پرزور تائید کرتا ہے، نمبروار ایک ایک اصول کو لیجئے:۔

(۱) پہلا عنوان اتحاد اصل کا ہے، یعنی سب کا مبدأ اور سب کی اصل ایک ہی ہے، قرآن کا ارشاد ہے، قُلْ اَتُحَاجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ (بقر، آیت ۱۳۹) جسکے صاف معنی یہ ہین کہ خدا تو سب کا معبود ہے، پھر اہل مذاہب کیون باہم مخالفت و مناقشہ مین مشغول رہتے ہین؟ ضمنی و فرعی مسائل مین کتنے ہی اختلافات ہون، پھر بھی سب کا اصلی مبدا ر ذات باری ہی ہے،

(۲) دوسرا اصول، اسی پہلے اصول کی تفریع ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ (بقر، آیت ۲۱۳) اسکا کھلا ہوا مفہوم یہ ہے کہ تمام نوع انسانی گویا ایک ہی خاندان تھا جو رفتہ رفتہ مختلف شعوب و قبائل مین تقسیم ہوتا گیا، اور ہر ایک کی ہدایت کے لئے جدا جدا انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور اس بنا پر کسی مذہب کو باطل نہین کہا جا سکتا، بلکہ سب ایک ہی منزل مقصود کی طرف لیجانے کی مختلف راہین ہین،

(۳) تیسرا اصول مرکزیت اصل کا ہے، اس باب مین فرمان خداوندی ہے:۔ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا یعنی ہر صورت مین اور ہر پیرایہ سے معبود واحد ہی کو (جو سب کی اصل ہے) مانتے رہنا چاہیئے،

(۴) چوتھے اصول سے متعلق قرآن کی تصریحات تفصیل سے اوپر گذر چکین کہ ہر قوم اور ہر ملک مین انبیاء برحق پیدا ہوتے رہے ہین، اور کوئی نبی جھوٹا نہین،

(۵) اصول پنجم کا عنوان باہدگر نفع رسانی و نفع یابی کا ہے، اسکے بابت ہمارے پیمبر صلعم کی

تاکید ہے کہ دانائی کی بات مسلمان کی گم شدہ دولت ہے، وہ جہان کہین بھی ملے اسے حاصل کرنا چاہیئے، الحکمۃ ضالۃ المومن فخذوھا حیث وجدتموھا یہ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ مین بے تکلف انجیل و وید سے فائدہ اُٹھاتا ہون، اور آپ حضرات سے استدعا کرتا ہون کہ آپ بھی قرآن کے مطالعہ سے مستفید ہون،

(۶) چھٹا اصول عدم مخالفت وضرر رسانی کا ہے، اس باب مین قرآن کی تصریح ہے کہ جو لوگ شرک مین گرفتار ہین، اُنہین سبّ وشتم سے نہ یاد کرو، ولا تسبّوا الذین یدعون من دون اللہ۔ (انعام، ایت ۱۰۹)

(۷) آخری عنوان، مقصد اصلی کے لئے اشتراک عمل کا ہے، اس باب مین مجھے جیسی تصریح قرآن مین ملتی ہے، دنیا کی کسی دوسری الہامی کتاب مین نہین ملتی، مین نے دوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ کا مطالعہ کمال بے تعصبی کے ساتھ خالی الذہن ہو کر کیا ہے، لیکن مجھے ان مین ایسے متعدد احکام ملے جو مسائل اسلام ومقتضیات عقل کے خلاف ہین، اور یہ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ان مین تحریف ہوئی ہے، اور قرآن نے اُنکے محرف ہونے کے بابت تیرہ سو برس ہوے جو دعوی کیا تھا وہ بالکل صحیح ہے، مذاہب کے وجود مین آنے کا اصلی مقصد جو قرآن نے بتایا ہے یہ ہے: "ہم نے تمکو اسلئے پیدا کیا ہے کہ نوع انسانی کی خدمت کرو، نیکیون کی تلقین وہدایت کرتے رہو، بُرائیون سے ڈراتے رہو، اور خداے واحد کو مانتے رہو"۔

حضرات، مین آپکی توجہ خاص طور پر مقصد حیات انسانی کی جانب منعطف کرانا چاہتا ہون جو یہ ہے کہ مسلم کی زندگی صرف خدمت خلق کے لئے ہے، یہ میرے ہاتھ، میری آنکھین، میرے کان، اور یہ تمام اعضا وجوارح صرف اسی مقصد خدمت خلق کیلئے ہین، میری زندگی محض ایک امانت الٰہی ہے جسکا مقصد دوسرون کی خدمت ہے، خود پیغمبر صلعم کو یہ کہنے کا ارشاد ہوا کہ

"میری عبادت، میری قربانی، میری زندگی سب کچھ خدائے رب العلمین کے لئے ہے،"

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔ (انعام۔ آیت ۱۶۴)

غرض قرانی عقیدہ کے رُو سے میری بیداری وخواب، میرا خورد ونوش، میری نماز وعبادت سب کچھ خدا، یعنی خدمتِ خلق کے لئے ہے،

یہی وہ اصول ہفت گانہ ہین، جنکی بنا پر اتحاد واتفاق کی استوار عمارت قائم ہوسکتی ہے مین آپ سے صحیح عرض کرتا ہون کہ اسوقت جو مخالفت ومنافرت کے شعلے اُٹھہ رہے ہین اُن سب کی تہ مین یہی مذہبی اختلافات کام کر رہے ہین، اور یہ مذہبی اختلافات نتائج ہین اس تحریف کے جو مذاہب مروجہ مین واقع ہوگئی ہے، اس مخالفت کو دور کرنیکا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم سب ایک نقطہ پر متحد ہوجائین، اور وہ نقطہ توحید الٰہی کا ہے، ہندوستان جو مختلف ادیان ومذاہب کا گہوارہ ہے وہان اس اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اور اس مقصد کے حصول کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ ہم سب خدا کی وحدانیت کا اقرار کرین اور سری رامچندرؑ، سری کرشن، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور حضرت محمدؐ تمام انبیاء برحق کو تسلیم کرین، آج سے نصف صدی اُدہر ہندو مسلمان باہم شیر وشکر تھے، مسلمانون کے لڑکے اپنے والد کے ہندو دوستون کو اپنا باپ، اور ہندوؤن کے لڑکے اپنے والد کے مسلمان دوستون کو اپنا چچا کہکر پکارتے تھے، کیا آپ لوگ اس زمانہ کو بہول گئے ہین؟ اور جب مادی ودنیوی حیثیت سے آپ لوگ دوسرے مذاہب والون کو مرتبۂ پدری پر رکہدیتے تھے تو روحانی حیثیت سے یہ رشتۂ قرابت تسلیم کرلینے، یعنی دوسرون کے پیمبر کو اپنا پیمبر قرار دے لینے مین آخر کیا قباحت ہے؟ مین جو انجمن اتحاد مذاہب قائم کرنا چاہتا ہون، اسکے شرکت کے لئے ارکان سے معاہدۂ ذیل پر دستخط چاہتا ہون:۔

"مین خداے تعالی کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہون اور اسکی الوہیت مین کسی اور کو شریک نہین کرتا،

مین سری رامچندر، سری کرشن، گوتم بدھ، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ کو انبیاء برحق تسلیم کرتا ہون،

مین جملہ مذاہب کی کتب مقدسہ پر انکی غیر محرّف حالت مین کتب الہامی ہونے کا اعتقاد رکھتا ہون، اور قرآن کو وحی الٰہی کا خاتم سمجھتا ہون، مین دوسرے مذاہب کو بُرا کہنے سے باز رہنے کا عہد کرتا ہون"

سب سے پہلے مین خود اس اقرار نامہ پر دستخط کرنیکو حاضر ہون، اور اگر آپ لوگ بھی اسپر آمادہ ہون تو مین اپنی جانب سے دس ہزار افراد کی شرکت کی ذمہ داری کرتا ہون،

خواجہ صاحب کے اس لکچر کے بعد صدر نشین جلسہ مسٹر سی، پی، راما سوامی آیر بی، اے بی، ایل نے جو مدراس کے نہایت ممتاز وذی علم وکیل ہین، اپنی تقریر مین خیالات ذیل کا اظہار کیا،

"اسلام کی یہ خصوصیت میری نظر مین ہمیشہ سے رہی ہے کہ یہ مذہب فطرت بشری کے متناقض خصوصیات کا جامع ہے، یہ مذہب ایک طرف تو ہمت واقدام عمل کا معلم ہے اور دوسری طرف غور وفکر ومراقبہ کا داعی ہے، اسلام کی اس امتیازی خصوصیت کے شواہد نہ صرف تعلیم اسلام، بلکہ شارع اسلام، پیمبر اعظم کی زندگی مین بھی بکثرت ملتے ہین، وہ ایک طرف پوری طرح عملی زندگی مین مشغول تھے، اور دوسری طرف معرفت وخدا شناسی مین منہمک تھے؛ فاضل لکچرار کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت، یکجہتی واتحاد، امن وروا داری کی دعوت ہے، اس بارہ مین میرا اور لکچرر صاحب کا مذہب بالکل متحد ہے، وہ جسوقت اپنے

دعادی کی تائید مین آیات قرآنی پڑھ رہے تھے، میرے ذہن مین بھی اپنشد کا یہ فقرہ آیا کہ صداقت صداقت ہے، اور وہ صرف ایک ہی ہے، البتہ مختلف علما، اُسکو مختلف پیرایون مین بیان کرتے ہین" اپنشد کی بھی تعلیمات کا ماحصل یہی ہے کہ خدا رسی کی منزل ایک ہی ہے، البتہ اسکے راستے بیشمار ہین، اور ہر شخص اور ہر قوم کو اسکے مذاق، اور اُسکے سطح دماغی کے تناسب ہدایت ربانی ملتی ہے، ہر اوتار (مظہر خدا) کی پیدائش کا مقصد یہی رہا ہے کہ وحدت باری و اتحاد انسانی کا درس دنیا کو دیا جاے، مین ندامت کے ساتھ اعتراف کرتا ہون کہ فاضل مقرر نے جسوقت اسلام کی آزادانہ تعلیمات کا ذکر شروع کیا، معاً میرا ذہن قتل و جہاد کی طرف منتقل ہونے لگا، لیکن تھوڑی ہی دیر مین مجھے اپنی غلطی معلوم ہوگئی، اور یہ نظر آنے لگا کہ اسلام کی دعوت دیگر مذاہب کی طرح توحید باری ہی کی دعوت ہے، مین اپنے اس تصحیح خیال کے لئے مقرر کا ممنون ہون، موصوف نے آخر مین اتحاد مذاہب کا جو نسخہ بتایا ہے، یعنی تمام ہادیان عالم کو انبیاء برحق تسلیم کیا جائے، اور ہندو حضرت محمد اور حضرت عیسیٰ کی رسالت کا اقرار کرین، اسکی بابت مین ہندوؤن کی طرف سے انکو پورا اطمینان دلانا چاہتا ہون کہ ہندوؤن کو یہ تسلیم کرنے مین مطلق تامل نہین ہو سکتا، ہمارے ہان کی خود ہی یہ تعلیم ہے کہ تمام مذاہب راہِ حق دکھاتے ہین اور کسی کو بُرا کہنا ناواجب ہے"

(اسلامک ریویو، و نیو انڈیا)

اخبار علمیہ

کچھ روز ہوئے لفٹننٹ جنرل سر آرتھر پیجٹ نے رایل جیوگرافیکل سوسائٹی (لندن) کو دنیا کا ایک نقشہ تحفۃً پیش کیا ہے جو دو نصف کرون کی شکل مین ہے، اور جو ہالینڈ مین سترہوین صدی کے وسط مین تیار ہوا تھا، اس نقشہ کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین پیشتر سے موجود ہے، مگر وہ جا بجا سے ناقص ہو گیا ہے، بخلاف اسکے یہ نسخہ ہر طرح صحیح و سالم ہے، اس نسخہ کی پشت پر کرمچ چڑہی ہوئی ہے، اسکا طول ۱۰ فٹ اور عرض ۶ فٹ ہے اور ہر نصف دائرہ کا قطر ۴ فٹ ۱۰ انچ ہے، علمائے فن جغرافیہ کی رائے مین یہ نقشہ اپنے زمانہ کی بہترین صنعت ہے،

مشہور محقق و مکتشف سینبر مارکونی نے ایک اطالوی رسالہ مین ایک ایسی ایجاد کی پیشین گوئی کی ہے جس سے لاسلکی تارون کے موجودہ نظام مین ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہو جائیگا، اسوقت لاسلکی پیامات خط مستقیم مین سفر نہین کر سکتے، اسلئے اُنکے واسطے پیچدار راستے بنانا ہوتے ہین، آیندہ اسکی ضرورت باقی نرہیگی، بلکہ ہر لاسلکی پیام ایک ہی وقت مین براہِ راست تمام اقطاع ارض مین موصول ہو سکیگا، اور اسوقت موسم کی خرابی سے پیامات کے سمجھنے مین جو غلطیان واقع ہو جاتی ہین انکا امکان تک نہ باقی رہیگا، اس ایجاد کے مکمل ہو جانے پر صرف ایک بٹن تام کے دبانے سے ہر حصۂ زمین سے فوراً سلسلۂ نامۂ و پیام قائم ہو جائیگا، اور گراموفون کی جسامت کے مساوی ایک مشین کی مدد سے

تمام دنیا کے معلومات حاصل ہونے لگین گے،

ایک جگہ پر ساکن کھڑے رہنے کی حالت مین ہمارا جتنا وزن ہوتا ہے، اس سے اسوقت کم ہوجاتا ہے، جب ہم ٹہیک مغرب کی جانب حرکت کرتے ہوتے ہین، وزن مین اس تخفیف و اضافہ کی تعداد بیشک بہت ہی قلیل ہوتی ہے تاہم کچھ نہ کچھ ہوتی ضرور ہے ایک ماہر ریاضیات نے حال مین حساب لگایا ہے کہ ایک متوسط الجسم انسان جسکا وزن، ساکن کھڑے ہونے کی حالت مین ایک من ۲۵ سیر ہے، وہ جب ڈہائی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مشرق کی جانب حرکت کرتا ہے تو اسکا وزن $\frac{1}{۶۴۳۰۱۴۰}$ آونس گھٹ جاتا ہے، اور جب رفتار مذکور سے مغرب کی جانب حرکت کرتا ہے تو اسیقدر بڑہجاتا ہے گردش ارض مغرب سے مشرق کی رخ ہوتی رہتی ہے، اور اگر زمین مین قوت کشش نہوتی تو انسان کے لئے ساکن کھڑا رہنا ناممکن ہوتا، بلکہ فی گھنٹہ تقریبًا ایک ہزار میل کی شرح سے وہ فضا مین جا پڑتا،

ایک یورپین رسالہ لکھتا ہے کہ دنیا کے مشہور ترین منارے حسب ذیل بلندیان رکھتے ہین،

ایفل ٹاور (پیرس)	۹۸۴ فٹ
الم کتھڈرل	۵۳۲ "
کولون کتھڈرل (کولون)	۵۱۲ "
روین کتھڈرل (روین)	۴۸۳ "
سینٹ نکولس (ہیمبرگ)	۴۸۰ "

سینٹ پیٹرز کہتھڈرل (رومہ)	۴۴۰ فٹ
سالسبری کتھڈرل	۴۰۴ "
سینٹ پال کتھڈرل (لنڈن)	۳۶۵ "
سینٹ پیٹرک کہتھڈرل (نیویارک)	۳۲۵

اخبارات مین اس قسم کی خبرین وقتاً فوقتاً شایع ہوتی رہتی ہین، کہ فلان مقام پر خون کی بارش ہوئی، ایک انگریزی رسالہ لکھتا ہے کہ تاریخ مین خونی بارش کا ذکر سب سے پہلے سنہ ۲۲۲ ق م مین ملتا ہے، اس زمانہ کے رومی مورخین لکھتے ہین کہ متصل تین دن تک خون آلود خاک کی بارش ہوتی رہی، اور جسوقت ابر ہٹ جاتا تہا، آفتاب ایک دریاے آتشین مین غرق نظر آتا تہا، اسکے بعد سنہ ۲۲۶ ق م کا ایک اطالوی مصنف لکھتا ہی کہ ملک شام مین اس سال جتنی برف گری وہ پگہلنے کے بعد خون کی شکل مین تبدیل ہوگئی، اور تمام سڑکون پر اسی خون کی ندیان بہنے لگین، اور اس خون کی تاثیر یہ تہی کہ جو شے اس سے مس ہوجاتی تہی وہ بھی سرخ ہوجاتی تہی، پھر سنہ ۱۳۳۶ء کے تذکرون مین یہ مندرج ہے کہ "اس سال جنوبی اٹلی کے سارے علاقہ مین متواتر تین شبانہ روز خون کی بارش ہوتی رہی"، اسکے بعد تاریخ کی شہادت یہ موجود ہے کہ سنہ ۱۳۶۱ء مین برگنڈی مین بارش خونین ہوئی، اسوقت اس واقعہ کو ظہور قیامت کی علامت قرار دیا گیا، ملاہی و ملاعب کا سد باب ہوگیا، لوگ توبہ و استغفار مین مصروف ہوگئے، ارباب کلیسا دعائین مانگنے لگے، اور علماء حکمت و طبعیات بھی دنگ ہوکر رہ گئے، یہانتک کہ بالآخر ایک سائنس دان نے اس واقعہ کی توجیہ یہ کی کہ محاربات صلیبی کے کسی شہید کا خون بذریعہ بخارات آسمان تک پہنچ گیا ہے

اور وہان سے بارش کی صورت بین پھر دنیا بین منتقل ہو رہا ہے، یہ توجیہ آج مضحکہ خیز سمجھی جائیگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ علماء سائنس بھی کوئی معقول وتشفی بخش توجیہ اتبک نہین پیش کرسکے ہین،

کرۂ ارض کی عمر سے متعلق علماء سائنس بین شروع سے اختلاف آرا چلا آرہا ہے لارڈ کلون، مشہور ماہر طبیعیات نے انیسوین صدی کے آخر مین اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ زمین کا وجود آفتاب سے پیشتر نہین ہوسکتا تھا، اور آفتاب کی عمر زیادہ سے زیادہ دوکرور سال کی ہے، لیکن عام سائنس دان حلقہ بین کلون کے اس نظریہ کو مقبولیت حاصل نہوسکی، علماء سائنس کے دو طبقات خصوصیت کے ساتھ کلون کی راے کے مخالف رہے ہین، ایک علماء حیوانیات (زولوجسٹ) جنکے اصول کے لحاظ سے موجودہ حیوانات کے ارتقاء مین اسقدر عظیم الشان مدت صرف ہوئی ہے کہ ذہن لبشری اسکے اندازہ سے عاجز ہے، دوسرے علماء ارضیات (جیالوجسٹ) جنکا قول ہے کہ ایک ایک چٹان کے موجودہ حالت تک پہنچنے کے لئے کروڑون بلکہ اربون سال کی مدت درکار ہوئی ہے ہر دو طبقات بالا کے بیان کے مطابق آفرینش ارض کو اسقدر بعید زمانہ منقضی ہوچکا ہے کہ اسوقت انسانی دماغ اسکا کوئی تخمینہ نہین کرسکتا، چند ماہ ہوئے کارڈف بین برٹش ایسوسی ایشن کا جو سالانہ اجلاس ہوا تھا اسکے شعبۂ ریاضیات وطبعیات کے صدر نے اپنے خطبہ بین اس مسئلہ کا بھی ذکر کیا لیکن کوئی قطعی راے ظاہر نہین کی،

دنیا کے پہاڑون بین بلند ترین چوٹی کوہ ہمالیہ کے مونٹ ایورسٹ (گوری شنکر) کی ہے

جسکی بلندی ۲۹۰۰۲ فٹ ہے، جسپر آج تک کسی ہستی کا گذر نہین ہو سکا ہے، علمار جغرافیہ سالہا سال سے اس چوٹی تک پہنچنے کی کوشش مین مصروف ہین، مگر ابتک کامیابی نہین ہوسکی ہے، حال مین لندن کے رایل جیوگرافیکل سوسائٹی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہوائی جہاز کی وساطت سے اس مہم کو سر کرنا چاہیئے، لیکن جو محققین کوہ نوردی کا عملی تجربہ رکھتے ہین وہ کہتے ہین کہ یہ جدید سعی بہی ناکام رہیگی، کیونکہ (انکے بقول) اصلی دشواری اتنی بلندی کی سطح کرنیکی نہین بلکہ وہانتک پہنچکر کچھ دیر کے لئے بھی زندہ رہنے کی ہی، ایورسٹ کی سطح ایک بالکل خاص قسم کی ہے، وہان کی ہوا اسقدر لطیف ہے کہ اس فضا مین انسان تنفس جاری ہی نہین رکہہ سکتا، پس اگرچہ یہ بآسانی ممکن ہے کہ ہوائی جہاز کی مدد سے کوئی انسان وہان تک پہنچ جاے لیکن وہان پہنچکر سانس لینا کیونکر ممکن ہوگا؟ اس سے قبل جن محققین کی رسائی چوٹی کے قریب تک ہوئی ہے وہ اسی ضیق تنفس کے باعث فی الفور ہلاک ہوگئے ہین،

میجر ایبٹ ہل نے جیوگرافیکل سوسائٹی کے سامنے اپنے تجربات و مشاہدات الی سینیا (حبش) کے متعلق لکچر کے ضمن مین بیان کیا کہ انکے ایک رفیق میجر ڈارلے، جہیل رڈولف کے قریب پہنچکر شدید پیچش مین مبتلا ہوے، اتفاقاً عین اسی زمانہ مین انہین ایک بچھو نے کاٹا، اور معاً اسی وقت سے انہین صحت شروع ہوگئی، یہانتک کہ بالکل تندرست ہوگئے، بعض ڈاکٹر اس امر پر غور کر رہے ہین کہ کیا واقعی بچھو کے زہر مین پیچش کے دور کرنے کی خاصیت موجود ہے؟

ایک فرانسیسی انجینیر مسیو ماڈرہ ڈیپلن نے سالہا سال کی مشقت وعرق ریزی کے بعد ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس سے اصوات کی طرح تصاویر بھی صدہا میل کے فاصلہ تک بذریعہ ٹیلیفون کے منتقل کیجا سکتی ہین، چنانچہ چند روز ہوے اسکا تجربہ بھی کیا گیا، بلجیم کے شہر انٹورپ مین چند پہلوان عورتین کوچ کرتی ہوئی جارہی ہین انکا فوٹو لیا گیا، اور فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر پیرس مین منتقل کیا گیا، جہان وہ آٹھہ منٹ کے عرصہ مین پہنچ گیا،

امریکہ ویورپ مین بلند ترین عمارتین لوہے کی بنائی جاتی ہین، اور امریکہ مین تو لبست منزلہ وسی منزلہ فلک نما عمارتین عموماً آہنی چادرون کی ہوتی ہین، ایک سائنس دان نے حال مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہر آہنی عمارت اپنا ایک مخصوص ساز ترنم، اپنا ایک مخصوص سُر رکھتی ہے، پس اگر اس عمارت مین اسی سُر مین مسلسل باجہ بجایا جاتا رہے تو کچھ عرصہ کے بعد وہ عمارت متزلزل ہونے لگیگی اور کچھ عرصہ کے بعد منہدم ہو جائیگی،

۱۹۰۸ء کی بابت حکومت ہند کی جانب سے جو تعلیمی رپورٹ شایع ہوئی ہے، اُسکے اعداد و معلومات ذیل غالباً دلچسپی سے پڑھے جائینگے، سرکاری و خانگی مدارس کو ملاکر طلبہ کی مجموعی تعداد ۷۷۶۵۳۹۳ تھی جو سال پیوستہ سے بقدر ½ ۹ فیصدی کے کم ہے، طلبہ کی تعداد مین نمایان کمی، بنگال و بہار کے صوبون مین رہی، بخلاف اسکے بمبئی، پنجاب و صوبہ سرحدی مین انکی تعداد مین اضافہ رہا، مصارف تعلیم مین ایک کرور سولہ لاکھہ کا اضافہ ہو کر اُسکی میزان ۱۴ کرور تک پہنچی، آرٹ کالجون مین آٹھہ کا اضافہ ہو کر انکی تعداد ۱۴۶ تک اور

انکو طلبہ کی تعداد مین ۲۸۹ کا اضافہ ہوکر ۴۰۷۰ تک پہنچی مخصوص پیشون کے کالج بدستور ۴۳ رہے، مدارس ثانوی کی تعداد مین ۲۹۵ کا، اور اُنکے طلبہ کی تعداد مین ۱۳۴۵۷ کا اضافہ ہوا، اور انکی مجموعی تعداد علی الترتیب ۸۱۴۹ اور ۱۲۱۲۳۳ تک پہنچی، ابتدائی جدید مدارس ۲۳۹۶ کی تعداد مین قائم ہوئے، لیکن طلبہ کی تعداد مین صرف ۸۷۱۹ کا اضافہ ہوا، وہ بھی لڑکیون کے شمول سے ورنہ لڑکون کی تعداد تو خاصی گھٹی ہوئی رہی، اعلیٰ، اوسط، ادنی التعلیم کو ملاکر مسلمان طلبہ کی تعداد مین ۲۱۲۴۳ کا اضافہ ہوا، اور انکی میزان ۹۳۹ ۵ ۶۵ تک پہنچی، لیکن یہ اضافہ زیادہ تر محض ابتدائی مدارس کے طلبہ مین ہوا،

پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے کٹک کی ایک علمی مجلس کے سامنے پچھلے مہینہ ایک لکچر دیا، جسمین انھون نے بیان کیا کہ اُنھین پیرس کے نیشنل لائبریری سے ایک قدیم قلمی فارسی کتاب دستیاب ہوئی ہے، جس سے بنگال کے مشہور ہیرو پرتاب ادت کے انجام سے متعلق موجودہ تاریخی تحقیق کی بالکل تردید ہوتی ہے، موجودہ تاریخین یہ بتاتی ہین کہ پرتاب کو شہنشاہ اکبر کے نامور جنرل راجہ مان سنگھ نے ایک پنجرہ مین قید کردیا تھا اور اسی مین وہ مرگیا، لیکن یہ جدید کتاب جسکا مصنف ایک مسلمان ہے اور جسکا سنہ تصنیف ۱۰۴۵ھ ہے اس بیان کی بالکل تردید کرتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتاب، راجہ مان سنگھ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہا بلکہ اسکی زندگی کا پتہ اسلام خان کے زمانہ صوبہ داری تک چلتا ہی جو جہانگیر کے عہد کا ایک گورنر تھا،

فرانس کے ایک ڈاکٹر پروفیسر جین مینگرا نے حال مین یہ دعوی پیش کیا ہے کہ آلہ اکسریز کی مدد سے انسان کے اندرونی جذبات واحساسات، افتاد مزاج ورنگ طبیعت کا پورا پتہ چل سکتا ہے، اور ہونیوالے شوہر شادی سے قبل اسکی تحقیق کرسکتے ہین کہ انکی منسوبہ مین غصہ وحسد، جلد بازی ودنائت، نیکی وفیاضی، ہمدردی ومحبت کے عناصر کس تناسب کے ساتھ موجود ہین،

جنگ سے قبل فرانس کی ایک موٹر کمپنی نے یہ اشتہار شایع کیا تھا کہ جو شخص ہوائی بائسکل ایجاد کریگا اسے دس ہزار فرانک کا انعام ملیگا، چنانچہ اس زمانہ مین بیسیون اشخاص نے اسکی کوشش کی لیکن تجربہ کے وقت سب ناکام رہے بلکہ اکثر مدعیان ایجاد کو ضربات شدیدہ پہنچین، چند ماہ ہوے کہ یہ شوق از سر نو پیدا ہوا ہے اور اب پھر متعدد کمپنیون نے انعامی اعلانات شایع کرائے ہین، اٹلی کے انعام کی تعداد دس ہزار لیرہے، فرانس کے انعام کی دس ہزار فرانک اور امریکہ کے انعام کی ایک ہزار ڈالر، توقع ہے کہ ہوائی جہازون، طیارون کے پہلو بہ پہلو عنقریب ہوائی بائسکلون کا بھی رواج ہوجائیگا،

جس طرح انجمن اقوام کچھ روز سے قائم ہوئی ہے، اسی طرز پر ایک بین الاقوامی انجمن اخلاقی تعلیم وتربیت کے لئے یورپ مین بارہ تیرہ سال سے قائم ہے، اسکا پورا نام انٹرنیشنل مارل ایجوکیشن کانگرس ہے، اسکا پہلا جلسہ لنڈن مین ۱۹۰۸ء مین منعقد ہوا، دوسرا ۱۹۱۲ء مین بمقام ہیگ (ہالینڈ) اور تیسرا ۱۶ سنہ مین پیرس مین ہونیوالا تھا،

مگر جنگ کے باعث ملتوی ہوگیا، انجمن مذکور اسوقت سے نیم مردہ تھی، ۱۹ء سے اسمین دوبارہ آثار حیات پیدا ہوئے ہین، اور اب اسکا آیندہ اجلاس ۱۹۲۱ء مین بمقام پیرس منعقد ہوگا، انجمن مذکور کا مقصد محض اخلاقی تعلیم کی ترویج و اشاعت ہے اسے کسی مذہب و ملت، قوم و ملک سے تخصیص نہین، اسکے ارکان مین عیسائی و یہودی، ہندو و مسلمان، دہریہ و لاادریہ، چینی و جاپانی، افریقی و ایشیائی سب شامل ہین، اسکی مجلس انتظامیہ کے تین ارکان ہندوستانی ہین، ایک سر دیو پرشاد سربہدکاری (وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی) دوسرے مسٹر کے، اشارجن، ایڈیٹر انڈین سوشل رفارمر (بمبئی) اور تیسرے مسٹر عبداللہ یوسف علی، ایم، اے، دیگر ارکان مجلس مین سر مائیکل سیڈلر، سر فرانسس ینگ ہسبنڈ وغیرہ کے نام نظر آتے ہین، صدر مجلس سر فریڈرک پولک، اور سکریٹری مسٹر اف، جی، گولڈ ہین جو ۱۳ء مین کئی ماہ تک ہندوستان مین سیاحت کر چکے ہین، اور جنھون نے حال مین اہل ہند کے نام ایک اپیل شائع کیا ہی کہ اس انجمن مین کثرت سے شریک ہون اور اسے اپنے مشورون سے مدد دین،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ غالب

بنام حضرت سید ابو محمد جلیل الدین حسین المشتہر شاہ فرزند علی زاہدی فردوسی منیری المتخلص بہ صوفی تلمیذ غالب مرحوم

مرزا غالب مرحوم کے اردو خط کا ایک ایک حرف قدرشناسانِ غالب کی آنکھوں کا سرمہ ہے، مرزا مرحوم کے جو مجموعہاے خطوط شائع ہو چکے ہین، اُنکے علاوہ ملک مین ابھی اور بہت سی غیر مطبوعہ تحریرین اُنکے تلامذہ کے خاندان مین موجود ہین، منجملہ اسکے مجھے معلوم ہوا کہ شاہ آباد دائرہ کے ایک علمی خاندان مین بھی یہ قلمی نوادر موجود ہین اور وہ اسکے طبع کے اہتمام مین ہین مین نے اُنسے خواہش کی تھی کہ وہ معارف مین چھاپنے کو چند خطوط عنایت کرین مگر ہمارے ملک مین اخفاے نوادر کی جو بیماری ہے، اس نے اجازت طبع ندی، ہم اپنے دوست مولوی حکیم محمد عثمان صاحب ندوی کے مشکور ہین کہ انکے ذریعہ سے یہ نامۂ غالب ہم تک پہنچ سکا، حضرت شاہ فرزند علی رحمہ اللہ صوبہ بہار کے علما و صوفیاے متاخرین مین نمونۂ اولین تھے، ذوقِ ادب ان کا فطری وصف تھا، راحتِ رُوح سہل و روان مقفیٰ و مسجع و رنگین اردو عبارت مین بطور افسانہ تصوف پر ایک بہترین تصنیف اُنسے یادگار ہے،

زبدۂ اولاد حضرتِ خیر الانام قبلہ و کعبۂ مجموعۂ اہل اسلام حضرت پیر و مرشد عالیمقام کی خدمت مین فقیر غالب کی بندگی قبول ہو، اپنے ابوالآباء کے بوڑھے غلام کو آپ نے اتنا کیون بڑھایا کہ وہ بیچارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے، کافی تھا اور اق اشعار کا بھیج دینا اور حک و اصلاح کی اجازت دینی، میری مدح آپکے غلامون کو موجب ننگ و عار اور میرے آباء

داجداد کو ذریعۂ عز و افتخار، حکم بجالایا، دو ایک جگہ املا کی صورت بدل گئی، کہین مصرعہ کی جگہ مصرعہ لکھا گیا، بے غائلہ تکلف و تملق آپکا کلام معجز نظام ہے، لفظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند، فقیر اپنا حال زار لکھتا ہے، اکہتر برس کی عمر، پاؤن سے اپاہج، کانون سے بہرا، دن رات پڑا رہتا ہون، دو سطرین لکھین بدن تہرایا، حرف سوجھنے سے رہا، تو بتین سا قط جواس مختل، غذا قلیل بلکہ اقل، ؎

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ   مرگئے پر دیکھیے دکھلا ئین کیا

ایام شباب مین کہ بحر طبع روانی پر تہا، جی مین آیا کہ غزوات صاحب ذوالفقار لکھنا چاہیئے حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و معنی نامہ لکھا گیا، داستان طرازی کی توفیق نپائی، ناچار اُس آٹھ سو نو سو شعر کو چھپوا لیا، اغلاط برہان قاطع از روے انصاف نکالے، اور اسکا ایک رسالہ مرتب کیا، قاطع برہان اسکا اسم، اور درفش کادیانی اسکا علم، ان دونون رسالہ نامطبوع کو ایک پارسل مین اور حضرت کے بھیجے اوراق بھی اسی پارسل مین اور یہ خط جداگانہ ڈاک مین بھجوادیا اور توقع رکہتا ہون کہ اسکی رسید روز ورود یا اسکے دوسرے دن لکھی جاے،

ادبیات

افاداتِ اکبر

جس بات کو مفید سمجھتے ہو خود کرو
اوروں پہ اُسکا بار نہ اصرار سے دھرو

کافی ہی بس یہ وعظ کہ عبرت ضرور ہے
تقوی بہت ضرور ہے اللہ سے ڈرو

حالات مختلف ہین ذرا سوچ لو یہ بات
دشمن تو چاہتے ہین کہ آپس مین لڑمرو

مجھے کیا خبر یہ ہے کیا اثر نہ وہ ہوش ہی نہ وہ جان ہے
فقط اک نظر ہے جہان پر نہ خیال ہے نہ زبان ہے

نہ دماغ صرف رہِ نظر، نہ دلیل باعثِ دردِ سر
وہی جوشش لذتِ دید ہے نہ قیاس ہی نہ گمان ہے

نہ یہان حدون کا نشان کہین نہ محل حرف وبیان کہین
مرا عشق ہے ترا حسن ہے، مری آنکھ ہی تری نشان ہے

باب التقريظ والانتقاد

لباب المعارف العلمية
فی
مكتبة دار العلوم الاسلامية

ہم نے پہلے بھی لکھا ہے اور اب پھر کہتے ہین کہ پشاور کے دار العلوم اسلامیہ کی بنا و تاسیس کی غرض و غایت جو کچھ ہو مگر اسکے ذریعہ سے کم از کم اتنا ضمنی فائدہ ضرور پہنچا ہے کہ صوبۂ سرحدی مین علم و فن کا ایک مرکز قائم ہو گیا ہے، اور اب یہ مسلمانون کا کام ہے کہ اسکو صحیح مصرف مین صرف کرین،

دار العلوم پشاور کے مشرقی کتبخانہ کا ذکر معارف کے کسی گذشتہ سال کے پرچہ مین ہو چکا ہے یہ کتاب جسکا نام زیب عنوان ہے، اسی کتبخانہ کی فہرست ہے، جسکو جناب مولوی عبد الرحیم صاحب مولوی فاضل نے بکمال محنت و جانفشانی ترتیب دیا ہے،

کتبخانون کی فہرست نویسی آجکل کی علمی دنیا مین بڑا درجہ رکھتی ہے، مسلمانون مین اس قسم کی سب سے پہلی کتاب چوتھی صدی ہجری کے ایک بغدادی فاضل ابن ندیم نے لکھی، اور سو برس کے قریب زمانہ گذرا کہ یورپ مین چھپی، اور علماے یورپ نے اس سے قیمتی فوائد حاصل کئے، اسکے بعد مسلمان قومون مین صرف ترکون کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دعوی کرین کہ اس میدان مین کوئی سبقت انکے ہاتھ نہ رہا، مفتاح السعادۃ طاش کبری زادہ، مدینۃ العلوم ازنیقی، اور کشف الظنون حاجی چلپی خلیفہ، ترک علماء کی اس فن مین بہترین تصنیفات ہین، خصوصاً

آخری کتاب اسلام کے علمی تصنیفات کا سب سے بڑا خرمن ہے، پہلی کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد مین اور آخری یورپ قسطنطنیہ اور مصر مین چھپ چکی ہے اور عام طور سے متداول ہے،

یورپ مین شاید ہی کوئی چھوٹا بڑا کتبخانہ ایسا ہوگا جسکی فہرست نہ چھپ گئی ہو، خصوصاً برٹش میوزیم، اور فرنچ نیشنل لائبریری اور جرمنی کے سرکاری کتبخانہ کی فہرستین اہل علم کے لئے لازوال دولت ہین، پیرس مین بزبان فرنچ ضخیم جلدون مین صرف ان عربی کتابون کی فہرست شایع ہوئی ہے جو یورپ مین چھپی ہین، ڈاکٹر ریو کی فہرست کتبخانۂ برطانیہ یورپ مین بیحد مقبول ہے ان فہرستون مین کتابون کے نام انکی خاص خاص خصوصیات، نادر مضامین اور تاریخی وعلمی فواید اور اُنکے مصنفین کے سوانح وحالات، قلمی کتابون کے نسخون کا ذکر، انکی اہمیت، یہنتک کہ انکی وضع قطع، خط، تقطیع، تعداد اوراق، صنف کاغذ ہر چیز کا ذکر بہ تفصیل ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ کے متفرق عربی کتابخانون کی مختصر فہرستین جنمین صرف کتاب اور مصنف کے نام جدولون مین لکھے ہین چھپ گئی ہین، ٹیونس کے ایک کتبخانہ کی فہرست ہمارے پیش نظر ہے، مشرق مین صرف مصر کے خدیوی کتبخانہ کی فہرست ایسی ہے جو جامع مکمل اور جدید اصول پر حاوی ہے، ہندوستان مین بنگال اور بمبئی ایشیاٹک سوسائیٹیون کی مشرقی کتبخانون کی فہرستین بھی ذکر کے قابل ہین کتبخانہ حیدرآباد کی فہرست محض کا تعدادی جدول ہے، جن سے اہل علم کو کوئی علمی فائدہ نہین پہنچ سکتا، اسمین صرف کتاب کا نام اور بیشتر حالتون مین مصنف کا نام اور تاریخ طبع وکتابت کا پتہ چل سکتا ہے، رامپور کے کتبخانہ کی فہرست غیر مکمل ہونے کے ساتھ ناقص بھی ہے، صرف پٹنہ کا مشرقی کتبخانہ ایسا ہے، جسکی ایک قدیم فہرست محبوب الالباب کے نام سے ۱۳۱۴ھ مین مرحوم خدابخش نے لکھکر چھپوائی تھی اور جدید اصول ومطالب پر وہ حاوی تھی، لیکن وہ صرف ساڑھے آٹھ سو کتابون پر مشتمل ہے، حالانکہ اس کتبخانہ مین اس سے بہت زیادہ کتابین تھین اور ہین، اور اب بڑھ گئی ہین، ندوۃ العلماء کے

کتبخانہ کی ترتیب و تنظیم اور نئے طریق سے اسکی فہرست کی تدوین کے لئے تقریباً تین سال سے کام ہو رہا ہے، اور ایک حد تک تحریری صورت مین وہ مکمل بھی ہو چکا ہے، لیکن ابھی حلیۂ طبع سے عاری ہے، ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دار العلوم پشاور کے مشرقی کتبخانہ کی اپنی فہرست کی اشاعت مین پیشقدمی ارباب علم کے خاص شکریہ کی مستحق ہے،

ان فہرستون سے سب سے بڑا فائدہ مصنفین کی جماعتون کو پہنچتا ہے جو گھر بیٹھے ہوئے نہایت آسانی کے ساتھ تمام دنیا کے علمی خزانون کا جائزہ لے سکتا ہے، یورپ مین ایک مصنف اپنے کتبخانہ مین بیٹھکر یورپ کے دوسرے سرے کے کتبخانون کی ورق گردانی انکی فہرستون سے کرتا ہے، طبع و اشاعت کے لائق کتابون کا انتخاب ہر جگہ سے کرتا ہے، ایک کتبخانہ اپنے ناقص یا غلط نسخہ کی تکمیل یا تصحیح دوسرے کتبخانہ کے نسخہ سے کرتا ہے، طبع کے لئے ایک نسخہ کسی کتاب کا اسکو ہاتھ آجاتا ہے تو فہرستون کو دیکھکر وہ اسکے بیسیون نسخے دوسرے کتبخانون سے بہم پہنچا لیتا ہے ایک فن کی کتابون کو جو دنیا مین کہین بھی موجود ہین اکٹھی کر لیتا ہے، یا کسی ایک مصنف کی تمام نادر تصنیفات کو جو دنیا کے مختلف گوشون مین پھیلی ہوئی ہین، فہرستون کی تھوڑی سی ورق گردانی سے معلوم کرتا ہے، ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اعظم گڈہ مین بیٹھے کوئی کتاب ڈھونڈ رہے ہین اور ہمکو نہین معلوم کہ ہمارے ہمسایہ ہی مین جونپور، بنارس یا لکھنؤ مین وہ کتاب موجود ہی غرض ان فہرستون کی اشاعت، اشاعتِ علم اور تسہیل مقصد کے لئے بیحد ضروری اور بغایت مفید ہین،

زیر نظر فہرست، دار العلوم پشاور کے مشرقی کتبخانہ کی عربی، فارسی اور اردو تصنیفات اور مصنفین کے اسماء اور حالات کا مجموعہ ہے، مصنف نے ہر صفحہ مین چار جدولین قائم کی ہین، عدد مسلسل، نام و کیفیت عمومیہ کتاب، نام و احوال مصنف، کیفیت خصوصیہ، فہرست کی ترتیب علوم پر رکھی ہے، یعنی تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ، اخر مین چند ضمیمے ہین، ضمیمۂ اول مین خاص اردو کتابون کی فہرست ہے

جسمین بہ ترتیب ہجی اردو کتابون کے نام دیدیے ہین، ضمیمۂ دوم مین تمام مصنفین کے صرف نام اور انکی تصنیفات کا کتاب مین نمبر بتایا ہے، تیسرے ضمیمہ مین کتب مندرجۂ فہرست کی یکجائی بہ ترتیب ہجی فہرست ہے، چوتھے ضمیمہ مین مولوی عبد العزیز صاحب ندوی راجکوٹی پروفیسر اڈورڈ مشن کالج پشاور نے فہرست مذکور پر نظر ثانی کر کے کچھ مزید امور وحالات مصنفین اضافہ کئے ہین، ضمیمۂ پنجم مین نئی کتابون کا جو اثنائے تدوین مین آئین مختصر ذکر ہے، ہر علم کی فہرست شروع ہونے سے پہلے اس علم کی مختصر تاریخ بھی لکھی گئی ہے،

سب سے پہلے ہمکو اس فہرست کو جدولون پر منقسم کرنا ناپسند آیا، بہتر ہوتا اگر یورپ اور مصر کی فہرستون کے طریق پر سہل عبارت کی صورت مین یہ لکھی جاتی، اس سے کتابت کے حسن اور کاغذ کی کفایت مین بھی فائدہ ہوتا، علوم وفنون کی تمہیدی تاریخین ناتسلی بخش اور محتاج تبصرہ ہین، صرف ان مصنفین کے حالات لکھے ہین جو تاریخ بن چکے ہین، وہ مصنفین جنکے حالات متقدمین نے کتابون مین نہین لکھے یا جنکو ہم سے جدا ہوے کچھ ہی عرصہ گذرا ہے انکے حالات سادہ ہین، حالانکہ انکی تکمیل کچھ مشکل نہ تھی، معروف ومتداول مصنفین اور تصنیفات کے حالات زیادہ اور مخصوص اور کم معلوم لوگون اور کتابون کے کم، حالانکہ مقتضی اسکا الٹا تھا، علمائے کبار کو صیغہ تعظیم "مولانا" اور "علامہ" لکھکر پھر صیغۂ واحد اور ضمیر واحد سے ذکر کرنا ہم صحیح نہین سمجھتے، کتاب کے آخر مین مصر کی عربی دائرۃ المعارف کی مسلمانان مصر کی طرف نسبت غیر صحیح ہے، وہ عیسائیون کے برکات علمی مین شامل ہے، سلیمان بستانی بیروت کا ایک عیسائی فاضل ہے،

بااین ہمہ ہم اس فہرست کا نہ دل سے خیر مقدم اور اسلامی کتبخانون کے براہِ ترقی ایک قدم اور بڑھنے پر ارکان کتبخانہ مشرقی دار العلوم پشاور کو مبارکباد دیتے ہین، اس فہرست کے مدون جناب مولوی عبد الرحیم صاحب پنجاب کے فضلائے علم مین ہین، انکے رشحات فکر سے ہم اور بہت سی توقعات قائم کرسکتے ہین،

فہرست مذکور مین کل دو ہزار اٹھائیس کتابون کا تذکرہ ہے، اہل علم جو مصنفات اور مصنفین اور نوادر کتب کا ذوق رکھتے ہین ہمکو یقین ہے کہ یہ کتاب انکو پسند آئیگی، قیمت عہ،

مطبوعات جدیدہ

غزلیات نظیری، نظیری نیشاپوری، ان شعرائے باکمال مین ہے جسکے ایک ایک شعر پر اہل معنی سر دُھنتے ہین، خوش قسمتی سے پنجاب یونیورسٹی نے اسکی غزلیات کے حصہ کو ایم اے اور منشی فاضل کے کورس مین داخل کیا ہے، اس تقریب سے یہ نوبت آئی کہ نظیری کے غزلیات کا مجموعہ شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہوری دروازہ لاہور نے شایع کرایا ہے، مجموعۂ مذکور دلیسی سفید کاغذ پر صاف خط مین اچھا چھاپا گیا ہے، ۵۷ صفحون مین یہ مجموعۂ غزلیات تمام ہوا ہے، قیمت ۸؍ تاجر موصوف سے ملیگی،

چترا، رابندرا ناتھ ٹیگور کے ایک افسانہ کا جناب عبدالمجید خان سالک بٹالوی نے اردو مین ترجمہ کیا ہے، ترجمہ روان اور صاف ہے، چھوٹی تقطیع کے ۷۹ صفحون پر دارالاشاعت پنجاب لاہور نے اسکو شایع کیا ہے، اور سلسلۂ کہکشان کا یہ دوسرا نمبر ہے، قیمت ۱۲؍

خیر الکلام، جناب منشی فاضل ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب (ورنگل، دکن) نے اس نام سے مفید و نافع احادیث مبارکہ کا مجموعہ تیار کیا ہے، سامنے کی دوسری جدول مین اُن کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا ہے، کل احادیث ۵۰۰ ہین، انکو بہ ترتیب تہجی جمع کیا ہے، یہ اچھا کیا ہے کہ ہر حدیث کے آخر مین ماخذ کا حوالہ دیدیا ہے، ۶۴ صفحات، طبع عمدہ قیمت معلوم نہین، مترجم موصوف کے پتہ سے ملیگی،

فاطمی دعوت اسلام، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب چند سالون سے تاریخ اسلام کے اس شعبہ پر کتب و رسائل کا ایک بڑا ذخیرہ ہماری زبان مین فراہم کر رہے ہین، ہم نہین جانتے کہ

انکی ان تصانیف کا مقصد کیا ہے، مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام تیرون کا ایک نہ ایک ہدف ہے، باوجود اس نیازمندی کے جو ہمارے انکے درمیان ہے، ان مباحث پر ہمارے انکے راے کا اختلاف ناظرین سے مخفی نہین،

اس کتاب مین خواجہ صاحب نے سادات بنی فاطمہ اور مدعیان سیادت فاطمی کی اُن کوششون کو جمع کیا ہے جو اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت مین اُن سے ظہور مین آئین ہم نے سادات بنی فاطمہ اور مدعیان سیاست فاطمی کے دو لفظ استعمال کئے ہین اور اُنکے لئے اپنی مذہب کی تبلیغ واشاعت کا ذکر کیا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ سادات بنی فاطمہ نے اپنے آبائی مذہب (اسلام) کی تبلیغ کی، اور مدعیان سیادت فاطمی نے اپنے آبائی مذہب کی یعنی ایران مین مجوسیت کی آمیزش کے ساتھ اور ہندوستان مین ہندوئیت کی ترکیب واختلاط کے ساتھ اچھا ہوتا اگر خواجہ صاحب حق و باطل کے ان دونون حدود کو الگ الگ رکھتے، آخر مین دکن کے بہت سے مسلمان فقراء کے فرقون کا دلچسپ بیان اضافہ کیا ہے، ہمارا خیال ہے کہ دکن کی سرزمین جسمین گجرات، کاٹھیاوار، مہاراشٹر اور دکن خاص کے تمام ممالک داخل ہین، مذاہب عالم کا ایک زندہ نمائشگاہ ہے، ملل ونحل کی کتابون مین جن فرقون کا نام ہم سُنتے ہین، اور اُنکو عدم واقفیت سے ہم مفقود سمجھتے ہین، کسی نہ کسی نام کے ساتھ ہم اُنکو وہان ضرور پائینگے،

بہرحال خواجہ صاحب کے لٹریچر کے قدردانون کے لئے یہ ایک نیا سلسلہ بھی دلچسپی کا باعث ہوگا، ضخامت ۲۰۸ صفحات، قیمت سے (۳) ، خواجہ بک ڈپو دہلی،

عدد ششم	ماہ ربیع الثانی ۳۹ھ مطابق دسمبر ۲۰ء	مجلد ششم

مضامین

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ عائشہ رضؓ، از مولانا سید سلیمان ندوی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے احوال زندگی کی تفصیل، قرن اول کے خانہ جنگیوں کے اصلی اسباب کی تشریح، ام المومنین کے فضائل و اخلاق کا بیان اور انکے علمی اجتہادات و کمالات پر تبصرہ چھپکر تیار ہے ضخامت ۰۰ ۲۵ صفحات

قیمت درجۂ اول (کاغذ و طبع اعلیٰ) ؎ (۴) درجہ دوم ؎ (۳) درجہ سوم (کاغذ دیسی سفید) ؏

"مینجر"

شذرات

مشرقی لٹریچر کے ہواخواہ بالعموم، اور ڈاکٹر اقبال کے کلام کے مداح بالخصوص اس خبر کو سن کر خوش ہونگے کہ انکی مشہور فارسی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ لندن مین چھپ کر شایع ہوگیا ہے، مترجم کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز مستشرق پروفیسر نکلسن ہین جو اسلامی ادبیات و تصوف پر متعدد تصانیف کے مصنف ہین اور عربی و فارسی کی چند نادر و بیش بہا کتابین ایڈٹ کر چکے ہین، اس ترجمہ پر انھون نے بکثرت حواشی دیئے ہین، اور ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا ہے، ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ، دوبار اسپر نوٹ لکھ چکا ہے، جو علمی حلقون مین کتاب کی اہمیت و مقبولیت کی ایک واضح دلیل ہی، سطور ہذا کی تحریر کے وقت تک کتاب ہندوستان نہین پہنچی ہے،

عربی و فارسی لٹریچر سے یورپ کو جسقدر اعتنا رہے غنیمت ہے، لیکن حیرت و تاسف کا مقام ہے کہ اردو کی جانب اسکی بے التفاتی ہنوز جون کی تون ہے، حالانکہ ہندوستان کے بیشتر حصون کی زبان اُردو ہی ہے، اور سات کرور مسلمانون کی مشترک زبان تو صرف یہی ہے انکے اخبارات اسی زبان مین نکلتے ہین، انکے علمی و ادبی رسائل اسی زبان مین شایع ہوتے ہین، انکے شاعری کی یہی زبان ہے، اُنکے گھرون مین یہی زبان بولی جاتی ہے، اُنکی تصنیف و تالیف اسی زبان مین ہوتی ہے، انکے سیاسی جذبات کی ترجمانی یہی زبان کرتی ہے

انکی مجالس وعظ، ومحافل میلاد وغیرہ مین یہی زبان مستعمل رہتی ہے، غرض انکی سیاسی، تعلیمی، مذہبی، قومی، خانگی، علمی، ہر قسم کی اجتماعی زندگی کی روح رواں یہی زبان ہے، ایسی حالت مین اس سے اس بے التفاتی وبے اعتنائی کا ظہور، یورپ اور خصوصاً انگلستان کی جانب سے جسے ہندوستان پر حکومت کرتے ڈیڑہ سو سال سے زاید ہو چکے ہین جسقدر ہمارے لئے حیرت انگیز ہے اسیقدر اُنکے لئے افسوسناک ہے،

میر ودرد، غالب ومومن، انیس ودبیر، حالی واکبر، سرسید وآزاد، نذیر احمد وشبلی جس زبان کے خزانہ کو اپنے جواہر پارون سے مالا مال کر چکے ہین کیا اسکے وجود کی بھی خبر کیمبرج وآکسفرڈ کے ایوانہائے علم تک پہنچی ہے؟ پروفیسر براؤن کو فارسی زبان وادب سے جو شغف ہے وہ خود مسلمان علمار کے لئے باعث رشک ہے، فارسی سے متعلق جو کچھ بھی لکہا جاتا ہے، اسکے حرف حرف پر اُنکی نظر رہتی ہے، لیکن باین ہمہ کاوش وتحقیق، شغف وانہماک، حال یہ ہے کہ ہندوستان کا ایک محقق فارسی شاعری کی مفصل ومبسوط تاریخ شائع کرتا ہے، (شعر العجم) اور سالہا سال تک براؤن صاحب کو اس کتاب کے وجود کی خبر نہین ہوتی ہے، اور آٹھہ دس سال کے بعد بھی اُنکی رسائی منجملہ پانچ جلدون کے کتاب کی صرف ابتدائی دو جلدون تک ہوتی ہے! یہ کیون؟ محض اسلئے کہ کتاب اُردو مین تھی، مستشرقین کی جماعت قدیم اسلامی لٹریچر کی جو کچھ خدمت کر رہی ہے، اسکا اعتراف بارہا ان صفحات مین ہو چکا ہے، لیکن ماضی کی یاد مین حال سے بالکل بیخبر رہنا کونسی دانشمندی ہے؟

ڈین انگ، جنکے ایک فلسفیانہ مضمون کی تلخیص اسی نمبر مین ملیگی، ایک جید مذہبی

عالم ہونے کے ساتھ ہی مستند فلسفی بھی شمار کئے جاتے ہین، چنانچہ حال ہی مین ارسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیت ارسطاطالیسی) نے، جو انگلستان کی سب سے بڑی فلسفیانہ انجمن ہے، اُنکو اپنا صدر مجلس منتخب کیا ہے، ریورنڈ موصوف نے کرسیٔ صدارت پر بیٹھتے ہی حاضرین کے سامنے ایک خاص استدلال پیش کیا جسکے قضایا کا خلاصہ ہم ناظرین معارف کے تفنن کے لئے یہان درج کرتے ہین،

(۱) سینما ٹوگراف (متحرک تصویر) کے پردہ پر جب کسی مرتب و مسلسل واقعہ کی تصویر اُتاری جاتی ہے تو اسکی ترتیب اصل واقعہ کے بالکل برعکس ہوتی ہے، مثلاً اگر یہ دکھانا منظور ہوتا ہے کہ ایک شخص حوض مین غوطہ لگانا چاہتا ہے تو اس منظر کی ترتیب یون دکھائی دیتی ہے کہ پہلے ایک ساکن حوض نظر آتا ہے، پھر اسمین تلاطم پیدا ہوتا ہے، پھر اسکے اندر سے دو پیر نکلتے ہین، رفتہ رفتہ ایک بلندی نمودار ہوتی ہے، یہانتک کہ بالآخر ایک مکمل انسانی شکل پیدا ہوتی ہے، جسکے ہاتھ اُوپر کو اُٹھے ہوئے ہین اور جو حوض مین جست کرنیکو تیار ہے۔

(۲) یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ایک ہی واقعہ جو ایک شخص کے لئے داخل ماضی ہے دوسرے کے لئے مستقبل کا حکم رکھتا ہے، شہر کے گھنٹہ گھر مین جب گھنٹہ بجتا ہے تو جو لوگ ہمسایہ مین ہین وہ فوراً سن لیتے ہین، اور جو لوگ دور کے محلون مین رہتے ہین ان تک اسکی آواز چند سکنڈ کے بعد پہنچتی ہے، اور اس درمیانی وقفہ مین وہی آواز بعض افراد کے لئے حکم ماضی مین داخل رہی، اور بعض کے لئے مستقبل مین،

(۳) لیکن ادراک ہمیشہ ادراک ماضی ہوتا ہے، ادراک کے معنی ہی یہ ہین کہ کسی شے کا جو واقع ہو چکی ہے، شعور ہم کو ہو،

(۴) اس سے معلوم یہ ہوا کہ ہماری اصطلاح مین ماضی و مستقبل دونون محض اضافی مفہوم

رکھتے ہین، یعنی جس ترتیب سے واقعات ہمارے شعور مین آتے رہتے ہین، ان پر ماضی
ومستقبل کا اطلاق اسی کے لحاظ سے کیا جاتا ہے، سنہ ۱۹۱۰ء ہمارے لئے اس واسطے ماضی ہے
کہ اسکے واقعات ہمارے شعور مین آچکے ہین، اور سنہ ۱۹۳۰ء اسلئے مستقبل ہے کہ اسکے واقعات
ہمارے شعور مین نہین آے ہین،

(۵) اس صورت مین بالکل ممکن ہے کہ جن ہستیون کا شعور ہمارے شعور سے مختلف ہے
انکے لئے ماضی ومستقبل ہی بالکل جداگانہ مفہوم رکھتے ہون اور جو ہستی شعور مطلق یا ہمہ دانی
سے متصف ہوگی، اسکے لئے ان الفاظ کے کوئی معنی ہی نہونگے،

ان قضایا کے پیش کرنے کے بعد فاضل موصوف بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ ماضی و
مستقبل، مقدم وموخر، علت ومعلول کوئی مستقل وجود نہین رکھتے بلکہ اس ہستی مطلق کے جو
قید زبان سے آزاد ہے محض مظاہر وشئون ہین،

سنا ۱۷ ماہ حال کو علی گڈھ مین اُس "مسلم" یونیورسٹی کا افتتاح ہوگیا، جو سر سید مرحوم کے
"رویاے یوسفی" کی تعبیر خیال کیجاتی ہے، اگر یہ عید شام کو نہ ہوئی ہوتی تو وائس چانسلر کا نغمہ مسرت
صرف اسٹریچی ہال مین گونج کر رہجاتا، بلکہ اسکی آواز بازگشت سارے ہندوستان مین سنائی
دیتی۔ اور ہم بھی بغداد و قرطبہ کی کھوئی ہوئی دولت کا اسکو نشان بازیافت سمجھکر خوش ہوتے
لیکن ابتو اگر ہم اسکو آبحیات بھی سمجھنا چاہین، تو بھی مسلمانون کی مرگ آرا غیرت قلم پکڑ لیتی ہے،
اور عرفی کی زبان سے کہتی ہے کہ

منت بازیچۂ عیسیٰ کش بہر حیات　　　　از رشِ مردن بپرس "از نفس مرگ آرائے من"

مقالات

خلافت اور ہندوستان

آج کل مسئلۂ خلافت نے ہندوستان مین جو اضطراب اور ہیجان پیدا کر رکھا ہی، کوتاہ بین سمجھتے ہین کہ یہ صرف موجودہ زمانہ کی آزادی طلبی، اور جنبشِ سیاسی کی ایک لہر ہے، اس مضمون مین یہ دکھانا ہی کہ خلافت اسلامیہ سے ہندوستان کا تعلق کس قدر پُرانا اور گہرا ہے، اور ہمیشہ سے اوسکو آستانۂ خلافت سے کسدرجہ عقیدتمندی اور ارادت رہی ہے، اور سلاطین ہند خلفاے اسلام کو کس عظمت دینی اور وقعت مذہبی کی نگاہ سے دیکھتے تھے،

عرب اور ہندوستان کا تجارتی تعلق تاریخ کی عمر سے بھی زیادہ قدیم ہے، اسلام جب عرب کی سرزمین مین رونما ہوا، تو اوسکے آس پاس کے دوسرے ملکون کی طرح ہندوستان بھی غیر متاثر نہین رہا، تحفۃ المجاہدین کی روایت کے مطابق، سواحل ہند تک اسلام کی مصالحانہ دعوت خود آنحضرت صلعم کی زندگی مین پہونچ چکی تھی ملیبار کے راجہ نے مذہب اسلام کی تحقیق کے لیے عرب مین جو وفد بھیجا تہا وہ خلافت اولیٰ یعنے حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت مین مدینہ پہونچا تہا، اور وہان سے پرتو اسلام سے منور ہو کر ملیبار واپس آگیا تھا، یہ روایت اگر صحیح ہو تو ہندوستان و خلافت کے باہمی تعلق کا یہ پہلا دن تہا،

سندھ کا علاقہ ایران کے زیر اثر ہونے کے باعث، ایران کے فتح ہونے کے بعد خود بخود مسلمانون کے زیر اثر ہوگیا، اسکے سواحل مسلمان تاجرون اور مسافرون کے رہگذر

اور سیستان وبلوچستان کے علاقے مسلمان فوجون کے معسکر تھے، بہرحال حضرت عثمان کے عہد خلافت سے ہندوستان اور خلافت اسلامیہ کے درمیان ایک ایسا مضبوط رشتہ قائم ہوگیا جو آج تک بدستور باقی ہی، خلافت راشدہ کے بعد، بنو امیہ جب خلافت اسلامیہ کے مالک ہوے تو مسلمانانِ سندھ نے بھی دوسرے ملک کے مسلمانون کی طرح اونکو خلیفہ تسلیم کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز اُموی جب مسند آرائے خلافت ہوے تو اونہون نے یہان کے روسا کے نام دعوت اسلام کے خطوط لکھے، چنانچہ اونکی ذاتی نیکی، زہد واتقا، اور عدل وانصاف کو دیکھکر بہت سے راجہ مسلمان ہوگئے، اور عربون کے جیسے اپنے نام اونہون نے رکھنے شروع کیے، آغاز خلافت راشدہ سے لیکر خلفاے بنی امیہ کے آخیر عہد تک دربار خلافت کی طرف سے جو لوگ وقتاً فوقتاً نائب ہوکر یہان آتے رہے، اونکے نام حسب ذیل ہین،

شمار	نائبین خلافت کے نام	خلفاکے نام	سنین
۱	حکیم بن جبلۃ العبدی	حضرت عثمانؓ	
۲	حارث بن مرّۃ عبدی	حضرت علیؓ	۳۹ھ
۳	مہلب بن ابی صفرۃ	امیر معاویہ	۴۴ھ
۴	عبداللہ بن سوار العبدی	″	
۵	راشد بن عمرو الجدیدی الازدی	″	
۶	سنان بن سلمۃ الھذلی	″	
۷	زیاد المنذر بن جارود العبدی		
۸	عبیداللہ بن زیاد الباہلی		
۹	سعید بن اسلم الکلابی		

۱۰	مجاعہ بن سعر التیمی	
۱۱	محمد بن ہارون النمری	
۱۲	عبید اللہ بن نبہان	
۱۳	محمد بن القاسم الثقفی	
۱۴	یزید بن ابی کبشۃ السکسکی	سلیمان بن عبد الملک
۱۵	حبیب بن مہلب	
۱۶	عمرو بن مسلم الباہلی	حضرت عمر بن عبد العزیز
۱۷	جنید بن عبد الرحمان المری	ہشام بن عبد الملک
۱۸	تیم بن زید العتبی	
۱۹	حکم بن عوانہ کلبی	
۲۰	منصور کلبی	

اسکے بعد بنو عباس کا دور شروع ہوا، بنی امیہ کے اخیر عہد مین تمیم کی نیابت نہایت کمزور اور ضعیف رہی، اور مسلمانون کو سخت تکلیفین پہونچین محفوظہ نام ایک شہر بساکر اوسمین محصور رہے لیکن بنو عباس کے تخت نشین ہونے کے ساتھ از سر نو مسلمانون مین نئی قوت پیدا ہوئی، خلیفہ منصور نے مغلس عبدی کو یہان اپنا نائب بناکر بھیجا، اور اوسکے نام سے سندھ مین منصورہ شہر آباد ہوا، اسکے بعد اوسکے دوسرے نائب موسی بن کعب تیمی نے نئی سروسامان سے خلافت عباسیہ کی قوت کو یہان نمایان کیا، منصورہ کی مرمت کرائی، یہان کی جامع مسجد کو وسیع کیا، خلیفہ مامون کے عہد مین بشر بن داود یہان کا نائب مقرر ہوکر آیا، لیکن وہ یہان آکر باغی ہوگیا اوسکی سرکوبی کے لیے غسان بن عباد دوسرا نائب بھیجا گیا، غسان کے بعد آل برمک مین سے

موسی بن یحییٰ یہان نائب ہوکر آیا، یہان اوسنے شہر بیضا، آباد کیا، خلیفہ معتصم آخری طاقتور عباسی خلیفہ ہے، اسکے عہد مین موسی برمکی کا بیٹا عمران نائب مقرر ہوا، اسکے بعد خلفاے عباسیہ کے سیاسی ضعف نے ہندوستان کو سیاسۃً مرکز خلافت سے الگ کردیا، تاہم مذہبًا وہ ہمیشہ خلفاے عباسیہ کا مطیع و فرمانبردار رہا، اور اونہین کے نام کے خطبے یہان پڑہے جاتے تھے، خلفاے عباسیہ کے عہد مین جو لوگ وقتًا فوقتًا، خلیفہ عہد کے نائب ہوکر آئے اونکے نام بترتیب یہ ہین،

شمار	نائبین خلافت کے نام	خلفا کے نام
۲۱	مغلس عبدی	خلیفہ منصور
۲۲	موسی بن کعب تمیمی	؍؍
۲۳	ہشام بن عمر تغلبی	؍؍
۲۴	عمرو بن حفص	
۲۵	داود بن یزید بن حاتم	
۲۶	بشر بن داود	خلیفہ مامون
۲۷	غسان بن عباد	؍؍
۲۸	موسی بن یحییٰ برمکی	؍؍
۲۹	عمران بن موسی برمکی	خلیفہ معتصم

خلیفہ معتصم کے بعد سیاسی حیثیت سے سندھ کی حیثیت ایک خودمختار ریاست کی ہوگئی ملک کا بڑا علاقہ مسلمانون کے ہاتھ سے نکلگیا، تاہم وہ اوس ملک کو چھوڑنے پر مجبور نہین ہوے سندھیون نے مسلمانون کی مسجدون کو ہاتھ نہین لگایا اور اونکی مذہبی آزادی کو برقرار رکھا،

اور مذہبًا وہ ہمیشہ خلفاے بغداد کے ماتحت رہی، چنانچہ وہ جمعہ کے خطبہ مین خلیفۂ وقت کا نام لیتے تھے، مورخ بلاذری جسنے ۲۷۹ھ مین وفات پائی ہے فتوح البلدان مین شہادت دیتا ہے،

ثم ان الھند غلبوا علی السندان فترکوا مسجدھا للمسلمین یجمعون فیہ و یدعون للخلیفۃ، (فتوح السند)

پھر اہل ہند، سندان پر غالب آگئے، لیکن وہان کی مسجد کو مسلمانون کیلیے چھوڑ دیا جسین وہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہین اور خلیفہ کے لیے دعا کرتے ہین،

اسکے بعد سندھ کی تاریخ پر ایک سیاہ پردہ پڑ جاتا ہے، صرف مسلمان سیاحون کے متفرق بیانات سے اس پردہ مین کبھی کبھی کوئی روزن پڑجاتا ہے، جس سے اندر کا حال ایک آدھ جھلک معلوم ہوسکا ہے، اس سے بہرحال یہ بات پایۂ وثوق کو پہونچتی ہے کہ مسلمانونکی جو کچھ آبادی یہان رہ گئی تھی وہ برابر کسی نہ کسی خلافت کے دامن سے اپنے کو وابستہ سمجھتی رہی، بعد کو مسلمانون مین یہان دو فرقے ہوگئے تھے، ایک اہل سنت اور دوسرے باطنیہ شیعہ، اہل سنت کا مرکز بدستور خلافت عباسیہ تھی، لیکن باطنی شیعہ مصر کے فاطمی سلاطین کو اپنا خلیفہ جانتے تھے، بشاری مقدسی جو چوتھی صدی مین ہندوستان آیا تھا منصورہ پایۂ تخت سندھ کے حال مین لکھتا ہی،

واما المنصورۃ فعلیھا سلطان من قریش، یخطبون للعباسی،

(صفحہ ۴۸۵، مطبوعہ یورپ)

منصورہ مین ایک مستقل بادشاہ ہے جو نسلًا قریشی ہے، یہان کے مسلمان خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھتے ہین،

ملتان کے تذکرہ مین کہتا ہے،

واما بالملتان فیخطبون للفاطمی ولایحلون ولایعقدون الا بامرہ وابدًا رسلھم

لیکن ملتان مین خلیفۂ فاطمی کے نام کا خطبہ پڑھتے ہین اور اوسی کے احکام کی تعمیل کرتے ہین یہان کے مسلمانونکے

وهدايا هم تذهب الى مصر، ایلچی اور تحائف ہمیشہ مصر جاتے رہتے ہین،

جو سلطان افغانستان کی راہ سے ہندوستان آئے، اونمین سب سے پہلا نام سلطان محمود غزنوی کا ہے، سلطان کی سیاسی طاقت اور فوجی قوت کا یہ حال تہا کہ وسط ایشیا مین اوس سے کوئی بڑی طاقت اور قوت موجود نہ تھی، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ اپنے زمانہ مین سب سے بڑا طاقتور مسلمان حکمران تھا، اور فوجی و سیاسی حیثیت سے خلافت عباسیہ درحقیقت بزرگونکی مقدس ہڈیون کا ایک ڈھانچ رہ گئی تھی، لیکن تمکو معلوم ہو کہ یہ دنیا کا طاقتور انسان اس ڈہانچ سے کتنا ڈرتا تھا، اور اپنی پوری جنگی قوت و طاقت کے باوجود وہ خلیفۂ عصر القادر باللہ کی اطاعت کو اپنے لیے کتنا ضروری سمجھتا تھا، ہر نئی کامیابی کا اطلاعنامہ دیوان خلافت مین معمولاً بھیجتا تھا، کسی نئے ملک پر قبضہ و تصرف کرنے کے لیے اوسی دربار سے باقاعدہ اجازت چاہتا تھا، دربار خلافت سے فتوحات کے موقع پر اوسکے لیے جو خلعت آتے تھے اوسکی خوشی کسی نئے ملک کی فتح سے کم اوسکو نہین ہوتی تھی، اوسکو دنیا کی بڑی سے بڑی عزت، بڑی سے بڑی عظمت اور بڑا سے بڑا فخر حاصل تھا، تاہم اوسکی سب سے بڑی عزت، سب سے بڑی عظمت اور سب سے بڑا فخر یہ تہا کہ ایوان خلافت سے اوسکو یمین الدولہ کا خطاب عطا ہو، سلطان نے گو ایران و ترکستان کے تمام ممالک اپنے زور بازو سے حاصل کیے تھے، لیکن وہ اوسوقت تک ان ممالک کا جائز بادشاہ نہو سکا جب تک ۴۱۵ھ مین خلیفہ نے اسکے لیے فرمان جاری نہ کیا، چنانچہ طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ وغیرہ کی عبارت ہے،

خلیفہ القادر باللہ عباسی القاب نامہ بسلطان محمود نوشتہ لواے خراسان و ہندوستان ونیمروز وخوارزم فرستاد،

خود سلطان کا لقب جو محمود سے پہلے کسی دوسرے بادشاہ نے اختیار نہین کیا تھا، اور سب سے پہلے

محمود ہی کے لیے یہ بادشاہی کے استعمال مین آیا، یہ بھی خلیفہ ہی کی جانب سے اوسکو عطا ہوا تھا ہندوستان کے باطنی اسماعیلیون کے استیصال پر اوسکو خلیفہ نے کہف الدولہ والاسلام (سلطنت اور اسلام کی جاے پناہ) کا خطاب دیا،

سنہ ۴۱۰ھ مین ہندوستان کی عظیم الشان فتح پر دربار خلافت مین اوسنے جو عریضہ بھیجا، اوسکی کیفیت سنو،

"سلطان در سنہ ۴۱۰ھ فتح نامہ کہ مشتمل بود بر جمیع فتوحات کہ او درا در ممالک ہندوستان روی نمودہ بود بہ بغداد فرستاد، خلیفۃ القادر باللہ عباسی آن روز مجلسے عظیم ساختہ فرمود تا آن فتح نامہ را بر رؤس منابر پیش خلائق بآواز بلند بخوانند و مردم بواسطہ اعلاے معالم اسلام شکرہا کردہ وزبان بستایش سلطان محمود کشادہ نصرت وظفر او از حق سبحانہ وتعالی مسئلت نمودند۔ آن روز در بغداد آنچنان سرور وخوشحالی انتشار یافت کہ گوی یکے از عید ہاے معترہ اسلام است (فرشتہ)

سلطان پر سب سے بڑی عنایت خلیفہ کی یہ تھی کہ اوسنے لکھا کہ "تم جسکو اپنا ولی عہد بناؤ مین بھی اوسکو قبول کرونگا،، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سلاطین کی جانشینی کا مسئلہ بھی خلفا کے ہاتھ مین تھا،

سلطان محمود کے دو بیٹے تھے، امیر مسعود اور امیر محمد، سلطان امیر محمد کو چاہتا تھا

تا بحدیکہ از خلیفہ عباسی التماس نمود کہ اسم امیر محمد را بر سلطان مسعود مقدم نویسد،

لیکن ایسا نہو سکا، سلطان محمود کے بعد امیر مسعود بادشاہ ہوا، اور امیر محمد نے بھائی سے شکست کھائی، امیر مسعود کو دربار خلافت سے جلال الدولہ جمال الملۃ کا خطاب پہلے ہی عطا ہو چکا تھا

افسوس ہو کہ ہمارے ہندوستانی مورخین نے اس قسم کے واقعات بہت کم قلمبند کیے مین، اور خود عرب مورخین نے یہ واقعات شاذ ونادر ہی لکھے ہین، ۵۷۵ھ مین الناصر لدین اللہ خلیفہ تھا، (یہ زمانہ ہندوستان مین غوریون کی حکومت کا تھا) اسنے خبر رسانی اور جاسوسی کے

محکمہ کو اسقدر وسعت دی تھی کہ دنیاے اسلام کا کوئی گوشہ اسکے خبر رسانون اور جاسوسون سے خالی نہ تھا، مورخین نے اسکے عجیب و غریب حالات لکھے ہین، منجملہ اسکے ایک ہندوستانی تاجر کا قصہ سننے کے لائق ہے، ہندوستان مین ایک تاجر کے پاس ایک طوطا تھا جسکو قُل ھُوَاللّٰہ احد سکھایا گیا تھا، تاجر نے یہ نادر تحفہ دربار خلافت کے لیے مناسب سمجھا، چنانچہ وہ یہ تحفہ لیکر بغداد روانہ ہوا، اتفاق سے جب وہ بغداد پہنچا تو طوطا مر گیا سخت حیران ہوا کہ اب کیا کیا جاے، اسی اثنا مین ایک شخص فراش کے بھیس مین اوسکے پاس پہنچا، اور طوطے کو طلب کیا، تاجر رونے لگا اور واقعہ بیان کیا، فراش نے کہا کہ ہمکو یہ معلوم ہو چکا تھا تم وہ مرا ہی طوطا دیدو، لیکن یہ بتاؤ کہ اس تحفہ کے انعام مین تم خلیفہ سے کتنی رقم کی امید رکھتے تھے، اوسنے کہا مجھے ۵۰۰ اشرفیونکی توقع تھی، فراش نے کہا، یہ ۵۰۰ اشرفیون کا توڑا لو، یہ خود خلیفہ نے تمھارے پاس بھیجا ہے جب تم ہندوستان سے اس ارادہ سے نکلے تھے تب ہی خلیفہ کو اسکی اطلاع مل چکی تھی[۱]،

علامۂ سیوطی خلیفہ الناصر کے حال مین لکھتے ہین،

کان الناصر قد ملأ القلوب ھیبۃ	ناصر نے لوگونکے دلونکو اپنے خوف و دبدبہ و ہیبت سے
وخیفۃ فکان یرھبہ اھل الھند و	مرعوب کر دیا تھا اوس سے ہندوستان اور مصر کے
مصر کما کان یرھبہ اھل بغداد فاحیی	لوگ ویسے ہی ڈرتے تھے جیسے بغداد والے، اوسنے
ھیبۃ الخلافۃ و کانت قد ماتت بموت	خلافت کی اوس ہیبت و جلال کو زندہ کیا جو معتصم
المعتصم،	کے مرنے سے مر گیا تھا،

سلطان شہاب الدین غوری بڑے جاہ و جبروت کا بادشاہ تھا لیکن اوسکے تاج فخر کا طرّہ یہ ہے کہ وہ قسیم امیرالمومنین (امیرالمومنین کا حصہ دار) اور ناصر امیرالمومنین (امیرالمومنین کا

---

[۱] تاریخ الخلفاء سیوطی،

مدد گار) تھا (طبقات ناصری صفحہ ۱۷۴ و ۱۲۶) قطب مینار دہلی اور مسجد قطبی کے دروازہ پر سلطان کے نام کے جو کتبے ہین اون مین بھی سلطان کے یہ القاب پتھرون پر منقوش ہین،

ہندوستان کے خود مختار سلاطین مین سلطان شمس الدین التمش کا نام آتا ہے، جس نے باقاعدہ ہندوستان کی مملکت کو ایک مستقل سلطنت کے قالب مین ڈہالدیا، وہ ۶۰۷ھ مین تخت نشین ہوا تھا، ۶۲۶ھ مین خلیفہ نے اوسکو خلعت بھیجا، اسکے یہ معنے تھے کہ ایوانِ خلافت نے ہندوستان کے استقلال اور خود مختاری کو تسلیم کرلیا، سلطان نہایت ادب واحترام کے شرائط بجالایا اوراوس کو اس خلعت سے اسقدر خوشی ہوئی کہ اسکے لیے تمام دارالسلطنت مین جشن منایا گیا، سلطان نے افسرون کو انعام اور خلعت تقسیم کیے صاحبِ طبقاتِ اکبری کا بیان ہے، (صفحہ ۶۰)

> در ۶۲۶ھ رسولانِ عرب، جامۂ خلافت، جہت سلطان شمس الدین آوردند، سلطان آنچہ شرط اطاعت وادب بود، بجاآوردہ، جامۂ دار الخلافت پوشیدہ وازپوشیدنِ آن خلعت فرحت وبہجت بے نہایت دراحوال سلطان محسوس میشد، سلطان اکثر امرا را خلعتہا دادہ ودر شہر قُبّہ ہا بستند وکوسِ شادیانہ بستند،

خلیفہ کا نام ہندوستان کے مورخون نے نہین لکھا ہے، مگر یہ زمانہ الناصرلدین اللہ کا تھا، شمس الدین التمش کا لقب بھی ناصر امیرالمومنین، (امیرالمومنین کا مددگار) تھا، اور اور یہی لقب اوسکے سکون پر منقوش پایا جاتا ہے، اسی زمانہ مین الناصرلدین اللہ نے وفات پائی اور مستنصر باللہ نے مسند خلافت کو زینت بخشی، سلطان شمس الدین التمش، سلطانہ رضیہ اور سلطان ناصرالدین محمود، سلطان علاءالدین محمد کے سکون پر خلیفہ مستنصر باللہ کا نام سلطان کے پہلو بہ پہلو کندہ ہے، بلکہ ان سلاطین کے بعض ایسے سکے بھی ہین جن پر صرف خلیفہ

کا نام منقوش ہے، رضیہ کے سکہ پر رضیہ کے بجاے یہ الفاظ کندہ ہین، المستنصر امیر المومنین مستنصر باللہ کے بعد آخری خلیفہ بغداد مستعصم باللہ جلوہ آراے خلافت ہوا، سلطان علاؤالدین ابوالمظفر مسعود، سلطان ناصر الدین ابو المظفر محمود، سلطان غیاث الدین بلبن، سلطان معزالدین کیقباد، سلطان جلال الدین فیروز شاہ، سلطان رکن الدین کیکاؤس کے سکون پر خلیفہ مستعصم باللہ کا نام کھدا ہوا ملتا ہے،

خلافت اور ہندوستان کا تعلق سب سے زیادہ محمد شاہ تغلق کے زمانۂ حکومت مین نمایان نظر آتا ہے، سلطان جسطرح اپنے اور تمام کارنامون مین بے مثال اور عدیم النظیر معلوم ہوتا ہے اسی طرح اس مسئلہ خلافت مین بھی اوسکا اعتقاد اور طرز عمل تمام سلاطین اسلام مین بیمثال ہے، سب جانتے ہین کہ مستعصم باللہ کے عہد مین تاتاریون کے ہاتھون بغداد کی خلافت عباسیہ کا پیراہن تار تار ہو گیا تھا، اوسکے بعد مصر مین دوبارہ خلافت عباسیہ نے ازسرنو ایک دوسری زندگی حاصل کی، چونکہ پہلے زمانہ مین آمد و رفت کے طریقے اس قدر آسان نہ تھے اسلیے ایک ملک مین دوسرے ملک کی خبرین سالہا سال کے بعد پہونچتی تھین، اسلیے خلافت بغداد کی تباہی کے بعد ہندوستان مین کئی سال تک یہ معلوم نہو سکا کہ مسلمانان عالم نے خلافت کا دوبارہ کیا نظام قائم کیا ہے، چنانچہ تاجرون اور مسافرون کی زبانی اس کی تفتیش ہوتی رہتی تھی، اس موقع پر ہم خود کچھ نہین کہنا چاہتے، بلکہ خود ایک مورخ کے بیان کو بلفظہ نقل کر دیتے ہین، فیروز شاہی کا مصنف ضیاء برنی لکھتا ہے،

در خاطر افتاد کہ سلطنت و امارت سلاطین بے امر	سلطان کے دل مین آیا کہ خلیفہ عباسی کی اجازت کے
داودن خلیفہ کہ از آل عباس بود، درست نیست دہر	بغیر سلطنت و حکومت جائز نہین، جن بادشاہون نے
بادشاہی کہ بے منشور خلفاے عباسی بادشاہی	خلفاے عباسی کے فرمان کے بغیر حکومت کی ہے

کردہ است دیا بادشاہی کند متغلب بودہ است	یا جو بادشاہ کرین وہ غاصب تھے اور غاصب ہونگے
ومتغلب بود، واز خلفاے عباسی سلطان بسیار	سلطان خلیفۂ عباسی کے حالات دریافت کرتا
تتبع میکرد تا از بسیار مسافران شنید کہ خلیفہ از	رہتا تھا، یہان تک کہ بہت سے مسافرون سے
آل عباس در مصر بر خلافت متمکن است سلطان	اوسنے سنا کہ خلیفۂ عباسی مصر مین متمکن ہے، سلطان نے
محمد با اعوان وانصار دولت خود بآن خلیفہ کہ	یہ سنکر خود مع تمام ارکان دولت کے خلیفۂ مصر کی
در مصر است بیعت کردہ و در سر کردہ داری عرضداشت	بیعت کی اور ایک وفد کے ساتھ خلیفہ کی خدمت مین
بجانب خلیفہ سوار میکرد واز ہر بابت چیز ہا دران	عرضداشت بھیجا کرتا تھا اور اوسمین تمام باتین
می نوشت وچون در شہر آمد نماز جمعہ ونماز اعیاد	لکھا کرتا تھا، جب دار السلطنۃ مین پہنچا تو جمعہ اور عیدین
را در توقف داشت واز سکہ نام خود در کنانید	کی نماز (خلیفہ کے جواب آنے تک) بند کرا دی،
وفرمود تا در سکہ نام ولقب خلیفہ نویسند ودر	اور سکہ سے اپنا نام مٹا کر خلیفہ کا نام اور لقب کندہ کرایا
اعتقاد خلافت آل عباس مبالغہا کرد کہ در تحریر	سلطان کو خلفاے عباسیہ کی خلافت کے ساتھ اسقدر
وتقریر نتوان گنجانید، ص ۴۹۲	عقیدت تھی کہ تقریر وتحریر مین وہ نہین سا سکتی،

۷۴۴ھ مین حاجی سعید صرصری کی سرکردگی مین مصر کے دربار خلافت سے سلطان کے لئے خلعت اور لواے سلطنت اور فرمان آیا، سلطان نے تمام ارکانِ دولت، علما، سادات اور مشائخ کے ساتھ شہر سے باہر نکلکر استقبال کیا، سواری سے اترکر فرمان وخلعت کو سر پر رکھا قاصد خلافت کے پاؤن کو بوسہ دیا تمام شہر مین جشن منایا گیا، جمعہ وعیدین کی نمازین شروع ہوئین، اسکے بعد سلطان اور خلیفہ کے مابین یہ نامۂ وپیام اور تحفہ تحائف برابر جاری رہے، ابن بطوطہ مغربی جو اسی زمانہ مین ہندوستان آیا تھا، وہ بھی شہادت دیتا ہے کہ سلطان کو خلیفۂ وقت کے ساتھ حد درجہ عقیدت تھی، اور بہت سے واقعات اور وفد خلافت کے حالات لکھی ہین اس سے چند باتین ثابت ہوتی ہین

۱- ادنیٰ مسلمانون کو چھوڑ کر سلاطین تک خلافت کے باب مین کیا اعتقاد رکھتے تھے،

۲- ہر مسلمان بادشاہ جو اطراف عالم مین کہین حکمران ہو اوسکے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ خلیفۂ وقت کا مطیع و فرمانبردار ہو، بلکہ اصلی حکومت درحقیقت خلیفۂ عصر کی ہوتی ہے، اور دیگر سلاطینِ زمانہ اوسکے نائب اور قائم مقام کی حیثیت رکھتے ہین،

۳- جب تک خلافت و بیعت امام نہو، جمعہ و عیدین تک روا نہین،

اس سے یہ معلوم ہو گا کہ آجکل علمار نے جو فتوے دیے ہین وہ محض سیاسی نہین بلکہ اونکی مذہبی حیثیت ہے اور یہ خود سر دمجنون گستاخ مسلمان آج سے پہلے بھی ہندوستان کی سرزمین مین موجود تھے،

بہرحال محمد تغلق کی وفات کے بعد فیروز شاہ تخت نشین ہوا، اسوقت دکن مین بہمنی سلاطین عروج حاصل کر رہے تھے، اور دلی و دکن مین رقابت پیدا ہو گئی تھی، خلیفہ نے سلطان کو فرمان سلطنت ہندوستان اور خلعت بھیجا، اور لکھا کہ سلاطین بہمنیہ کے ساتھ رفق و مدارات کا برتاؤ کرو، فرشتہ کی عبارت ہی،

- "در ماہِ ذی حجہ سنہ مذکور (۷۵۸ھ) خلعت و منشور خلیفہ عباسی مصر الحاکم بامر اللہ ابو الفتح بن ابی ربیع سلیمان متضمن تفویض ممالک ہندوستان و سفارش بادشاہان بہمنیۂ دکن آمد"،

علامۂ سیوطی تاریخ الخلفا مین لکھتے ہین کہ خلیفہ المستعین باللہ عباسی کے عہد خلافت مین ۸۱۴ھ مین غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ بادشاہ ہندوستان نے خلیفہ کے پاس قاصد بھیجا اور

لہ فرشتہ نے حاکم بامر اللہ ابو الفتح بن ابی ربیع سلیمان نام غلط در غلط لکھا ہے، ۷۵۸ھ مین معتضد باللہ ابو الفتح ابو بکر بن ابی الربیع سلیمان خلیفہ تھا، حاکم بامر اللہ ابو العباس احمد بن ابی الربیع سلیمان تھا، ۷۵۳ھ مین وفات پائی،

فرمان حکومت کی درخواست کی، اس نام کا بادشاہ نہ دلی مین نظر آتا ہے اور نہ دکن و بنگالہ[1] مین یہ وہ زمانہ ہے جب تیمور کے حملون سے ہندوستان چور چور تھا اور ملک مین کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہین تھی، ممکن ہے کسی امیر نے اس موقع سے خلیفہ کا فرمان حاصل کرکے فائدہ اُٹھانا چاہا ہو، چند صفحے پہلے ہندوستان کے قدیم مورخین کی کوتاہ قلمی کی شکایت قلم سے نکل چکی ہے کہ وہ تاریخون مین اپنے اپنے عہد کے اس قسم کے واقعات کو عام اور معمولی سمجھ کر قلم انداز کرتے آئے ہین، اوبھین یہ گمان نہ تھا کہ مسلمانون پر ایک زمانہ آئیگا جب یہی عام اور معمولی واقعات محتاج ثبوت وتصدیق ہو جائینگے، لیکن ایک عیسائی مورخ اڈورڈ طامس (EDWARD THOMAS) کی کوششین ہم مسلمانون کے شکریہ کی مستحق ہین جسنے بہت حد تک ہمارے بزرگون کے ادھورے کارنامون کو پورا کر دیا ہے، اڈورد طامس آج سے پچاس برس پہلے انگلستان کے ایک مشہور مستشرق تھے، اونھون نے ۱۸۷۱ء مین سلاطین ہند کی تاریخ اونکے عہد کے سکّون کے نقوش وکتبات سے مرتب کی ہے، ہر سلطان و بادشاہ کے سکّے فراہم کیے ہین، اونکے کتبے پڑھے ہین اور اونپر پوری بحث کی ہے ہم نے اس کتاب کے ایک ایک کتبہ کو پڑھا اور اوسکو عہد بعہد کی ترتیب سے یکجا فراہم کیا، ان کتبون کو پڑھکر کس درجہ حیرت ہوئی ہے کہ جو باتین تاریخ کے کرم خوردہ اوراق مین بہت کم پائی جاتی ہین، وہ سونے چاندی کے پترون مین کس بہتات کے ساتھ موجود ہین،

(۱) ان مین سے ہر سکہ پر اور ہر کتبہ پر ہندوستان کے سلطان وقت کے نام کے ساتھ برابر خلیفۂ زمان کا نام بھی ثبت ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی طرح ہندوستان کے تمام سلاطین یہ اعتقادِ عملی رکھتے تھے کہ وہ بجائے خود مستقل بادشاہ نہین ہین بلکہ

[1] بنگالہ مین سلطان غیاث الدین بن سکندر شاہ ایک بادشاہ گذرا ہے مگر اوسکا زمانۂ وفات ۷۷۵ھ ہی،

انکی حیثیت اپنی مملکت مین خلیفہ کے ایک نائب اور قائم مقام کی ہے، چنانچہ خود سکون مین آپ اسکی تصریح پائینگے (دیکھو نمبر ۱-۲-۴-۵-۷-۸)

(۲) یہ دیکھکر اور حیرت ہوتی ہے کہ نہ صرف سلاطین دہلی، بلکہ اطراف ہند کے وہ بادشاہ بھی جو دہلی کی سلطنت سے ہٹ کر اپنی مستقل و خودمختار حکومتین قائم کرتے تھے وہ ہزارون کوس دور پڑے ہوے خلیفہ کی اطاعت سے باہر نہین تھے، چنانچہ سلاطینِ گجرات مالوہ و مشرق و بنگالہ کے سکّے آپکو اسی قسم کے ملینگے،

(۳) ایک اور لطیف تر بات یہ ہے کہ ان مین سے بہت سے سکّون پر سلاطین وقت کے بجاے صرف خلفاے عصر کے نام ہین، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سلاطین کی نیت یہ تھی کہ وہ خلفا کے مقابلہ مین اپنے کو مجازی بادشاہ بھی کہلانا نہین چاہتے تھے،

(۴) عجیب یہ ہی کہ بعض سکّون پر سنسکرت خط مین "سری ہمیرا" اور سری خلیفہ" اور "سری شلیفہ" منقوش ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نامسلمان رعایاے ہند تک کو یہ سمجھانا منظور تھا کہ ملک کا اصل حکمران خلیفہ ہے، انگریز محقق کہتے ہین کہ "ہمیرا" امیرالمومنین کی اور "شلیفہ" خلیفہ کی خرابی ہے،

(۵) ان سکّون مین ایک اور بات آپ پائینگے جب کسی خلیفہ کا متعین نام و لقب نہین معلوم ہوا ہے تو صرف مطلق خلیفہ یا امیرالمومنین کا لفظ لکھدیا ہے، اور اگر کوئی ایسا زمانہ پڑا ہے کہ کوئی خلافت قائم نہین ہوئی تو خلفاے اربعہ کے نام لکھدیے گئے مین، مثلاً نمبر ۶ ۴ مین کہ یہ بغداد کی تباہی کا زمانہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرحال کسی نہ کسی قسم کی خلافت کا ذکر وہ ضروری سمجھتے تھے،

(۶) یہ سکّے معزالدین غوری سے لیکر بہ ترتیب ابراہیم شاہ سکندر لودی تک کے ہین اسکے بعد

تیموریہ سلطنت شروع ہوتی ہے، اور مصر مین خلفاے عباسیہ کا بھی خاتمہ قریب قریب ہوجاتا ہے، ان مین سے ہر سکہ "ہندوستان اور خلافت" کے دعوی کے لیے دلائل کا ایک دفتر ہے،

ذیل مین ہم بہ ترتیب ان سکّون کو درج کرتے ہین،

سلاطین ہند کے سکّون کے کتبے

۱

لله لا اله الا الله

محمد رسول الله الناصر بالله السلطان

السلطان المعظم الاعظم غیاث الدنیا

معز الدنیا والدین والدین ابو الفتح

ابو المظفر محمد محمد بن سام

بن سام هو الذی ارسل رسوله علی الدین

غزنة فی شهور سنة کله ولو کره المشرکون
اثنی وتسعین وستمائة

۲

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق

لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون

لا اله الا الله محمد رسول الله السلطان المعظم

غیاث الدنیا والدین ابو الفتح

محمد بن سام

ضرب هذا الدرهم فی بلدة غزنة سنة ست تسعین وخمسمائة

الناصر لدین الله السلطان المعظم معز

الدنیا والدین ابو المظفر

محمد بن سام

۳

السلطان الاعظم لا اله الا الله

معز الدنیا و محمد رسول الله

الدین ابو المظفر الناصر لدین الله

محمد بن سام امیر المومنین

(ہندی مین) سری ہمیرا ۔ سری محمد سام پر تھوی

۴

قطب مینار دہلی کا کتبہ

السلطان المعظم شهنشاه الاعظم، مالک رقاب

الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان

السلاطین فی العالم، غیاث الدنیا والدین

معز الاسلام والمسلمین محی العدل فی العالمین
علاء الدولۃ القاہرۃ فلک الملۃ الطاہرہ
جلال الامۃ الباہرہ شہاب الخلافۃ باسط
الاحسان والرافۃ فی الثقلین، ظل اللہ فی
الخافقین الحامی لبلاد اللہ الراعی لعباد اللہ
محرز ممالک الدنیا ومظہر کلمۃ اللہ العلیا
ابو المظفر محمد بن سام قسیم امیر المومنین
خلد اللہ ملکہ،

۵

مسجد قطبی کے شمالی جانب کے داخلہ کے دروازہ پر تاریخ ۵۹۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم یدعو الی دار السلام
ویہدی من یشاء الی صراط المستقیم، فی شہور
سنۃ اثنتی وتسعین جرت ہذہ العمارۃ
بعالی امر السلطان المعظم معز الدنیا
والدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین،

۶

السلطان المعظم	لا الہ الا اللہ
معز الدنیا و	محمد رسول اللہ
الدین ابو المظفر	الناصر لدین اللہ امیر المومنین

محمد بن سام	ضرب ہذا الدینار ببلدۃ
	غزنۃ فی شہور سنۃ ثلث وستمائۃ

۷

لا الہ الا اللہ	السلطان المعز
محمد رسول اللہ	عبدہ ومولاہ تاج الدین
الناصر لدین اللہ	یلدز السلطانی،
امیر المومنین	

ضرب ہذا الدرہم ببلدۃ
غزنۃ فی شہور سنۃ عشر وستمائۃ

۸

القادر	(ہندی میں)
لا الہ الا اللہ	ابیاکتمک
محمد رسول اللہ	محمد اداتو نرپیا
یمین الدولۃ	نی محمود
وامین الملۃ	
محمود	

بسم اللہ ضرب ہذا الدرہم
بمحمود پور سنۃ ثمان عشرۃ
واربعمائۃ

۹

فی عہد الامام　لا الہ الا اللہ

المستنصر امیر　محمد رسول اللہ

المومنین

۱۰

ہندی ین

مستنفر باللہ　سری خلیفہ

۱۱

السلطان المعظم　لا الہ الا اللہ

شمس الدنیا والدین　محمد رسول اللہ

ابوالمظفر التمش　المستنصر بامر اللہ

السلطان ناصر امیر المومنین　امیر المومنین

اثنین وثلثین وستمائۃ

۱۲

السلطان المعظم　ضرب

شمس الدنیا والدین　نکور

ابو المظفر التمش　محمد رسول اللہ

القطبی بزمان　لدار الشمس ثمن وستمائۃ

امیر المومنین

قطب مینار کے دوسرے منزل کے دروازہ پر[۱۳]

امر باتمام ھذہ العمارۃ الملک المؤید من السماء شمس الحق والدین

ایلتمش السلطانی ناصر امیر المومنین

تیسرے منزل کے دروازہ پر[۱۴]

امر بھذہ العمارۃ فی ایام الدولۃ السلطان الاعظم شہنشاہ المعظم

مالک رقاب الامم مولی ملوک الترک العرب والعجم شمس الدنیا

والدین مغیث الاسلام والمسلمین ذو الامن والامان وارث ملک

سلیمان ابوالمظفر ایلتمش ناصر امیر المومنین،

۱۵

فی عہد الامام　السلطان الاعظم

المستنصر باللہ امیر　ناصر الدنیا والدین

المومنین للہ　ابوالمظفر محمود شاہ بن سلطان

رضیہ کے سکون پر[۱۶]

المستنصر امیر المومنین

۱۷

السلطان الاعظم　لا الہ الا اللہ

علاء الدنیا والدین　محمد رسول اللہ

ابوالفتح محمد بن السلطان　الناصر لدین اللہ

بسم اللہ ضرب　امیر المومنین

ھذا الدینار ببلدۃ غزنۃ فی شہور ثلاث عشر وستمائہ

۱۸

الناصر　جلال الدنیا

لدین اللہ　والدین منکبرنی

امیر المومنین　بن السلطان

۱۹

الناصر لدين الله — العادل

امیر المومنین — الاعظم چنگز خان

۲۰

سیف الدنیا والدین — لا اله الا الله

ابو المظفر الحسن — محمد رسول الله

قرلغ — المستنصر بالله

هذا الدرهم فی شهور

سنة ثلث وثلثین وستمائه — امیر المومنین

۲۱

السلطان الاعظم — فی عهد الامام

جلالة الدنیا والدین — المستنصر امیر

ملکة ابنة التمش السلطان — المومنین

مصرة امیر المومنین — ضرب هذه الفضة بلکنوتی سنه

۲۲

السلطان الاعظم — فی عهد الامام

معز الدنیا والدین — المستنصر امیر

ابو المظفر بهرام شاه — المومنین

بن السلطان — ضرب بحضرة دهلی فی سنة ثمان

ناصر امیر المومنین — وثلثین وستمائه

۲۳

السلطان الاعظم — فی عهد الامام

علاء الدنیا والدین ابو — المستنصر امیر

المظفر مسعود شاه — المومنین

بن السلطان — ضرب دهلی

۲۴

فی عهد الامام

المستعصم امیر

المومنین

ضرب سنة احدی واربعین وستمائه

۲۵

ہندی میں

سری شلیفه | سرلطان سری علاودین

۲۶

السلطان الاعظم — فی عهد الامام

ناصر الدنیا والدین — المستعصم امیر

ابو المظفر محمود بن السلطان — المومنین

ضرب هذه الفضة بحضرة دهلی فی سنة اربع وخمسین وستمائه

۲۷

السلطان الاعظم — فی عهد الامام

ناصر الدنیا والدین — المستعصم امیر

المظفر محمود بن السلطان — المومنین

خمسین

۲۸

السلطان الاعظم — الامام

غیاث الدنیا والدین — المستعصم امیر

ابو المظفر بلبن — المومنین

السلطان

ضرب هذه السکة بحضرة دهلی فی سنة ثمانین وستمائه

کتبہ، جامع مسجد گڑھ مکتیسر ضلع میرٹھ [29]

مبنی ھذہ العمارۃ فی عہد السلطنۃ (؟) السلطان الاعظم

شھنشاہ المعظم غیاث الدنیا والدین ابوالمظفر بلبن السلطان

ناصر امیرالمومنین... سنۃ اثنی وثمانین وستمایۃ

۳۰

السلطان الاعظم — الامام

معز الدنیا والدین — المستعصم امیر

ابوالمظفر کیقباد — المومنین

السلطان

ضرب ھذہ الفضۃ بحضرۃ دھلی فی سنۃ سبع وثمانین وستمائۃ

۳۱

السلطان الاعظم — الامام

جلال الدنیا والدین — المستعصم

ابوالمظفر فیروز شاہ — امیرالمومنین

السلطان

ضرب ھذہ الفضۃ بحضرۃ دھلی فی سنۃ احدی وتسعین وستمائۃ

۳۲

السلطان الاعظم — الامام

رکن الدنیا والدین ابو — المستعصم

المظفر کیکاؤس سلطان — امیرالمومنین

بن سلطان بن سلطان

ضرب ھذہ الفضۃ بحضرۃ لکھنوتی سنۃ خمس وتسعین وستمائۃ

۳۳

السلطان الاعظم — السلطان الاعظم

رکن الدنیا والدین — جلال الدنیا والدین

ابوالمظفر ابراہیم شاہ — فیروز شاہ ناصر

السلطان بن — امیرالمومنین

ضرب ھذہ الفضۃ بحضرۃ دھلی سنۃ خمس وتسعین وستمائۃ

۳۴

السلطان — سکندر الثانی

علاء الدنیا والدین — یمین الخلافۃ ناصر

ابوالمظفر محمد شاہ — امیرالمومنین

السلطان

ضرب ھذہ السکۃ بحضرۃ دھلی سنۃ تسع سبعمائۃ

۳۵

محراب قطب دہلی پر، مورخہ ۱۰ شوال ۷۱۰ھ

حضرت علیا خدایگان سلاطین مصطفی جاہ الصادع لامر اللہ

المخصوص بعنایات اکرم الاکرمین علاء الدنیا والدین غوث الاسلام والمسلمین

معز الملوک والسلاطین القایم بتائید الرحمان ابوالمظفر محمد شاہ

السلطان سکندر ثانی یمین الخلافۃ ناصر امیرالمومنین

خلد اللہ ملکہ بناء این خیرات سنت جماعت وعمارت فرمود

۳۶

الامام الاعظم — السلطان بن

خلیفۃ رب العالمین — السلطان الواثق

قطب الدنیا والدین — باللہ امیرالمومنین

ابوالمظفر مبارک شاہ

ضرب ھذہ السکۃ بقلعۃ قطب آباد فی سنۃ ثمان عشر وسبعمائۃ

۳۷

السلطان الاعظم — اسکندر الزمان

قطب الدنیا والدین — یمین الخلافۃ ناصر

ابوالمظفر مبارک شاہ — امیرالمومنین

السلطان بن السلطان

ضرب هذه الفضة بحضرة دهلی فی سنة سبع عشر و سبعمائة

۳۸

الامام الاعظم　السلطان ابن

خلیفة رب العلمین　السلطان الواثق

قطب الدنیا والدین　بالله امیر المومنین

ابو المظفر مبارکشاه

ضرب هذه السکة بحضرة دار الخلافة فی سنة ثمان عشر و سبعمائة

۳۹

الامام الاعظم　مبارکشاه السلطان

قطب الدنیا والدین　ابن السلطان الواثق

ابو المظفر خلیفة الله　بالله امیر المومنین

ضرب هذه الفضة بحضرة دار الخلافة فی سنة سبع عشر و سبعمائة

۴۰

السلطان الاعظم　خسروشاه السلطان

ناصر الدنیا والدین　الواثق بخیر الرحمن

ابو المظفر　ولی امیر المومنین

ضرب هذه الفضة .. عشرین و سبعمائة

۴۱

السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین　خسروشاه

السلطان ولی امیر المومنین

۴۲

السلطان الغازی غیاث　سکندر الثانی یمین الخلافة

الدنیا والدین ابو المظفر　ناصر امیر المومنین

۴۳

السلطان الغازی　تغلق شاه

غیاث الدنیا والدین　السلطان ناصر

ابو المظفر　امیر المومنین

ضرب هذه السکة بحضرة دهلی فی سنة احدی و عشرین و سبعمائة

۴۴

السلطان الغازی　تغلق شاه

غیاث الدنیا والدین　السلطان ناصر

ابو المظفر　امیر المومنین

ضرب هذه السکة بقلعة دیوگیر فی سنة احدی و عشرین سبعمائة

۴۵

السلطان الاعظم　الامام

شمس الدنیا والدین　المستعصم

ابو المظفر فیروزشاه السلطان　امیر المومنین

ضرب هذه الفضة بحضرت لکهنوتی سنة عشرین و سبعمائة

۴۶

الامام　السلطان الاعظم

المستعصم　شمس الدنیا والدین

امیر المومنین　ابو المظفر بغره شاه السلطان بن السلطان

ضرب هذا ر...

۴۷

الامام　السلطان الاعظم

المستعصم　غیاث الدنیا والدین

امیر المومنین　ابو المظفر بهادرشاه

ضرب هذه الفضة بحضرة لکهنوتی سنة احد عشر و سبعمائة

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں خلافت عباسیہ درہم برہم اور خلافت مصر

قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس عہد کے سکوں میں خلفاء اربعہ کے نام ملتے ہیں

۴۸

ابوبکر — لا اله الا

عمر — الجاهد فی — الله محمد — عثمان علی

سبیل الله — رسول الله

محمد بن تغلق شاه

۷۲۸ھ ضرب هذه السکة بدار الاسلام فی سنة سبع وعشرین وسبعمائة

ایک اور اسی سکہ کی کتبہ کا ۷۴۳ھ تک ملتا ہے جو بنگالہ میں ضرب ہوا تھا

۴۹

ضرب هذا الدینار فی زمان الامام المستکفی

الخلیفة الله علی فی شهور بالله امیر المومنین ابو الربیع

سنة احدی واربعین سبعمائة سلیمان خلد الله خلافته

۵۰

خلیفة الله — المستکفی بالله

فی شهور — سنة ۷۴۳

۵۱

الامام الاعظم خلیفة الله فی العالمین

المستکفی بالله امیر المومنین

ضرب هذه السکة دولت آباد سنة اربع واربعین سبعمائة

۵۲

فی زمان الامام — الله ابو

امیر المومنین — العباس احمد

الحاکم بامر — خلد ملکه

۵۳

خلیفة الله — المستکفی بالله

فی شهور — سنة ۷۴۲

۵۴

الله الکفی — والخلیفة المستکفی

فی شهور — سنة ۷۴۲

۵۵

الحاکم بامر الله — ابو العباس

سنة ۷۴۸ — احمد

سلاطین بنگاله

۵۶

السلطان الاعظم — یمین خلیفة الله

فخر الدنیا والدین
ابو المظفر مبارکشاه — ناصر امیر

السلطان — المومنین

ضرب هذه السکة بحضرة جلال سنارگانو سنة سبع وثلثین سبعمائة

۵۷

السلطان الاعظم — سکندر الزمان

علاء الدنیا والدین — المخصوص

ابو المظفر علی شاه — بعنایة الرحمن ناصر

السلطان — امیر المومنین

ضرب هذه الفضة السکة فی البلدة فیروزآباد سنة اثنی اربعین وسبعمائة

۵۸

السلطان الاعظم — یمین الخلافة

اختیار الدنیا والدین
ابو المظفر غازیشاه — ناصر امیر

السلطان بن السلطان — المومنین

ضرب هذه السکة بحضرة جلال سنارگانو سنة احدی وخمسین وسبعمائة

۵۹

واثق بتائید یزدانی فیروز سلطانی

ضربت هذه السکة فی زمان الامام ابو العباس الی مام ابو العباس احمد

خلدت ملکه،

۶۰

السلطان الاعظم فی زمن الامام

سیف امیر المومنین امیر المومنین ابو الفتح

ابو المظفر فیروز شاه

السلطانی خلدت ملکة خلدت خلافته

ضربت هذه السکة بحضر... ین وسبعائه

۶۱

۱. السلطان الاعظم سیف امیر المومنین ابو المظفر فیروز شاه السلطان خلد ملکه

۲. ضربت هذه السکة فی زمن الامام امیر المومنین ابی الفتح المعتضد بالله

خلد ملکه

۶۲

۱. السلطان الاعظم سیف امیر المومنین ابو المظفر فیروز شاه السلطانی

خلد ملکه

۲. فی زمن الامام امیر المومنین ابی عبد الله خلد خلافته

ضرب هذه ..

۶۳

فیروز شاه سلطانی

نائب امیر المومنین

۶۴

فیروز شاه سلطانی ضرب بحضرت دهلی

الخلیفة امیر المومنین خلد خلافته

۶۵

فیروز شاه سلطانی خلد ملکه

الخلیفة ابو الفتح خلدت خلافته

۶۶

الخلیفة ابو عبد الله خلدت خلافته ۷۸۴

۶۷

فیروز شاه سلطانی

ابو العباس احمد

۶۸

فیروز سلطانی

خلیفة ابو الفتح

۶۹

فیروز شاه

ابو عبد الله خلدت خلافته

۷۰

شاه فی زمن الامام

فتحخان فیروز امیر المومنین

خلد الله ظلاله ابو الفتح المعتضد بالله

وجلاله خلد خلافته

۷۱

السلطان الاعظم فی زمن الامام

فیروز شاه ظفر امیر المومنین

بن فیروز شاه ابو عبد الله

السلطانی خلدت خلافته

۷۲

فیروز شاه ظفر السلطانی ... دهلی

الخلیفة امیر المومنین خلدت خلافته

۷۳

فیروز شاه ظفر سلطانی ضربت بحضرة دهلی

الخلیفة ابو عبد الله خلدت خلافته ۷۹۱

۷۴

فیروزشاہ ظفر ابن فیروزشاہ — ابوعبد اللہ خلدت خلافتہ

۷۵

فیروز شاہ ظفر السلطان — الخلیفۃ ابوعبد اللہ خلد خلافتہ

۷۶

تغلق شاہ سلطانی ضربت بحضرۃ دہلی — نائب امیر المومنین ۷۹۰

۷۷

تغلق شاہ سلطانی — ابوعبد اللہ ۷۹

۷۸

ابوبکر شاہ بن ظفر بن فیروز شاہ سلطانی — الخلیفۃ ابو عبد اللہ خلدت خلافۃ ۷۹۱

۷۹

ابوبکر شاہ

ظفر بن فیروز شاہ سلطانی

نائب امیر المومنین ۷۹۲

۸۰

ابوبکر شاہ ظفر بن فیروز شاہ سلطانی — نائب امیر المومنین خلدت خلافتہ

۷۹۲

۸۱

محمد شاہ فیروز شاہ سلطانی

ابوعبد اللہ خلدت خلافتہ

ضربت بحضرۃ دہلی سنہ

۸۲

السلطان الاعظم ابوالحامد محمد شاہ فیروز شاہ سلطانی

فی زمن الامام امیر المومنین خلدت خلافتہ ۷۹۳

۸۳

سلطانی فیروز شاہ محمد شاہ — الخلیفۃ ابو عبد اللہ خلدت خلافتہ ۷۹۳

۸۴

محمد شاہ

ضربت بحضرۃ دہلی

نائب امیر المومنین ۷۹۳

۸۵

السلطان الاعظم ابوالمجاہد محمد شاہ فیروز شاہ سلطانی — فی زمن امیر المومنین خلدت خلافتہ ۸۱۸ ر ۹

۸۶

سکندر شاہ محمد شاہ سلطانی

الخلیفۃ ابوعبد اللہ خلدت خلافتہ

۸۷

السلطان الاعظم ابوالحامد محمود شاہ محمد شاہ فیروز شاہ سلطانی — فی زمن الامام امیر المومنین خلدت خلافتہ

۸۸
محمود شاہ محمد شاہ سلطانی
الخلیفۃ ابو عبد اللہ خلدت خلافتہ ۷۹۶

۸۹
محمود شاہ
سلطان ضربت بحضرۃ دھلی
نائب امیر المومنین ۸۱۳

۹۰
نصرت شاہ سلطانی
نائب امیر المومنین

۹۱
فی عہد السلطان الغازی المتوکل
علی الرحمان مبارک شاہ سلطان
فی زمن الامام امیر المومنین خلدت خلافتہ ۸۳۵

۹۲
مبارک شاہ
سلطان ضربت بحضرۃ دھلی
نائب امیر المومنین ۸۳۳

۹۳
السلطان ابو المحامد محمد شاہ فرید شاہ خضر شاہ سلطانی
فی زمن الامام امیر المومنین خلدت خلافتہ ۸۴۶

۹۴
سلطان محمد شاہ بن فرید شاہ بحضرت دہلی
الخلیفۃ امیر المومنین خلدت خلافتہ ۸۴۶

۹۵
سلطان عالم شاہ بن محمد شاہ بحضرۃ دہلی
الخلیفۃ امیر المومنین خلد خلافتہ ۸۵۳

۹۶
عالم شاہ
نائب امیر المومنین ۸۵۳

سلاطین مالوہ

۹۷
الخلیفۃ امیر المومنین خلد اللہ خلافتہ ۸۴۰
ابو المظفر محمود شاہ خلجی ضرب بحضرت شادیاباد

سلاطین گجرات

۹۸
المتوکل علی فی زمن
الرحمن بھلول امیر المومنین
شاہ سلطان خلدت خلافتہ
بحضرت دھلی

۹۹
بھلول شاہ سلطان بحضرت دھلی
الخلیفۃ امیر المومنین خلدت خلافتہ

۱۰۰
بھلول شاہ
السلطان
نائب امیر المومنین ۸۷۷

۱۰۱
المتوکل علی الرحمن فی زمن
سکندر شاہ امیر المومنین
بھلول شاہ سلطان خلدت خلافتہ
بحضرۃ دھلی ۹۰۲

۱۰۲
۹۰۵
المتوکل علی الرحمن سکندر شاہ بھلول شاہ
امیر المومنین خلدت خلافتہ

۱۰۳
المتوکل علی فی زمن
الرحمن ابراھیم شاہ امیر المومنین
سلطان خلدت خلافتہ

۱۰۴
ابراھیم شاہ سلطان
امیر المومنین خلدت خلافتہ

۱۰۵
ابراھیم شاہ سکندر
امیر المومنین خلدت خلافتہ ۹۲۶

۱۰۶
باربکشاہ جونپور نائب
سلطان امیر المومنین
بشہر جونپور
۸۹۲

اس آخری سلہ کے معنی سمجھئے "سلطان باربکشاہ، جونپور مین امیر المومنین کا نائب"

اسکے بعد تیموریوں کا عہد آتا ہی، بنی عثمان مین خلافت منتقل ہو جاتی ہی، تیموریوں اور عثمانی ترکون مین ایک خاندانی عداوت تیمور اور سلطان بایزید کے وقت سے چلی آتی تہی جسکے سبب سے وہ انکی اس عزت و افتخار کو تسلیم کرنا نہین چاہتے تھے چنانچہ اکبر نے خود خلافت و امامت کا دعوی کیا لیکن علما اور عام مسلمانون نے اس بدعت شعاری کی جس حد تک شہرت ہوئی اوسکی صدائین آج بھی ہندوستان کے در و دیوار سے آرہی ہین، چنانچہ حرمین شریفین کے اثر سے اونکے علی الرغم مساجد مین اور منبرون پر خلفائے بنی عثمان کے نام پڑھے گئے اور اب تک پڑھے جارہے ہین،

ف۱ مولنا ابو الکلام نے اپنے خطبۂ خلافت کلکتہ مین اسکے چند حوالے نقل کیے ہین،

قدیم اور جدید علم ہیئت

"سر ہنری جانسٹن نے جو انگلستان کے ایک مشہور آدمی ہین حال مین نیو سٹیٹسمین لندن مین اسلامی تہذیب و تمدن کے عنوان سے ایک مضمون طبع کرایا ہے، جس مین اونھون نے نہایت بیباکی کے ساتھ علمی، ادبی، مذہبی، تمدنی، تاریخی، غرض ہر حیثیت سے اسلام پر الزامات رکھے ہین، اسی سلسلہ مین وہ ایک مقام پر فرماتے ہین "آج عربی، ترکی، فارسی یا اُردو زبان مین علم حجرات ارضیہ، انسان قبل التاریخ، سائنٹفک جغرافیہ، علم ہیئت (نہ نجوم نہین) ...... پر کوئی رسالہ موجود ہے؟"، یہ مضمون اسی آخری ٹکڑے کا جواب ہے"

علم ہیئت ایک فطری اور طبعی علم ہے، اور اوسکے ساتھ ہر قوم نے اپنے زمانہ مین اعتنار کیا ہی اسلیے ہم آسانی کے خیال سے اوسکو تین دور مین تقسیم کرتے ہین،

قدمار| پہلا دور قدمار کا ہے، جس مین مصری، بابلی، ایرانی، ہندی، رومی، اور یونانی شامل ہین، ان مین سے مصری، بابلی، ہندی اور ایرانی علم ہیئت کا "امم قدیمہ کے علوم وفنون[1]" مین ذکر آچکا ہے، اسلیے اوس کا اعادہ غیر ضروری ہے، البتہ یونانی علم ہیئت پر ہم یہان تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین،

یونانیون نے علم ہیئت مین اگرچہ مصر، بابل، اور ایران سے بہت کچھ فائدہ اوٹھایا ہے، تاہم چونکہ ان قومون کا علم ہیئت نظریات اور رصد دونون حیثیت سے ناکمل تھا، اسلیے یونانیون نے

---

[1] یہ مضمون معارف مین شائع ہوچکا ہے،

اوسکو مکمل کردینا چاہا، چنانچہ بطلیموس نے قدیم علم ہئیت کے تمام مسائل کو براہین ہندسی سے ثابت کیا، اور اوسپر ایک مستقل کتاب لکھی، جسکا نام مجسطی ہے، مجسطی پہلی کتاب ہے جس مین علم ہئیت کے تمام اصول و فروع نہایت تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہین، علامہ جمال الدین قفطی اوسکی نسبت لکھتے ہین[1]،

ولا یعرف کتاب الف فی علم من العلوم	تمام قدیم و جدید علوم مین کوئی کتاب ایسی نہین
قدیمها وحدیثها فاشتمل علی جمیع	لکھی گئی جس نے ایک فن کی تمام جزئیات کا
ذلك العلم واحاط باجزاء ذلك الفن	احاطہ کرلیا ہو، بجز ان تین کتابون کے، ایک
غیر ثلثة کتب، احدها کتاب المجسطی	تو یہی مجسطی جو علم ہئیت اور نجوم پر ہے، دوسری
هذا فی علم هئیة الفلك وحرکات	ارسطو کی کتاب جو منطق مین ہے اور تیسری
النجوم، والثانی کتاب ارسطوطالیس	سیبویہ کی کتاب جو عربی علم نحو مین ہے،
فی علم صناعة المنطق، والثالث کتاب	
سیبویه البصری فی علم النحو العربی،	

اور محمد بن جابر بن سنان بتانی نے اپنی زیچ مین لکھا ہے[2] کہ

قد تقصی علم الفلك من وجوهه	اوس نے علم ہئیت کے تمام پہلوؤن کا احاطہ
ودل علی العلل والاسباب العارضة	کرلیا ہے، اور براہن ہندسی وعددی کے
فیه بالبرهان الهندسی والعددی	مدد سے ایسے اسباب وعلل بیان کیے ہین
الذی لا تدفع صحته ولا یشك	جن کی صحت سے انکار نہین کیا جاسکتا،
فی حقیقته.........	

---

[1] اخبار الحکماء، ص ۶۹، [2] اس زیچ کا نام الزیج الصابی ہے اور روما مین چھپ گئی ہے،

بہرحال مجسطی مین تیرہ مقالے ہین، پہلے مقالہ مین مقدمات ہین، مثلاً زمین و آسمان کروی ہین یا مثلاً زمین ساکن ہے وغیرہ وغیرہ، دوسرے مین اس امر کا بیان ہے کہ عرض بلد کے اختلاف کا دن کے طول اور قطب و مطالع کی بلندی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ تیسرے مین دکھایا ہے کہ آفتاب نقطۂ اعتدال اور نقطۂ انقلاب مین کب ہوتا ہے؟ سال شمسی کی کیا تعداد ہے؟ آفتاب کی معتدل اور مختلف حرکت کی کیا مقدار ہے؟ رات اور دن مین کیون فرق ہوتا ہے؟ چوتھے مین چاند کی حرکت اعتدالی کا بیان ہے، پانچوین مین چاند کی حرکت کا اختلاف اور اوسکا حساب بتلایا ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ وہ مختلف شکلون مین کیون نظر آتا ہے؟ چھٹے مین آفتاب و ماہتاب کے اجتماع اور کسوف کا بیان ہے، ساتوین مین ثوابت اور اونکی شکلون کا تذکرہ ہے، آٹھوین مین ثوابت کی فہرست اور اونکے طول و عرض کی تفصیل ہے، نوین، دسوین، اور گیارہوین مین کواکب خمسۂ متحیرہ کی اوس حرکت کا بیان ہے جو طول مین ہوتی ہے، بارہوین مین ان ستارون کی واپسی، سکون اور مقابلہ کا ذکر ہے، اور تیرہوین مین اونکے عرض، اور ظہور و خفاء کی تشریح کی گئی ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ بطلیموس کے نزدیک علم ہیئت کی دو قسمین ہین، ایک ہیئۃ الافلاک اور دوسرے احکام نجوم، (یعنے ستارون کو دیکھکر آیندہ واقعات کی نسبت پیشینگوئی کرنا) اور یہی تمام اہل یونان کا مذہب ہی[1]

عرب اہل عرب نے انہین کتابون پر دسترس حاصل کی تھی اسلیے اونکے ہان بھی علم ہیئت کی ابتداءً دو قسمین رہین، لیکن چونکہ اس فن کا تمامتر دار مدار (۱) نظریات پر عبور، اور (۲) رصد کی صحت پر ہے، اسلئے جیسا کہ بطلیموس نے لکھا ہے،

---

[1] علم الفلک ۔۔۔ بطلیموس

انہ قد یجوز ان یستدرک علیہ فی ارصادہ علیٰ طول الزمان کما استدرک ہو علیٰ ابرخس وغیرہ من نظرائہ لجلالۃ الصناعۃ ولانھا سمائیۃ جسیمۃ لاتدرک الا بالتقریب (زیج بتانی)	یہ بہت ممکن ہے کہ جسطرح اوسنے ابرخس وغیرہ کی رصد پر اضافہ کیا تھا، ایک طویل زمانہ کے بعد خود اوسکی رصد پر بھی اضافہ ہوسکے کیونکہ یہ فن نہایت عظیم الشان ہے، اور آسمانی ہونے کی وجہ سے صرف ظن وتخمین سے معلوم ہوتا ہے،

اونہون نے اس فن مین بہت جلد ترقی کرلی،

بہرحال اہلِ عرب نے ہیئت کی ابتداءً دو قسمین کین، چنانچہ فارابی نے لکھا ہے[1]،

"علمِ نجوم دو قسمون پر مشتمل ہے، ایک مستقبل پر ستارون کی دلالت کرنے کا علم، دوسرے علم تعلیمی..... علمِ نجوم تعلیمی مین اجرامِ سماوی، اور زمین سے تین طریقہ پر بحث کیجاتی ہے، (۱) ان اجرام کی تعداد، شکل، ہیئت اور ترتیب کیا ہے؟ اون کا زمین سے کتنا فاصلہ ہے؟ زمین ساکن ہے، وہ نہ محوری حرکت کرتی ہے اور نہ دَوری (۲) اجرام سماوی کی حرکت، اوسکی مقدار، اوسکا استداری ہونا اُسکا تمام کواکب مین عام ہونا اور بعض کواکب مین خاص طور پر پایا جانا، اور اوسکے نتائج یعنے آفتاب وماہتاب کا اجتماع، استقبال، اور کسوف وغیرہ، (۳) زمین کے آباد اور ویران مقامات، اوسکی تقسیم، مقامات کے حالات، اوسکی حرکتِ یومیہ سے مطالع ومغارب کا اختلاف، اور رات دن کے طول کا سبب، وغیرہ وغیرہ"

[1] فارابی نے علوم وفنون پر ایک کتاب لکھی تھی جو اب ناپید ہوگئی ہے، لیکن اوسکا لاطینی ترجمہ جو جیرڈ وکریمونا کا کیا ہوا ہے اب تک موجود ہے، یہ عبارت اوسی سے عربی مین ترجمہ ہوئی ہے، اور ہمنے عربی سے اوسکو اردو مین منتقل کیا ہے،

ان تین طریقون کے علاوہ ایک چوتھا طریقہ محمد بن ابراہیم انصاری اکفانی نے بیان کیا ہو اور وہ حسب ذیل ہو،

"ستارون کی تعداد، اونکے بُعد، اور اونکے افلاک کی پیمائش"،[1]

یہ قسم اگرچہ فارابی کی پہلی قسم مین آجاتی ہے، تاہم اکفانی نے اوسکو ایک مستقل قسم شمار کیا ہے، اور اسطرح اوسکے نزدیک علم ہئیت کی حسب ذیل پانچ شاخین ہوگئی ہین،

(۱) علم الزیجات والتقاویم: یہ آجکل کے علم ہئیت علمی کے حسابی حصہ کا قائم مقام ہو،

(۲) علم المواقیت: یہ علم ہئیت کروی، اور علم ہئیت علمی کے رصدی حصہ کی اوس شاخ کا قائم مقام ہے جس مین زمانہ کا تخمینہ کیا جاتا ہے،

(۳) علم کیفیۃ الارصاد: یہ علم ہئیت علمی کے رصدی حصہ کی بقیہ شاخون کا قائم مقام ہے، اور اسکا نام ابن رشد نے صناعۃ النجوم التجریبیہ رکھا ہے[2]،

(۴) علم تسطیح الکرۃ والآلات الشعاعیۃ:
(۵) علم الآلات الظلیہ:
} یہ دونون بھی علم ہئیت علمی کی رصدی شاخ کے قائم مقام ہین،

لیکن درحقیقت یہ پانچون قسم موجودہ علم ہئیت کی صرف دو شاخون (یعنی علم ہئیت کروی اور علم ہئیت علمی) مین آجاتی ہین، اسلیے ہمکو ابھی اس فن کے اور اقسام کا بھی پتہ لگانا چاہیے، اخوان الصفا مین ہو کہ

"علم نجوم کی تین قسمین ہین، (۱) افلاک کی ترکیب، ستارون کی تعداد، بروج کے اقسام اور ان چیزون کے بُعد، جسامت، اور حرکت وغیرہ کا جاننا، (۲) زیج کا حل، تقویم بنانا، اور تاریخ نکالنا وغیرہ، (۳) آسمان کی حرکت، بروج کے طالع، اور ستارون کی گردش سے

[1] علم الفلک بحوالہ ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد ص ۹۴ تا ۱۰۰، [2] کتاب مابعد الطبیعۃ ص ۸۳،

کائنات کے متعلق استدلال کرنا،،

ان تین قسمون مین پہلی قسم آج کل کے علم نظری اور دوسری قسم علم عملی کے مرادف ہے، اور تیسری قسم جو احکامِ نجوم کے نام سے موسوم ہے، آج کل بالکل لغو سمجھی جاتی ہے لیکن قانون مسعودی مین علمِ ہیئتِ نظری کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اوس کے عنوانات حسب ذیل ہین،

۱- قوانینِ علم ہیئت،

۲- علم تواریخ ریاضی،

۳- حسابِ مثلثات، (خصوصًا مثلثاتِ کردیہ کا حساب)

۴- کرۂ آسمان کے دائرے، اور اونکے احداثیات[1]، اونکے سبب سے زمین کے گرد شہرون یا فلکِ مستقیم مین جو بروج کے مطالع پیدا ہوتے ہین، مشرق ومغرب کی وسعت، مختلف ممالک مین آفتاب کی بلندی، اور عرضِ بلد کا مقیاس کے سایہ سے معلوم کرنا وغیرہ وغیرہ،

۵- زمین کی شکل، اوسکا بُعد، طولِ بلد کی درستی، ایسے دُو شہرون کے درمیان کی مسافت دریافت کرنا جن کا طول وعرض معلوم ہو، قبلہ کی سمت، (غرض وہ تمام مسائل جو جغرافی طول و عرض سے متعلق ہین) زمین کا اقلیمون پر تقسیم کرنا، وغیرہ وغیرہ،

۶- آفتاب کی حرکت کو ہندسی اشکال مین بیان کرنا،

۷- ماہتاب کی حرکت کو شکلِ ہندسی مین بیان کرنا، اور یہ دکھلانا کہ چاند بلندی، اور عرض و طول مین کیون مختلف دکھائی دیتا ہے؟

۸- آفتاب و ماہتاب کا اتصال، کسوف، اور رویتِ ہلال کا حساب،

[1] رسائل اخوان الصفا ص ۵۶- ج ۱ ؁ یہ ریاضی کی ایک جدید اصطلاح ہے جسکو فرانسیسی زبان مین COORDONNEES کہتے ہین،

۹- ثوابت اور اون مین چاند کے منازل،

۱۰- کواکبِ خمسۂ متحیرہ کی طول و عرض مین حرکت، اوسکا اشکالِ ہندسی مین بیان، ان ستارونکے مقامات، واپسی، زمین سے بُعد، جسامت، ظہور، خفار، اور اونکا ایک دوسرے کو حائل ہونا۔

۱۱- حساب مثلثاتِ کرویہ، اور علم ہیئتِ کروی کے چند ایسے مسائل جنکی نجومیون کو ضرورت پڑتی ہے،

اسطرح موجودہ علم ہیئت کی تین قسمون یعنے علمِ کروی، علم نظری، اور علمِ عملی کا عربی کی علمِ ہیئت مین پتہ چلتا ہے،

لیکن ان اقسام کے علاوہ ایک قسم اَور بھی ہے، جو اگرچہ اہلِ عرب کے نزدیک ہیئت مین داخل نہ تھی، تاہم آج کل داخل سمجھی جاتی ہے، یہ قسم علمِ میکانکِ فلکی ہے، جو عربی کتابون مین علم السماء والعالم کے نام سے مشہور[1] ہے، اس کا موضوع جیسا کہ اخوان الصفا مین لکھا ہی یہ[2] ہے،

"افلاک و کواکب کی حقیقت، اونکی تعداد، اونکی ترکیب کی کیفیت، اور اونکی حرکت کی علت دریافت کرنا، اور یہ معلوم کرنا کہ آیا وہ کون و فساد کو قبول کر سکتے ہین یا نہین؟ نیز ستارون کی حرکت تیز اور سست کیون ہوتی ہے؟ افلاک کی حرکت کا کیا سبب ہے؟ زمین کیون ساکن ہے؟ کیا اس عالم کے علاوہ کوئی عالم اور بھی ہے؟ اور کیا اوسمین آبادی ہے؟ وغیرہ وغیرہ"

چونکہ اہل عرب کے نزدیک یہ مباحث علمِ طبیعی مین داخل[3] تھے، اسلیے وہ علمِ ہیئت مین اونکا ذکر نہین کرتے، کیونکہ جیسا کہ ابن رشد نے لکھا ہی علمِ ہیئت کے اکثر مسائل تعالیمی یعنے ریاضی سے متعلق ہین، اسی[4] طرح علمِ احکام النجوم بھی چونکہ اونکے نزدیک طبیعیات کے سلسلہ مین داخل تھا

[1] شرح چغمینی، [2] رسائل اخوان الصفا ص ۲۱ ج ۱، [3] حاشیہ شرح چغمینی للبرجندی، [4] کتاب مابعد الطبیعۃ ص ۶۵،

اسلیے وہ اوسکو بھی علمِ ہئیت سے خارج سمجھتے تھے[۱] اور یہ بعینہ ارسطو کی راے ہی،

اور اس خیال کی وجہ صاف ظاہر ہے، علمِ طبیعی اور ریاضی کے موضوع مین بڑا فرق ہوتا ہی ایک طبیعی ہمیشہ علّت کی جستجو کرتا ہے، بخلاف اسکے ایک نجومی کو جو در اصل ریاضی دان ہوتا ہی، صرف ظاہری کیفیت سے بحث ہوتی ہے، مثلاً اگر آسمان کے کروی ہونے پر بحث کیجاے تو ایک طبیعی کہے گا کہ چونکہ وہ ایک ایسا جسم ہے جو نہ ہلکا ہے نہ بھاری اسلیے کروی ہے، بخلاف اسکے نجومی یہ بیان کرے گا کہ چونکہ مرکز سے محیطِ دائرہ تک جو خطوط نکلے ہین وہ مساوی ہین اسلیے آسمان کروی ہے، دیکھو! دونون کے طرزِ استدلال مین کتنا فرق ہے؟ طبیعی ہر چیز کی مادی اور اصلی عِلّت دریافت کرتا ہی، بخلاف اسکے نجومی کو غیر مادی علل واسباب سے غرض ہوتی ہے اس بنا پر اگر اہلِ عرب نے اس قسم کو علمِ ہئیت سے علٰحدہ رکھا تو چندان مستبعد نہین،

غرض اس تمام تفصیل سے ثابت ہوا کہ اہلِ عرب کے نزدیک خالص علمِ ہئیت کی صرف تین قسمین تہین،

(۱) علمِ ہیئتِ کروی،

(۲) علمِ ہیئت عملی،

(۳) علمِ ہئیتِ نظری، لیکن اس مین کسوف، سیّارون کا ایک دوسرے کو حائل ہونا، تاریخِ ریاضی اور علم طولِ بلد وعرضِ بلد سے بحث ہوتی تھی، حرکاتِ کواکب کی ماہیت سے بحث کرنا اسکے موضوع سے خارج تھا،

---

[۱] علم الفلک بحوالۂ اتحاف السادۃ شرحِ احیاء العلوم ص ۲۰۸ ج ۱، [۲] یہ فلاسفۂ عرب کا خیال ہے، لیکن علماءِ فلک احکام النجوم کو بھی علم نجوم کی ایک شاخ سمجھتے ہین اسلیے اونکے نزدیک وہ ریاضیات کے سلسلہ مین داخل ہوگا،

اور چوتھی قسم یعنے علمِ میکانکِ فلکی طبیعیات مین داخل تھی، اسلیے اگر ہمکو یہ معلوم کرنا ہو کہ اہلِ عرب آسمان مین حرکتِ غیر استداری کو کیون ناممکن سمجھتے تھے؟ یا اونکے نزدیک حرکتِ آسمانی کا مبدء کیا تھا؟ یا افلاک وکواکب کی کیا طبیعت ہی؟ اور وہ کروی کیون ہین؟ تو اسکو کتبِ ہئیت کے بجاے کتبِ حکمت، کلام، اور الٰہیات مین تلاش کرنا چاہیے[1]،

یورپ | بخلاف اسکے اہلِ یورپ کے نزدیک یہ تمام مباحث بھی علمِ ہئیت سے متعلق ہین، اس لیے اونکے ہان اس فن کی چار قسمین ہو گئی ہین،

(۱) علمِ ہئیتِ کروی: اس مین کواکب کی حالت اور اونکی یومیہ اور سالانہ حرکت سے بحث، زمانہ کی تعیین، اور آسمان وزمین کے مواقع کی تشخیص ہوتی ہی،

(۲) علمِ ہئیتِ نظری: اس مین فضا کی مرئی حرکت سے حقیقی حرکت کا پتہ لگایا جاتا ہے، اجرامِ سماوی کے مقامات کی تقویم بنائی جاتی ہے، کسوف آفتاب وماہتاب کا اجتماع، اور ایک ستارے کا دوسرے کو حائل ہونا معلوم ہوتا ہی، اور کسی حد تک زمین کی کی جسامت اور اُسکے بعد سے بھی بحث کیجاتی ہے، یہ علم کیپلر کے قوانینِ ثلاثہ پر مبنی ہی

(۳) علمِ ہئیتِ عملی: اسکے دو حصے ہین، (۱) رصدی، جس مین نظریۂ آلاتِ رصدیہ، رصد کی کیفیت اور زمانہ کا تخمینہ کرنا شامل ہے، (۲) حسابی، جسمین زیج اور تقویم کے حسابات شامل ہین،

(۴) علمِ میکانکِ فلکی: اس مین حسبِ ذیل مسائل ہین، حرکتِ حقیقی کی کیا علت ہی؟ قوتِ جاذبہ اور دافعہ جو تمام اجسام مین موثر ہے کیا ہی؟ یعنی حرکت کا کیا قانون ہی؟

---

[1] مثلاً عیون المسائل فارابی، رسائلِ اخوان الصفا، اشارات بو علی سینا مع شروح طوسی ورازی، تہافۃ الفلاسفہ غزالی، مابعد الطبیعۃ ابن رشد، تفسیر کبیر امام رازی، محصل رازی مع تلخیص طوسی، حکمۃ العین کاتبی، شرح ہدایۃ الحکمۃ صدر الدین شیرازی، تجرید العقائد طوسی، طوالع الانوار بیضاوی، مواقف عضد الدین ایجی وغیرہ،

ثقل کی کیا تاثیر ہے؟ جاذبیت کیا چیز ہے؟ اوس کا افلاک، ذوات الاذناب،
(دُمدار ستارے) زمین، اور دیگر سیارون کی ہیئت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ان کرونکی
سطح پر کتنا ثقل ہے؟ اور اونکی حرکت کا محور کیون بدلتا رہتا ہے؟

لیکن ان اقسام کے علاوہ یورپ نے علم ہیئت کی ایک قسم اَور ایجاد کی ہے، جسکا نام
علم طبیعۃ الاجرام الفلکیۃ ہے، اسکی ایجاد صرف ایک آلہ کی وجہ سے ہوئی ہے، جسکو سپکٹر سکوپ
کہتے ہین، اس سے اجرام فلکی کی ترکیب طبیعی و کیمیاوی معلوم ہوتی ہے[1]،

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ یورپ نے ہیئت مین صرف ایک قسم کا اضافہ کیا ہے،
اور وہ علم طبیعۃ الاجرام الفلکیۃ ہے،

سعید انصاری
رفیق دار المصنفین، اعظم گڈھ

[1] علم الفلک ص ۲۰، ۲۱، ۲۲،

منتخبات

جرمنی
اور
علوم وفنون

برلن سے فارسی زبان مین کاوہ کے نام سے ایک فارسی اخبار نکلتا تھا، تقی زادہ ایک ایرانی سیاسی اہل قلم اسکا ایڈیٹر تھا، دوران جنگ مین یہ اخبار سیاسی تھا، جنگ کے اختتام کے بعد یہ ایک علمی پرچہ ہوگیا، اب سُنا کہ وہ بند ہوگیا، ۲۲ جون ۱۹۲۰ء کے پرچہ مین جرمنی کے مدرسون اور کتبخانون پر ایک مضمون شایع ہوا تھا، جسکا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے،

مدارس | جرمن نظام تعلیم نے موجودہ زمانہ مین جو وسعت حاصل کی ہے، اُس نے جرمنی کے علمی سطح کو تمام دنیا مین بلند کردیا ہے، اور وہ تعلیمی حیثیت سے سب سے زیادہ متمدن سلطنت سمجھی جاتی ہے، جرمنی کی علمی ترقیون کا آخری دور پروفیسر لیپٹالوزی[1] کا رہین منت ہے، جس نے تیرہوین صدی ہجری کے اوائل مین قدیم نظام تعلیم کو بدل کر ایک جدید نظام مرتب کیا جو موجودہ دور تجدید و اصلاح کا سنگ بنیاد قرار دیا گیا ہے،

جرمنی مین تعلیم جبری ہے اور آٹھہ سال تک بچون کو تعلیم دلانا والدین کے فرائض مین داخل کردیا گیا ہے، اس بنا پر چھہ برس کے سن سے چودہ برس کے سن تک ہر شخص

[1] ولادت ۱۱۶۵ھ، وفات ۱۲۴۳ھ،

(خواہ عورت ہو یا مرد) اس دائرہ مین مقید رکھا جاتا ہے، اور جو بچہ ان بیڑیون کو کاٹکر آگے بڑہنا چاہتا ہے اُسکو پولیس قانوناً مجبور کر کے پیچھے ہٹا دیتی ہے،

جبری تعلیم کا قانون فریڈرک ولیم اول کے عہد مین ۱۷۱۳ء مین پاس ہوا تھا، اُس وقت سے لیکر آج تک ہر شخص اس قانون کے آگے سر جھکا رہا ہے، اور اسطرح جو لوگ اسکے موافق نہین ہین اُنکو بھی چار و ناچار اُسکو ماننا پڑتا ہے،

۱۹۱۰ء مین سلطنت کی کل آبادی مین ۱۳۱ جاہل پیدا ہوے، جنکا اوسط ۱۰ ہزار سپاہیون مین ایک نکلتا ہے،

جرمنی کے تمام آبادی مین ہر شہر، ہر قصبہ، بلکہ ہر قریہ تک ایک بیت العلوم ہوتا ہی جسمین مکتب، دار المطالعہ اور اخبارات بکثرت ہوتے ہین، ۱۹۰۵ء مین اس سلطنت مین ۵۹۳۰۰ مکتب تھے، جسمین ۸۶۶۰۰۰۰ لڑکے تعلیم پاتے اور ۱۳۷۵۰۰ اساتذہ درس دیتے تھے، اسی سال ۱۱۳ ٹرینینگ اسکول (ابتدائی استادون کے لئے) ۴۷ ۲ مردانہ اور ۴۰ زنانہ ٹرینینگ کالج قائم ہوے، مکاتب جنکا نصاب کم از کم آٹھ سال مین ختم ہوتا ہے، عموماً مفت اور بلا فیس ہین، اور ان پر ۱۴۲ ملین مارک صرف ہوتا ہے، جسمین سے ۹۸ ملین سلطنت اور بقیہ مینوسپلٹی کی طرف سے ملتا ہے، ان مدارس کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے مدارس اور کالج قائم ہین، چنانچہ ۱۹۲۰ء کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی تعداد ۱۲۵۰ سے زاید ہے،

جرمنی مین فلاحی، معماری اور صنعت و حرفت کے بہت سے مدارس ہین، معدنیات کے ۱۴ مدرسے ہین جسمین سے دس پروشیا اور بقیہ دیگر مقامات مین واقع ہین، تجارتی مدارس انکے علاوہ ہین، اُن مین سب سے بڑے کالج لیپزگ، آخن، ہمبرگ، فرانکفرٹ

کولن اور برلن مین واقع ہین، ۵۴ چھوٹے اور ۱۸۱ ابتدائی تجارتی مدارس بھی موجود ہین، لیپزگ مین ایک مدرسہ ہے جسمین کتبخانہ کی ترتیب اور اسکے نظم و نسق کا طریقہ بتلایا جاتا ہے، اسی طرح فوجی، بحری، اور جنگی اکاڈیمیان بھی ہین، موسیقی اور بیطاری کے بھی بڑے بڑے کالج قائم ہین، جنمین ہمنسٹیس، البرفلڈ، مولہائم اور کرفلڈ کو خاص اہمیت حاصل ہے، جرمنی کے دوسرے صوبہ جات مین ورزش خانے، عجائب خانے، مطالعہ خانے اور جانور باغ بکثرت ہین، جنکو عوام کی اصلاح و تربیت مین بہت زیادہ دخل ہوتا ہے، اندھون، گونگون اور بہرون کی تعلیم کے لئے جو مدارس ہین انکا شمار اس سے علحدہ ہے،

جرمنی مین ۲۲ یونیورسٹیان ہین جنمین سنہ ۱۳۲۰ کی رپورٹ کے مطابق ۳۶۶۰۵ لڑکے تعلیم پاتے ہین، ۸۶۲۷ مرد اور ۱۲۷۱ عورتین جو صرف لکچرون کی سماعت مین شریک ہتین اور درج رجسٹر نہین ہین انکے علاوہ ہین،

جرمنی کی سب سے قدیم یونیورسٹی ہائیڈلبرگ مین ہے جو سنہ ۱۳۸۶ مین قائم ہوئی، اور سب سے اخیر اسٹراسبرگ یونیورسٹی ہے جسکا سنہ ۱۲۹۰ مین سنگ بنیاد رکھا گیا،

جرمن یونیورسٹیون مین چار موضوع پر لکچر دیا جاتا ہے،

(۱) علم کلام یا فلسفہ الٰہیات

(۲) قانون

(۳) ڈاکٹری

(۴) فلسفہ

ان مین سب سے زیادہ اہمیت فلسفہ کو حاصل ہے، لیکن بعض یونیورسٹیون مین اور علوم کو بھی اہمیت دیجاتی ہے، مثلاً بون اور برسلا یونیورسٹی مین چار موضوع کے

بجاے پانچ مقرر کئے گئے ہین، اور فلسفہ الٰہیات کو دو حصون پر منقسم کر دیا ہے اکیونکہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے فلسفہ الٰہیات مین بہت زیادہ تباین، تناقض اور تضاد پایا جاتا ہے میونخ یونیورسٹی مین بھی پانچ موضوع رکھے گئے ہین جنمین ایک پالیٹکس بھی ہے، اور ورٹسبرگ یونیورسٹی مین سیاست کے بجاے علوم طبیعہ پڑہاے جاتے ہین،

برلن یونیورسٹی سے بھی جو فریڈرک ولیم اول کی قائم کی ہوئی ہے، تقریباً ۵۵۵۷ طلبہ سالانہ صنعت وحرفت کی سند حاصل کرتے ہین، ۱۹۲۱ء مین برلن یونیورسٹی مین طلبہ کی حسب ذیل تعداد تھی،

الٰہیات	۳۶۶	قانون	۲۹۲۸
ڈاکٹری	۱۲۱۹	فلسفہ	۳۰۷۸

اور سامعین کی تعداد جنمین ۲۵۵ عورتین بھی تہین ۶۰۴۵ تھی، جنکو ۴۲۰ اساتذہ درس دیتے تھے، برلن کی علمی یادگارون مین کتبخانۂ شاہی خاص طور پر مشہور ہے، جو ۱۶۶۱ء مین قائم ہوا، اسمین دو کرور مختلف کتابین، ۳۰۰۰۰ قلمی، اور ۸۰ ہزار اٹلس اور جغرافی نقشے وغیرہ، اور ۶۰۰۰۹ موسیقی کی کتابین اور رسالے تھے، اس کتبخانہ مین سب سے نادر کتاب تورات کا وہ نسخہ ہے جو لوتھر کے پاس رہتا تہا، اور جسپر اسکے ہاتہ کے حواشی لکھے ہوئے ہین، یہ نسخہ عبرانی زبان مین ہے ایک نسخہ انجیل کا بھی ہے جو دوسری صدی ہجری مین ودیکند[1] نے لکھا تہا،

برلن کے مشہور کتبخانون مین یونیورسٹی کا کتبخانہ ہے جسمین ۲۱۵۰۰۰ کتابین ہین ایک مردم شماری کتبخانہ پروشیا کا ہے جسمین ۱۴۰۰۰۰ جلدین ہین، اسکے علاوہ اکاڈیمی کا کتبخانہ، کتبخانہ

---

[1] یہ ایک مشہور جرمن جنگ آور تہا جس نے شارلمان سے شکست کہا کر دین مسیحی اختیار کیا،

مجلس قومی، کتبخانۂ جماعت عالیۂ نظامیہ، کتبخانۂ بلدیہ، کتبخانہ انجمن اخلاق زیادہ مشہور ہین،
ان کتبخانون مین سالانہ تقریباً ۱۰۰۰۰۰ ناظرین آتے ہین اور ۶۰۰۰۰ اشخاص کو کتابین
مستعار دیجاتی ہین، قومی کتبخانون مین جنکی تعداد ۷۰ ہے، ۶ کرور سے زیادہ کتابین محفوظ
ہین، اور جیسا کہ ۱۹۱۳ء کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے ۱۱۰۰۰۰ اشخاص اُنکے مطالعہ کیلئے
آئے اور چار کرور سے زاید کتابین مستعار دی گئین،

برلن کی علمی عمارات مین قومی رصدخانہ کو بھی خاص طور پر شہرت حاصل ہے جسکے ذریعہ سے
ابتک پانچ بالکل جدید ستارے دریافت ہوے ہین، جنمین ایک پنچون بھی ہے، نیز اسی
رصدخانہ سے ۱۳۱ دمدار ستارون کا بھی اکتشاف ہوا ہے،

جرمنی مین اشاعت علوم وفنون کا سب سے بڑا محرک پریس کا وجود ہے، جس نے
نہایت کثرت سے نادر کتابین چھاپ دی ہین، چنانچہ اسکا اندازہ حسب ذیل نقشہ سے ہوگا،

سنہ ۹۷۰ھ	۲۹۹	جلد
سنہ ۱۰۰۰ھ	۷۹۱	"
سنہ ۱۱۱۲ھ	۹۵۱	"
سنہ ۱۲۱۵ھ	۳۳۳۵	"
سنہ ۱۳۲۰ھ	۲۶۹۰۲	"

لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز اہل جرمنی کا ذوق کتب بینی ہے، چنانچہ
شہر جنا کے مطالعہ خانہ کے مہتمم نے جو اعداد وشمار شایع کئے ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے
کہ جرمن کتبخانون مین کتابون کی کتنی تعداد ہے اور ان کا اوسط ناظرین کے لحاظ سے
کیا نکلتا ہے؟ اور وہ حسب ذیل ہے،

نام شہر	فی سوآدمی	جلد کتاب
برمشد	"	۲۷
بریمن	"	۴۶
ہمبرگ	"	۵۰
لیوبک	"	۵۳
فرانکفرٹ	"	۸۳
ادسنابرگ	"	۱۰۰
ڈارمشاڈہ	"	۱۰۴
دساؤ	"	۱۳۵
بارمن	"	۱۶۶
جنا	"	۳۴۷

یہ پبلک کتبخانون کی رپورٹ ہے، لیکن انکے علاوہ جرمنی مین اور بھی بڑے بڑے کتبخانے قائم ہین، جنکا اس رپورٹ مین ذکر نہین ہے، اسلئے اُنکے ناظرین اور کتابون کی تعداد کا موازنہ نہین کیا جاسکتا،

ان کتب خانون کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان سے عوام نہایت کثرت کے ساتھ مستفید ہوتے ہین اور اسلئے اُن سے تمدن کا ایک بڑا مقصد حاصل ہوتا ہے، کیونکہ بقول ڈاکٹر ہرمان ڈیلس

"تمدن جدید کی اشاعت اور صنعت وحرفت کی تکمیل کے لئے نہایت ضروری ہو کہ علوم وفنون کو یونیورسٹیون کے احاطہ کے اندر مقید نہ کیا جاے بلکہ اسکے بجاے اُنکو

الماریون اور کوٹھریون سے باہر نکال کر منظر عام پر لایا جاے تاکہ اس سے مزدور اور کاریگر بھی متتمع ہون، کیونکہ تمدن جدید نے ان فرقون کو بھی تحصیل علوم پر مجبور کردیا ہے۔"

اور چونکہ یہ بارہا مشاہدہ مین آچکا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ عموماً پست طبقون سے پیدا ہوتے ہین، اسلئے کوئی وجہ نہین کہ ان طبقون کو علوم وفنون کی روشنی سے محروم رکھا جاے، کیونکہ وہ قابلیت اور استعداد جو اُن مین فطری طور پر مخفی ہے اس روشنی سے دفعتہً چمک اُٹھیگی،

اہل جرمنی کی اصلاح تربیت کا نہایت موثر ذریعہ اخبارات ورسائل ہین، جو ملک کے مختلف صوبون سے نہایت کثرت کے ساتھ شایع ہوتے ہین، چنانچہ ۱۳۲۰ھ مین فقط برلن سے ۱۱۰۰ سے زاید اخبارات نکلتے تھے، اسکی وجہ یہ ہے کہ جرمنون کا ہر طبقہ اخبار بینی کا عادی ہے، اور اسلئے مضمون نگارون کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے جو صرف افکار کی اصلاح وتربیت، اور اخلاق کی تہذیب وتکمیل کو اپنا فرض سمجھتا ہے، اس بنا پر اسکے مضامین ہمیشہ طبی، علمی، یا اخلاقی ہوتے ہین، جنکے مفید ہونے مین کسی کو کلام نہین ہو سکتا، گیٹے نے اسی قسم کے اخبارات کے متعلق کہا ہے کہ وہ "معلومات کا مخزن ہوتے ہین"

امنِ عالم

فروری کے معارف مین فرنچ فلسفی پال رچرڈ کی کتاب پیام امن کا خلاصہ درج کیا گیا تہا، ذیل مین اصل کتاب کے بعض حصون کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے، پوری کتاب اردو مین اشاعت کے لئے تیار ہے۔ (عبدالماجد)

مدتون سے انسان کو اسکا احساس ہے کہ نظام کائنات کے اس ادنی ترین جزو کرۂ ارض پر حیات چندروزہ پاکر آپس مین لڑنا جھگڑنا، سعی و اہتمام کے ساتھ تفریق اور تفریق ور تفریق قائم کرنا، اور بجاے باہمی خلوص و معاونت کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے کے اجل کی دستبرد مین معین ہونا کسقدر حماقت بلکہ جنون ہے،

مدتون سے وہ اس جنون کے ازالہ، اس مرض کے دفعیہ کی فکر مین ہے لیکن ابتک کامیابی نہین ہوئی، یہ آخر کیون ؟

حکما نے برکات صلح بیان کئے، انبیاء نے پیام امن کی منادی کی تاہم دنیا ابھی تک انکی آمد کا انتظار کر رہی ہے، اسکی کہلی ہوئی وجہ یہ ہے کہ امن کوئی ایسی شے نہین جو من و سلوی کی طرح آسمان سے نزول کرے، بلکہ انسان کے احساس انسانیت کا نتیجہ ہے اور انسانیت کے احساس سے اسوقت تک قلوب انسانی ناآشنا ہین،

بڑی بڑی سلطنتون نے ہمت کی کہ دنیا مین امن قائم کر دیا جاے، بڑے بڑے فاتحون نے منصوبہ باندہا کہ اپنے زور و قوت سے دنیا مین امن قائم کر کے رہین گے، لیکن ان ہمتون کو

زرہ آہنی کے بارنے توڑ توڑ دیا، اور یہ خواب ہمیشہ جھوٹے نکلے، اسلئے کہ امن کا جنگ سے اور نرمی کا سختی سے پیدا ہونا محال ہے، یہ ناممکن ہے کہ جنگ سے صلح پیدا ہوسکے،

آج پھر قومون مین یہی پرانا منصوبہ تازہ ہورہا ہے وہ یہ سمجھتی ہین کہ یہ جنگ آیندہ جنگون کا خاتمہ کردیگی، اور عسکریت کی یہ طاقت ہمیشہ کے لئے عسکریت کا زور توڑ دیگی، اگر علاج بالمثل کے اس قابل تحقیر اصول مین کچھ بھی صداقت ہوتی تو مدت ہوئی دنیا سے جنگ رخصت ہوچکی ہوتی، یہ لوگ اس وہم مین گرفتار ہین کہ ایک حربی فتح دنیا مین صلح قائم کردیگی، حالانکہ دنیا کی صلح وہ صلح نہین جسکے شرائط، فاتح یا قوی ترین فریق مرتب کرے، دنیا قدیم رومیون کے شرائط صلح کی پابندی نہین کرسکتی، دنیا کو جس شے کی ضرورت ہے اور جس امر کا انتظار ہے وہ نوع انسانی کی صلح ہے، جسپر دستخط مفتوح اقوام کے نہین بلکہ آزاد اقوام کے ثبت ہونگے، اور جسکے شرائط خود انسانیت کے ایما سے تمام اقوام کو مساویانہ املا کئے جائینگے،

دنیا مین قیام امن نہ تو فوجی طاقت سے ہوسکتا ہے، اور نہ فرقہ مصالحانہ[1] کی کمزوریون سے اس فرقہ کو روشن ترین توقعات کے باوجود جیسی ناکامی ابکی نصیب ہوئی، پیشتر کبھی نہین نصیب ہوئی تھی، سرکاری حیثیت سے تمام قومین بلکہ اُنکے حکمران تک بھی بول بولنے لگے، اس پیام کی منادی خود زار نک نے کی تھی، اور اسی کے اپیل کے مطابق دوسری سلطنتون نے اپنے ہان اس غرض کے لئے مجلسین منعقد کین، صلح وامن کے نام سے

[1] یورپ مین انیسوین صدی کے آخری زمانہ سے ایک فرقہ (Pacifist) کے نام سے پیدا ہوا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ دنیا مین امن وصلح کی منادی کرتا رہے،

ایک مندر تعمیر کیا گیا، مگر اسی تاریخ سے ان ہولناک محاربات کی بھی بنا پڑ گئی جنکی نظیر سے تاریخ عالم خالی ہے،

یورپ کے تمام قانون سازون نے قوانین کی مدد سے بڑی بڑی عدالتین قائم کر دی ہین کہ وہ فصل خصومات بجاے طاقت و قوت کے حق و استحقاق کی بنا پر کرین اور جنگ تک کے آئین وضوابط مقرر کر دئے ہین تاکہ غلبہ و قوت کے وقت بھی حق کا عنصر شامل رہے، باایں ہمہ شاید آج سے زیادہ قوت، حق پر کبھی غالب نہ آئی ہو،

تمام ممالک کے طبقۂ عمال (مزدوری پیشہ گروہ) نے جنگ کے خلاف اتحاد کر لیا تہا، اُنہون نے ایک دوسرے سے حلف لیلیا تہا، کہ بصورت جنگ سب بغاوت کر دینگے، انکی مرکزی بین الاقوامی مجلس گویا امن و صلح کی ایک قطعی ضمانت تھی، لیکن آج وہی لوگ ایک دوسرے کے قتل مین مصروف ہین، اور جن زبانون پر کل تک مواخات کی تعلیم تھی وہی آج مقاتلہ مین مصروف رجز خوانی ہین!

تمام قومون نے جنگ سے محفوظ رہنے کے لئے کثرت سے معاہدہ واتحاد نامہ مرتب کئے تھے اور "قیام امن" کے لئے صلحنامون کی تعداد حد سے بڑھ چلی تھی، لیکن آج جنگ کی خبیث رُوح ہر سمت سے مجتمع ہو کر خشک مقامات مین اپنا گھر پیدا کر رہی ہے اور اپنے ہمراہ اپنے سے خبیث تر سات روحون کو اور لئے ہوے ہے، اسوقت چودہ قومین ایک دوسرے کو ہلاک کرنے مین مشغول ہین،

فرقہ صلح جو اس وہم مین مبتلا تہا کہ روز افزون اقتصادی مادیت اور فوجی دمدمون کی افراط، سب اُسیکی تائید مین ہے، گویا خدایان تجارت کی خدائی مین آیندہ کے میدان کارزار محض تجارتی منڈیان رہ جائینگی، آیندہ کے محاربات محض تجارتی مقابلہ ومسابقہ

ہونگے، اور آیندہ کے فتوحات محض افزائش پیداوار کے مرادف ہونگے، دنیا کی رہنمائی اسی دنیاے تجارت نے کی اور قعر ہلاکت کی جانب بھی رہبری اسی دنیاے تجارت نے کی، یہی اقتصادی جنگ اسوقت دو کرور جانین لے چکی ہے[۱]، اور مال کا جتنا نقصان ہوا ہے وہ اندازہ سے باہر ہے،

پیداوار نے بالآخر خود اپنے پیدا کرنیوالون کو ہضم کرلیا،

پھر یہ بھی کہا جاتا تہا کہ جدید آلات ہلاکت و مہلک سامان حرب کی دہشت ایسی دلون مین جاگزین ہوجائیگی کہ لڑائی چھیڑنے کی کسی کو ہمت ہی نہو گی، لیکن ابتو تجربہ ہوگیا کہ پورے پچیس مہینون سے مالک دوزخ نے دنیا پر جہنم کے دروازے کھول دیئے ہین اور ہر طرح کے عذاب و عقوبت کی بارش ہو رہی ہے مگر پھر بھی آگ کے شعلے بجاے ماند پڑنیکے اور تیز ہی ہوتے جاتے ہین،

آخر یورپ کے اس صلح جُو فرقہ کی کوششون کی ناکامی کامل کا کوئی سبب ؟

بیشک اسکے اسباب ہین جنمین سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ یہ ایک محض یورپین فرقہ تہا ان اقوام کا، انکے مقننون اور مدبرون کا، انکے عمّال اور انکے فرمان رواؤن کا منتہاے مقصود، امن نہ تہا، امن کامل نہ تہا، بلکہ محض آپس کا امن، خود غرضانہ امن مقصود تہا اس قسم کی جھوٹی صلح کی کوششین ہمیشہ ناکام رہین گی،

ہیگ مین انکی عدالت صلح بیشک قائم تھی لیکن اس عدالت کا انصاف اُن شامت زدون کے لئے نہ تہا جنکے دور افتادہ ممالک پر وندان آز تیز ہو رہے تھے، اس محکمہ انصاف کے ضوابط مین ان غیر مسلح آبادیون پر فوجی تسلط قائم رکھنا ذرا بھی

---

[۱] یہ تخمینہ ۱۹۱۵ء کا ہے،

حقوق اقوام اور احترام تمدن کے منافی نہ تہا جنکا رنگ سفید نہو، یہ کھلی ہوئی حق تلفیان
ہوتی رہین اور کسی ایک سوشلسٹ[1] نے بھی بغاوت کا ارادہ تک نہ کیا، غرض صلح د
امن کی ہر تدبیر مین یہ مقصد کبھی نظر سے نہ ہٹنے پایا کہ ہر سلطنت کی ہوس استعمار و شوق
ملک گیری کے لئے نذر ہونیکو کوئی جدید علاقہ تیار رہے، فرقہ صلح جو نے کبھی اس جانب
توجہ نہ کی، اسے اپنے محدود دائرہ سے باہر توجہ کرنیکی کوئی وجہ ہی نہ تھی، وہ اس حقیقت کو
فراموش کئے رہی کہ "جو شمشیر حملہ کر رہی ہے کل اسپر بھی حملہ کیا جائیگا"

مستقل و ممکن امن صرف وہی ہے جو سب کو ایک دوسرے کے مقابلہ مین حاصل ہو،
جسوقت تک دنیا مین ایک قوم بھی ہدف جنگ بنی ہوئی ہے، دوسرون کو امن و سکون سے
رہنا ناممکن ہے، یورپ کی یہ تمنا تھی کہ خود یورپ مین صلح رہے، درآنحالیکہ یورپ ہی
کی حکمت عملی دوسرے اقطاع ارض مین انسان کا خون بہاتی رہے آئندہ صلحنامہ پر موجودہ
متحاربین کا دستخط کر دینا بالکل لاحاصل رہیگا، تا وقتیکہ اسپر دنیا کا باقی حصہ بھی دستخط کرے
تا وقتیکہ آئندہ مجلس صلح مین عالم انسانی کی پوری نیابت نہو، امن کی بخشش صرف
انسانیت کے ہاتھ مین ہے، انسانیت اسے اقوام کو عطا کر سکتی ہے، بشرطیکہ اقوام
اسے اپنی مجلس کا صدر بنائین،

اگر صلح منظور رہے تو پہلے اپنے غلامون کو آزاد کر دو کہ وہ تمہارے برابر بیٹھکر گفتگو
کر سکین، ورنہ صلح کا نام نہ لو،

اس سے بڑھکر یہ کہ اپنے قلوب، اپنے نفوس کو آزاد کر دو، جنگ و صلح کا اصلی مبداء
و ماخذ خود تمہارا قلب ہے، اگر صلح کا وجود تمہارے قلب مین نہین تو فرقہ صلح جو کی تمام

---

[1] فرقہ اشتراکیہ،

کوششین قطعاً لاحاصل ہین، جنگ پیدا ہوگی اور اپنے رو مین سب کو بہالے جائیگی،

نظامات، قوانین، محکمہ جات ثالثی، بین الاقوامی معاہدے، اقرار نامہ اور مجلسین مبادلۂ زرمین اضافہ، اقوام کے تعلقات باہمی مین افزائش، صلح کو ترقی دینے والے اسباب وحالات ... سیل ہلاکت کی روک تھام کے لئے کتنے مضبوط بند قائم کردیئے گئے تھے، لیکن جب یہ سیلاب موج زن ہوا تو تمام بند توڑتا ہوا اپنے ہمراہ بہالیگیا بلکہ جتنے زاید یہ بند قائم کئے گئے تھے اتنا ہی رُک رُک کر سیلاب کے حجم مین اضافہ ہوتا رہا، اور اسیقدر زیادہ تندی وقوت کے ساتھ اسکا بہاؤ چلا، اگر فی الواقع اسکی روک تھام منظور تھی تو اسکے منبع کو خشک کرنا چاہیئے تھا، حالانکہ یہ تمام بندشین ظاہری وخارجی تھین، لوگون نے چاہا کہ خارجی ذرایع سے امن کو وجود مین لائین، حالانکہ یہ شے انکے بس کی نہین، امن کا مولد ومنبع قلب انسانی ہے، جنگ کا منبع بھی قلب انسانی ہے، انسان کی انسانیت سے بیگانگی، انسان مین دوسرون کے مساوی ہونیکا عدم احساس، انسان کا قلب ہی وہ سرچشمہ ہے جہان سے سیلاب خون نکل کر تمام کرۂ ارض پر جوش زن ہوتا ہے اسی سرچشمہ کو خشک کردینے سے دنیا سے جنگ کا وجود رخصت ہوسکتا ہے، تا وقتیکہ انسان کے باطن مین، انسان کے نفس مین اصلاح نہوگی، تمام خارجی تدابیر، تمام بیرونی کوششین لاحاصل رہین گی، اور امن وصلح کے ظاہری قالب کے اندر جنگ وبدامنی کی روح حرکت کرتی رہیگی،

اب آنکھون سے پردہ ہٹ گئے ہین اور ساتھ ہی امیدون کا طلسم بھی ٹوٹ گیا ہے قدیم حالات کو رضامند رکھنا امن کے لئے کافی نہ تھا، راضی نامہ کرلینا امن کے مرادف نہین، قدیم حالات کے فنا ہوجانیکے ساتھ فرقہ صلح جو کا بھی خاتمہ ہورہا ہے، لیکن اسکی یہ

ناکامی آیندہ کامیابیون کے لئے بھی دلیل راہ کا کام دے رہی ہے، حصول کامیابی کیلئے
اس شمشیر بے پناہ کا وجود ضروری تھا، جو ہڈیون تک پیوست ہوجاتی ہے، چنانچہ جنگ اُسے
تیار کر رہی ہے، یہ شعلۂ شمشیر خود شمشیر قتال کو بھی خاکستر کرکے رہیگا،

وہ مقصد جسے بڑی بڑی سلطنتین اور بڑے بڑے مذاہب زمانۂ ماضی مین پورا
نہ کرسکے، جسکے انجام دینے مین زمانۂ حال کا تمدن ناکام رہا مگر جسکی تیاریان تمام گذشتہ
صدیان کرتی آئی ہین، وہ ایک شے اور صرف ایک شے سے ابھی انجام کو پہنچ سکتا ہے
آج حاصل ہوسکتا ہے، وہ شے کیا ہے، انسان مین انسانیت کا احساس، جزو کو کل کا شعور،
اسوقت انسان کے قلب سے امن عالم کی پیدائش ہوگی،

(۲)

بیداریٔ روح

ایک آواز صدیون سے آرہی ہے، یہ آواز ضمیر کی گہرائیون سے پیدا ہوئی ہے سب نے
اُسکو سُنا ہے، مگر اسپر کان ابتک کسی نے نہین دھرا ہے، اس آواز کو خاموش کردینا
کسی کے بس کی بات نہین، یہ صدا سب سے اعلیٰ تر فرمان کی منادی کررہی ہے کہ
"ہلاک نہ کرنا"

ایک دوسری صدا، صداے خوف زمین سے بلند ہو رہی ہے، آہ، جنگ کے
شدائد و مصائب! زبان انہین بیان کرنے سے قاصر ہے، اُف، وہ جرائم و معاصی جنکا
تعلق حقوق العباد سے ہے! کیا بشرۂ انسانی کے عقب مین کوئی اثر پوشیدہ ہے؟ ورنہ
آخر اسقدر ترقی تمدن کے ساتھ اس سبعیت کا اجتماع ممکن کیونکر ہے؟

یہ واقعات ممکن کیون ہین؟ محض اسلئے کہ دنیاے متمدن کے ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤن

مین مدارس موجود ہین، جہان چھوٹے بچے پڑہنے کے لئے جمع ہوتے ہین، اور وہان استاد اُنہین روزانہ یہ درس دیتا ہے کہ انسان کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ قومی اغراض کی پاسداری کرے، اور اگر قومی اغراض اسی کے مقتضی ہون تو اپنے ہمجنسون کا گلا کاٹنا اُسکے لئے کار ثواب ہوجاتا ہے، اور اسپر اپنے حاکم کی جو قتل کے لئے اُبھارتا ہے، تعمیل ارشاد زیادہ فرض ہے بمقابلہ اس فرمان ضمیر کے کہ "ہلاک نہ کرنا"

ہان اسی لئے کہ چونکہ ہر شخص کو بچپن ہی سے اسی قسم کی تعلیم ملتی ہے، ہر قوم مین ہر شخص اسکے لئے تیار ہوجاتا ہے کہ ایک روز قاتل بنے اور اپنے بہائی کے حق مین قصائی کا کام دے، اسکے بعد کوئی جرم اسکے لئے جرم نہین باقی رہجاتا اور نوازل و مصائب جنگ کی کوئی انتہا باقی نہین رہجاتی،

اور آخر ان نوازل و مصائب کو متعین حدود کے اندر محدود رہنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے غرض ایک جنگلی درندہ کو آزاد چھوڑ دیتے ہو اور پھر اس سے یہ توقع کرتے ہو کہ وہ انسانیت کے حدود مین رہیگا! اگر جنگ کا اس حد تک دحشیانہ و بہیمانہ ہوجانا تو بہت اچھا ہوا کہ بغیر اسکے انسان کے دل مین اسکی طرف سے نفرت ہی نہین پیدا ہوسکتی تھی، انسان کے دل مین ابتک قتل انسانی کی عزت تھی، لیکن جتنی چیزین اسکی نظر مین جنگ کو زیادہ وحشیانہ ثابت کر رہی ہین وہ در اصل اس روز سعید کی آمد کو قریب لاتی جاتی ہین، جب قتلِ انسانی کے جواز کا امکان نہ باقی رہیگا اور قدیم جنون رخصت ہوچکا ہوگا،

قتل حرام ہے، ہر حالت اور ہر صورت مین حرام ہے، جب یہ قطعی فتوی صادر ہوجائیگا، اسوقت دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہوگا،

جسوقت تک اس فتوی مین استثنا کی کوئی صورت باقی ہے، جسوقت تک یہ خیال قائم ہے کہ بڑی جماعت مرتب کرکے قتل کرنا جائز ہے، جسوقت تک یہ وہم موجود ہے کہ جماعت کا قتل افراد کے قتل سے مختلف بلکہ معزز ہے، اور جسوقت تک یہ اعتقاد باقی ہے کہ تنخواہ پانیوالون اور وردی پہننے والون کے لئے دوسرون کی جان لینے کو حکم جواز ہے اسوقت تک جنگ کا وجود بھی برقرار رہیگا اور جنگ بھی مع اپنی تمام شقاوتون کے،

جسوقت تک متمدن افراد کے نفوس مین زہریلی تعلیم کی پیدا کی ہوئی قاتلانہ عظمت کا احساس باقی ہے، اصول اخلاق اس بدترین بداخلاقی مین معین ہو رہے ہین، اساتذہ ومعلمین اپنے تلامذہ کے دل ودماغ پر محاربات ومعرکہ آرائیون کی عظمت وشوکت کے نقوش بٹھا رہے ہین، اس اُم الجرائم کو جرم ومعصیت کی حیثیت سے نہین پیش کیا جاتا ہے اور قتل وخون ریزی کو بدترین معصیت کی شکل مین نہین پیش کیا جاتا جسوقت تک صورت حال باقی ہے، اسوقت تک باہمی قتل وہلاکت کی لعنت اپنی تمام شقاوتون اور بیدردیون کے ساتھ قومون پر مسلط رہیگی،

اس سے بھی بڑھکر ستم یہ ہے کہ مدارس مین زبانی اسباق کے علاوہ ان چیزون کی عملی تعلیم بھی دیجاتی ہے، سب سے پہلے تو اسکی مثال ہمارا قانون معاشری ہی پیش کرتا ہے جسوقت تک قانون، نفس البشری کی عظمت اور حیات انسانی کا احترام مجرمون تک مین نہ تسلیم کریگا، جسوقت تک تعزیرات کا نفاذ خود جرائم کی شکل مین ہوگا، جسوقت تک کسی خونی کے پوشیدہ جرم کے جواب مین دوسرا خون علانیہ اور بکمال بیدردی کیا جاتا رہیگا، اسوقت اس خون کی چھینٹین جو جلاد کی جنبش شمشیر نے بہایا ہے، بارش کے قطرات بنکر تمام عالم پر برستی رہینگی، اور خونی کو جو قتل کی سزا دیجاتی ہے اس سزا کی

سزا مین جنگ کا دیوتا لاکھون بیگناہون کی جان لیتا رہیگا،

یہ وہ پیام جنگ ہے جو انسانیت تمام اقوام کو دے رہی ہے!

وہ دن آنیوالا ہے جب ان سب چیزون کا خاتمہ ہوگا، اسلئے کہ "ہلاک نہ کرنا" کی صدا اب کسی غیر کی، کسی باہر والے کی صدا نہین رہی ہے، یہ صدا خلقت کے قلب سے بلند ہو رہی ہے، انسانیت کا یہ پیغام اب نفوس مین زندہ ہو رہا ہے، اور دنیا کو ایک نئی ہدایت کر رہا ہے، اسکی تعلیم ایک بلند تر فرض، فریضۂ انسانیت کی تعلیم ہے،

آج تک فرائض انسانی کا سب سے اونچا تخیل وطن پرستی کا تھا، لیکن اس وطن سے بھی بڑھکر، اس سے محبوب تر اور اس سے زیادہ غیر فانی، مگر اس سے زیادہ نامعلوم و لاوارث بھی وہ حقیقی مادرِ وطن ہے جسکے فرزندون کا شمار ڈیڑھ ارب ہے، مگر جسکے فرزندان رشید شاید معدودے چند ہی ہین، کل سے انسان اپنی محبت و عقیدت کا سجدہ گاہ اسی کو بنائیگا، اس حقیقی مادرِ وطن کا نام عالمِ انسانی ہے،

سیکڑون ہزارون برس مین انسان نے اتنا سیکھا کہ قوم و ملک کے حقوق خاندان کے حقوق سے افضل و برتر ہین، محبتِ وطن کا مرتبہ محبتِ خاندان سے بڑھا ہوا ہے اور وطن کی خدمت پر اپنی جان اور اپنے خاندان کو قربان کر دینا چاہیئے، اب ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہیئے، اب اُسے یہ تعلیم حاصل کرنا چاہیئے کہ حقوق انسانیت، حقوق وطنیت سے بھی بالاتر ہین، اور محبتِ خلق کا مرتبہ محبتِ وطن سے کہین بڑھکر ہے، انسان کو اپنی جان بیشک قربان کرنا چاہیئے مگر اس شے پر نہین کہ اسکے وطن کو کوئی بات حاصل ہو بلکہ اس شے پر کہ عالم انسانی مین اسکے وطن کو کوئی مرتبہ حاصل ہو،

جون جون انسان کے دل مین اس وطن اعظم کا خیال راسخ ہوتا جائیگا، اسی مناسبت سے اسمین انسانیت کا درد و احساس بھی بڑہتا جائیگا،

انسان حقیقۃً صرف وہ ہے جسمین انسانیت کا احساس موجود ہے، جسکا قلب یہ آواز دیتا رہتا ہے کہ مین پہلے انسان ہون اور اس کے بعد انگریز، جرمن، روسی یا جاپانی ہون، محب وطن ہونے سے پیشتر مین انسان ہون، میرا سب سے مقدم فرض انسانیت کا ہے، اسکے بعد کسی ملک کے باشندہ ہونیکا"

قانون انسانی کی سب سے اہم دفعہ یہ ہے کہ ہر شے پر انسانیت اور حیات بشری کا احترام مقدم ہے، اور انسان کے لئے سب سے بڑی شریعت یہ ہے کہ "ہلاک نہ کرنا"

اپنے ملک کے لئے جان دیدینا بمقابلہ اپنے خاندان کے لئے زندہ رہنے کے بیشک ایک بڑی بات ہے، لیکن ملک کے لئے اپنی جان دینے سے بھی بڑھکر یہ بات ہے کہ کسی دوسرے کی جان نہ لیجائے کسی حالت مین اور کسی موقع پر بھی،

اسی جنگ کے دوران مین ایسے اشخاص نکلے ہین جو اس معیار انسانیت پر پورے اترے ہین، انھون نے اپنی جان دینا قبول کیا، لیکن دوسرے کی جان لینا گوارا نہ کیا، وہ پاکیزہ قلب اور غیر آلودہ خون ہاتھون کے ساتھ دنیا سے اٹھ گئے،

وہ انسانیت کی روح مین شامل ہو گئے ہین اور اسی کے ساتھ ابدالآباد تک زندہ رہین گے،

انسانیت ایک زندہ وجود ہے، وہ نابینا ہین جو اسے محض ایک لفظ سمجھتے ہین، افراد و اقوام کی طرح وہ ایک حقیقی وجود رکھتی ہے، اور اپنے وجود کا احساس رکھتی ہے خواہ اقوام و افراد اسکے وجود سے بیخبر ہون، سب کی اصلی مان وہی ہے جو اپنے بطن سے سب کو پیدا

کرتی ہے، اپنے آغوش مین سب کی پرورش کرتی ہے، اور جسکے اوپر سب کی زندگی کا انحصار ہے یہ اسی کی قوت ہے جو اقوام مین زندگی قائم کئے ہوئے ہے، یہ اسیکا خون ہے جو سب کی رگون مین دوڑ رہا ہے،

یہ زندہ ہستی ایک زندہ جسم بھی رکھتی ہے، اور مختلف اقوام اسکے مختلف اعضا ہین، جو بہ تعلقات ایک دوسرے سے بالکل پیوستہ ہین، اسکا قلب زندہ ہے، مگر اسوقت افراد کے قلوب مین سو رہا ہے، اسلئے کہ ابھی ان مین عام محبت کا جذبہ نہین پیدا ہوا ہے،

وقت آگیا ہے کہ اس زندہ جسم کا ایک غور و فکر کرنیوالا دماغ بھی پیدا کیا جائے، اور اسکے لئے ضرورت ہے کہ ہر قوم کے وہ افراد یکجا ہون جو گویا انسانیت کے دماغ سے سوچتے رہتے ہین، آیندہ اقوام کی رہنمائی و سرداری انھین کے ہاتھ مین ہوگی،

جب شہرون کی طاقتون نے مجتمع ہوکر اقوام موجودہ کی تخلیق کردی، اور ان سے عجائب و غرائب کا ظہور ہونے لگا تو جسوقت سارے عالمِ انسانی کی قوتین یکجا و متحد ہوجائینگی، اسوقت معلوم نہین کن کن معجزات کا ظہور ہونے لگیگا، اسوقت جبکہ انسانیت مین تنظیم پیدا ہوچکی ہوگی، جبکہ انسانیت خود اپنی قسمت کی مالک ہوچکی ہوگی جبکہ وہ اپنی موجودہ ادنیٰ زندگی کی بندشون سے آزاد ہوچکی ہوگی، اسوقت وہ "انسان جدید" کو پیدا کریگی جسکی آمد کا فطرت کو انتظار ہے، اسوقت موجودہ پُرارمان خوابون کی تعبیر نکلیگی،

اے دیوانہ انسان! تو آج اپنا گوشت اپنے ہاتھون نوچ رہا ہے، اپنے ہاتھون اپنی قبر کھود رہا ہے، وقت آگیا ہے کہ تیرے امراض کو شفا ہوجاے اور تیرا شعور و احساس بیدار ہوجائے،

اے اقوام! تم آج اس سے بیخبر ہو کہ ایک ہی جسم کے مختلف اعضا ہو، تم آج

ایک دوسرے کی خون ریزی مین مصروف ہو، وقت آگیا ہے کہ تمہین اس باہمی مقاتلہ سے نجات ملے، اور تم مین یہ احساس پیدا ہو جاے کہ تم سب ایک روح ایک قالب ہو، اپنے مین انسانیت کا احساس بیدار کرو،

اور اے روح ربانی تو اسوقت افراد و اقوام سب کے نفوس مین حالتِ خواب مین ہے، تیری بیداری کا وقت آگیا، اب بیدار ہو، بیدار ہو!

مسٹر سموئیل ہوفمین، جو امریکہ کے محکمۂ جنگ کے شعبۂ سائنس مین مدت تک کام کرچکے ہین رسالہ سائنٹفک امریکن مین اپنی ایک جدید اختراع کا ذکر کرتے ہین، اس آلہ کی مدد سے تاریکی کامل مین بھی اشیاء کو دیکھا جا سکیگا، اس آلہ مین حرارت کی شعاعون کا اخراج ہوتا رہتا ہے اور انکے ذریعہ سے شب تار مین طیارہ، بحری چٹان وغیرہ سب نظر آنے لگین گے،

کیا دنیا مین آج تک کوئی شخص ایک سنکھ (۱۰۰ پدم) کا شمار کرسکا ہے؟ ایک انگریزی اخبار اس سوال کے جواب مین لکھتا ہے کہ ایسا ہونا قطعاً ناممکن ہے، اسلئے کہ اگر ہم نہایت تیزی کے ساتھ فی منٹ دوسو کی شرح رفتار سے شمار کرسکین اور بفرض محال شب و روز ہمہ وقت گنتی مین مصروف رہین تو بھی اسکے گنے کے لئے ۹۵۱۲ سال ۵ گھنٹہ ۴۰ منٹ کی مدت چاہیئے!

چند ماہ ہوے امریکہ کی ایک جھیل مین ایک عظیم الشان "شہاب ثاقب" آکر گرا، جسکے گرنے وقت اس زور کا دھما کا ہوا کہ دور دور تک مکانات مین زلزلہ پڑگیا، اور یہ شور دیر تک قائم رہا، اسکے علاوہ روشنی اسقدر تیز ہوئی کہ کوئی پچاس میل کا رقبہ ایک عالم نور بنگیا اور لوگ مارے دہشت کے اپنے گھر چھوڑکر بھاگ گئے، ایک شخص جو بحری منارۂ نور پر متعین تھا اس نے اس منظر کو بچشم خود دیکھا تھا، وہ لکھتا ہے کہ

"مجھے جنوب کی جانب کوئی پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک آتشین گولا جھیل مین

گرتا ہوا دکہائی دیا، نہایت تیز رفتاری کے ساتھ وہ سائین سائین کرتا ہوا فضا کو طے
کر رہا تہا، جسوقت وہ سطح آب سے آکر ملا، ایک زبردست شعلہ اور بہت زور کا شور بلند ہوا۔"

شہاب ثاقب" کی تاریخ کے سلسلہ مین سائنس کو جس سب سے بڑے وجود کا علم ہے
وہ "ٹوٹا ہوا ستارہ" ہے جو چند سال ہوے کمانڈر پیری کو گرین لینڈ مین دستیاب ہوا تہا، اسکی
جسامت اسقدر مہیب تھی کہ کمانڈر موصوف کسی طرح اُسے اپنے ہمراہ نہ لا سکا، بلکہ دوبارہ تیار
ہوکر اسے لانے کے لئے ایک اور مستقل سفر کرنا پڑا، اسکا طول ۱۰ فٹ، عرض ۵ فٹ اور بلندی
۶ فٹ ۹ انچ تھی، اور اسکی ساخت لوہے کی تھی، روایت ہے کہ ایک اس سے بدرجہا زاید
عظیم الشان ٹوٹے ہوے تارے کے آثار دنیا مین موجود ہین، جسکا قطر ۵۰۰ فٹ کا تہا اور
جسکے زمین پر گرنے سے ایک سخت خطرناک شگاف واقع ہوگیا تہا، مگر علماء سائنس اسکا کوئی
قطعی ثبوت نہین رکہتے، سنہ ۱۸۶۲ء مین ہنگری کے ملک مین ایک اسی قسم کا تارہ مشاہدہ مین
آیا تہا جسکے بہت بڑی دم تھی، جو مثل بادل کے نظر آتی تھی، اور جسکے کم از کم ایک ہزار ٹکڑے
ٹوٹ ٹوٹ کر گرے تھے، جنمین سے ایک بڑے ٹکڑے کا وزن ایک من ۲۵ سیر تہا، اسی
طرح سنہ ۱۸۷۷ء، سنہ ۱۸۶۵ء، سنہ ۱۸۶۰ء مین یورپ کے مختلف ممالک مین بڑے بڑے تارے سخت مہیب
دہولناک دہماکون کے ساتھ گرے ہین، امریکہ کی ورجینا یونیورسٹی مین ایک مستقل انجمن
انہین کواکب کے متعلق تحقیقات کے لئے قائم ہے،

پروفیسر پیٹری، اے، آر، ایس نے جو آثار مصر کی تحقیقات مین خاص امتیاز و
شہرت حاصل کر چکے ہین، حال مین اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آج سے دو لاکہ برس کے

عرصہ مین سطح ارض سے زندہ مخلوقات کا وجود قطعاً فنا ہوجائیگا، البتہ یہ ممکن ہے کہ عمق سمندر مین بعض ادنی مخلوقات کی زندگی چند لاکھہ سال تک اور قائم رہجاے، دیگر علمار سائنس کو ہنوز اس راے کے تسلیم کرنے مین تامل ہے،

امریکہ کے ایک گھڑی ساز ولیم بلینفورڈ نے پورے چالیس سال کی محنت کے بعد ایک گھڑی تیار کی ہے جو تمام دنیا مین اپنا جواب ہنین رکھتی، بلینفورڈ علم ہیئت کا ماہر تھا، اور اس نے اپنی بڑی گھڑی (کلارک) کو ایک نادر دائمی جنتری بنا دیا ہے، دس ہزار سال تک ہر سال، ماہ، و یوم کا پورا پورا حساب اس گھڑی سے ظاہر ہوتا رہیگا، دنیا کے سو سے زاید مشہور شہرون کا طول البلد، اور ہر مقام کا ٹھیک وقت بھی یہ گھڑی بتلاتی ہے، ماہتاب کی حرکت، اسکا طلوع و غروب، آفتاب کی گردش بروجی، موسمون کا تغیر و تبدل یہ سب کچھ اس گھڑی سے معلوم ہوتا رہتا ہے،

ڈاکٹر ہرڈمین نے برٹش ایسوسی ایشن کے خطبۂ صدارت مین بیان کیا کہ سمندر کی سب سے بڑی گہرائیان قریب چھہ میل کے ہین، اور یہ سطح ارض کے بلند ترین پہاڑون کی بلندیون سے کچھ ہی زاید ہے، نیز یہ کہ اگر روے زمین پر دفعتۃً سیلاب آجاے اور کل زمین غرق ہوجاے تو موجودہ سطح ارض کے اوپر دو دو میل گہرا سمندر روان ہوجائیگا،

ڈاکٹر کورٹنے ڈیکس، جو دوران جنگ مین بحیثیت سرجن کے طویل تجربہ حاصل کرچکے ہین، لکھتے ہین کہ وہ نومبر ۱۹۱۵ء مین مالٹا مین متعین تھے، اور اسوقت ہزارہا سپاہی

عارضۂ برف زدگی مین مبتلا ہوکر وہان آرہے تھے، یہ مرض دفعتہً پیر سے شروع ہوکر سارے جسم تک پھیل جاتا تہا، اسوقت یہ امر تجربہ مین آیا کہ جو سپاہی شراب سے محترز تھے، اُن پر اس مرض کا حملہ بہت خفیف ہوا، بخلاف اسکے جو مریض تہوڑی مقدار مین بھی شراب نوشی کے عادی تھے اُنہین فوراً زہرباد شروع ہوجاتا تہا، اور انکی صحت بہت دشوار ہوجاتی تھی، الکحل کی خفیف مقدار کا بھی جسم مین ہونا مریض کو مدافعت مرض کے ناقابل بنادیتا تہا،

پروفیسر ایڈنگٹن نے جو برٹش ایسوسی ایشن کے شعبۂ طبعیات کے صدر تھے اپنے خطبۂ صدارت مین بیان کیا کہ اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ آفتاب اور ستارے اپنے اندر سے برابر اخراج حرارت کرتے رہتے ہین، لیکن اس واقعہ کے اس عملی پہلو پر کوئی غور نہین کرتا کہ آخر اس ذخیرۂ حرارت کا منبع کیا ہے؛ ظاہر ہے کہ ہر ستارہ کے پاس اس قوت کا ذخیرہ عظیم الشان ہونا چاہیئے، یہ ذخیرہ سالمات کی اندرونی قوت (انرجی) مین شامل رہتا ہے، جسکا وجود ہر ذرۂ مادی مین ہے، آفتاب مین یہ ذخیرۂ حرارت اسقدر مقدار مین موجود ہے کہ پندرہ پدم سال تک کافی ہوسکتا ہے، اور اب ماہرین طبعیات کے زیر غور وتحقیق یہ مسئلہ ہے، کہ اس ذخیرہ کو کیونکر انسانی طاقت کے مطیع ومحکوم بنایا جائے، کیونڈش لیبوریٹری کے ڈاکٹر سر ارنسٹ رورفورڈ مدت سے اسکے متعلق تجربات کررہے ہین، اور امید قوی ہے کہ عنقریب انکی کوششین بارآور ہون،

شیرخوار بچون اور بالغون کے مختلف اعضا جسم کی ضخامت وطول مین جو نسبت

مدارج ہوتی ہے وہ ایک مستند ڈاکٹر کی تحقیقات کے بموجب حسب ذیل ہے :-

	بچہ	بالغ
سر	۱	۲
دھڑ	۱	۳
ہاتھ	۱	۴
ٹانگین	۱	۵

بچون مین بمقابلہ بالغون کے دوران خون کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے، اور جون جون سن مین اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہ رفتار دہیمی پڑتی جاتی ہے، چنانچہ ضربات نفس کی تعداد فی منٹ مختلف عمرون مین حسب ذیل ہوتی ہے،

۶ ماہ سے ایک سال کی عمر تک	۱۰۵ تا ۱۱۵
۲ سال سے ۶ سال تک	۹۰ تا ۱۰۵
۱۱ سال سے ۱۴ سال تک	۷۵ تا ۸۵

غذا کا اصل مقصد بدل ما یتحلل ہے، یعنی جسم کے ذرات جو ہر وقت تحلیل ہوتے رہتے ہین انکی تلافی غذا کے ذریعہ سے ہوتی رہے، بچون کا نشو و نما چونکہ ہر لحظہ دہر آن ہوتا رہتا ہے اسلئے انکی غذا مین ان اجزاء کی تعداد زیادہ ہونا چاہیئے جن سے عضلات جسم کی ترکیب اور قوت (انرجی) کی تولید ہوتی رہتی ہے، ان غذاؤن کو اصطلاح طب مین اغذیہ بیضیہ، (پروٹیڈس) اغذیہ معدنی (میزلس) اور اغذیہ مدہنہ (کاربوہائیڈریٹس) کہتے ہین جن مین

اضافہ کے ساتھ اجزاء دہنیہ (دودھ، روغن وغیرہ) کی ضرورت کم ہوتی جاتی ہے، اور اجزاء نشاستیہ (اسارروح) مثلاً شکر، غلہ وغیرہ کی احتیاج بڑھتی جاتی ہے،

ماہرین طب جدید نے انسانی دانتون کی تین قسمین کی ہین، قواطع، یہ دانت منہ کے وسط مین ہوتے ہین، ان کا کام غذا کو کاٹنا اور کترنا ہوتا ہے، روٹی، بسکٹ، اور بعض پہل انہین کے مدد سے کہائے جاتے ہین، انیاب، انکی شکل مثل شیر اور کتے کے دانتون کے نکیلی ہوتی ہے، ان کا کام ریشہ دار چیزون کو چیرنا، پہاڑنا اور نوچنا ہوتا ہے، گوشت اور بعض پہل انہین کے ذریعہ سے کہاے جاسکتے ہین، اخراس یا ڈاڑہین، ان کا کام غذا کو چبانا اور پیس پیسکر ریزہ ریزہ کردینا ہوتا ہے، بچون مین کل دانتون کی تعداد بیس ہوتی ہے اور بالغون مین بتیس ۳۲،

بچپن کے عارضی دانت جنہین دودھ کے دانت کہتے ہین حسب ذیل ترتیب کے ساتھ نکلتے ہین:-

قواطع (زیرین)	Incisons	۶ ماہ سے ۸ تک
قواطع (بالائی)		۸ " ۱۲ "
اخراس (اولیہ)	Molars	۱۲ " ۱۵ "
اخراس (ثانویہ)		۲۴ " ۳۰ "
انیاب -	(Canines)	۱۸ " ۲۴ "

ان عارضی دانتون کے گرجانے کے بعد مستقل دانت یا اناج کے دانت ترتیب ذیل کے ساتھ نکلتے ہین :-

قواطع،	۷ سال سے ۸ تک
انیاب	۱۰ " ۱۳ "
اخراس (اولیہ)	۶ " ۷ "
" (ثانویہ)	۱۲ " ۱۴ "
" (ثالثہ) (اسی کو "عقل داڑھ" کہا جاتا ہے)	۱۸ " ۲۵ "

بچون کا معدہ چھوٹا ہوتا ہے، اور بالغون کے معدہ کی طرح کام نہین دیسکتا، اسی لئے ایسی غذائین جنکے ہضم کا انحصار معدہ ہی پر ہوتا ہے، بچون کو مشکل سے ہضم ہوتی ہین، بخلاف اسکے انکا جگر بڑا ہوتا ہے، اِسلئے جن غذاؤن کا جگر سے ہضم متعلق ہے، انہین بہ آسانی ہضم ہوجاتی ہین، بچون کی انتڑیان بھی بڑی ہوتی ہین مگر انکی جلد نازک و کمزور ہوتی ہین، اِسلئے نفاخ غذائین انہین بہت جلد نقصان کرجاتی ہین، بعض غذاؤن کے ہضم مین لعاب دہن خاص طور پر معین ہوتا ہے، اور چونکہ بچون مین اسکی تولید کافی مقدار مین نہین ہوتی، اِسلئے آلو، شکرقند، گیہون و دیگر اقسام غلہ بچون کے موافق نہین آتے،

انٹرنیشنل کانگرس آف فلاسفی کا جلسہ جسکے انعقاد کا اعلان عرصہ ہوا معارف مین ہوچکا تھا، آخر ہفتہ ستمبر مین بمقام آکسفرڈ منعقد ہوا، مشہور و معروف فرنچ فلسفی برگسن صدر نشین تھے، جمعہ کے روز اسکے فاضلانہ خطبۂ صدارت کے لئے مخصوص تھا،

ہفتہ کے روز انسٹین کے جدید نظریہ پر بحث رہی، جسمین پروفیسر ایڈنگسٹن، ڈاکٹر براڈ، پروفیسر لینڈمین وغیرہ نے حصہ لیا، اسی روز سہ پہر کے اجلاس مین زبان وخیال کے باہمی تعلقات پر سرگرم مباحثہ رہا، یکشنبہ کو بشپ آف رپن کا وعظ رہا جسکا ماحصل یہ تہا کہ اصل مسئلہ عبد ومعبود کے باہمی تعلق کا ہے، اور اسکے سامنے سب مسایل ہیچ ہین، سہ پہر کے اجلاس مین ڈاکٹر ولڈن کار، مسٹر بالفور، وغیرہ کے زیر بحث مذہب واخلاق کے تعلقات رہے، اسی روز شب کو بھی اجلاس ہوا اور اُسمین فنون لطیفہ کی نفسیت پر بحث رہی، دوشنبہ کے اجلاس کی صدارت مسٹر بالفور نے کی اور اس روز مسئلہ قومیت پر ایک معرکۃ الآرا مباحثہ رہا جسمین انگلستان، فرانس، واٹلی کے متعدد حکما وعلما نے شرکت کی،

باب التقریظ والانتقاد
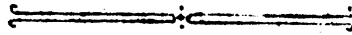
روحِ ادب

مصنفہ منشی شبیر حسن خان جوش ملیح آبادی

(از عبدالماجد بی، اے)

اردو کے ذخیرۂ ادب مین ادنیٰ و متبذل قسم کے مطبوعات کا جس رفتار سے اضافہ ہو رہا ہے، اسکے لحاظ سے اگر اتفاق سے کبھی کوئی اچھی کتاب نکل آتی ہے تو خاص طور پر مسرت ہوتی ہے، جوش صاحب کی تصنیف روح ادب کا شمار بھی اسی آخر الذکر قسم کے لٹریچر مین ہے اور اسلئے وہ عالم وجود مین آنے پر بہی خواہان اردو کی طرف سے ایک پر جوش خیر مقدم کی مستحق ہے،

مصنف کا نام اردو خوان پبلک کے لئے بالکل نیا نہین، انکی نظمین متعدد اخبارات و رسائل مین شایع ہو چکی ہین، اور ملک ان سے کافی حد تک روشناس ہو چکا ہی، روح ادب انکے افادات قلم کے مجموعہ کا نام ہے، جو نثر و نظم کے مختلف حصون پر منقسم ہے، اور کتاب کی ظاہری زیب و زینت بین متعدد رنگین تصاویر سے بھی افزائش کیگئی ہے،

آغاز کتاب مین چند دیباچے شامل کئے گئے ہین، اور نوجوان مصنف کے فخر و امتیاز کے لئے یہ امر کافی ہے کہ ان مین سے ایک دیباچہ حضرت اکبر مدظلہ کے قلم کا ہے، جو شاید مصنف کے نام کوئی خط تہا، ایک دیباچہ کے خاتمہ پر "شرر لکھنوی" درج ہے، جس سے ذہن فدرتہً مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مشہور مصنف و ناول نگار کی جانب منتقل ہوتا ہے

لیکن یہ بالکل قطعی ہے کہ اس دیباچہ کی عبارت انکی عبارت نہین، یہ کوئی دوسرے شرر ہونگے، ایڈیٹر دلگداز کی شہرت و مقبولیت نے لکھنؤ مین متعدد "شرر" پیدا کر دئے ہین بہرحال ان دیباچہ نگار صاحب کے نام کی تصریح مصنف پر فرض تھی،

اردو مین اسوقت شاعرون کی کمی نہین، انکی پوری تعداد مشکل ہی سے شمار مین آسکتی ہے لیکن ان مین سے چند ہی ایسے نکلین گے جو فی الواقع شاعر کے لقب کے مستحق ہین، جوش صاحب انہین چند مستثنیات مین سے ہین، اور اپنے ہم سن شاعرون مین تو یقیناً وہ اپنا نظیر نہین رکھتے، وہ رسماً شعر نہین کہتے بلکہ فطری شاعر ہین، ندرت تشبیہات واستعارات بلند خیالی، معنی آفرینی، اور درد و گداز انکے کلام کے اوصاف مخصوص ہین، انکی شاعری جذبات کی شاعری ہوتی ہے، "زلف و کاکل" "سرمہ اور پان" "آنچل اور دوپٹہ" کی تلمیحات سے شاید ان کا دماغ ناآشنا ہے، انکے کلام کی نوعیت کا اندازہ اشعار ذیل سے ہوگا:-

بیہوشیون نے اور خبردار کر دیا ۔۔۔ سوئی جو عقل، روح کو بیدار کر دیا

فطرت نے شام ہوتے ہی دریا کو روک کر ۔۔۔ آئینۂ ثوابت وسیار کر دیا

جمعیتون نے بڑھکے پریشان بنا دیا ۔۔۔ گلشن کو رفتہ رفتہ بیابان بنا دیا

آتا ہوگا راس کسی کو نہ آئے عشق ۔۔۔ ہمکو تو تیرے درد نے انسان بنا دیا

دنیا بہت وسیع تھی لیکن میرے لئے ۔۔۔ آزادی خیال نے زندان بنا دیا

فنائے حرص بیجا ہی فدائے زر پرستی ہے ۔۔۔ ہوس یا تجھپہ سر سے پاؤن تک دنیا برستی ہے

فنا ہو جا، جھلک دیگا سینہ شمع عرفان سے ۔۔۔ ابھی تو دل کے آئینہ پہ غافل داغ ہستی ہے

یہ آخری شعر بلحاظ بلندی معنی اس پایہ کا ہے کہ اگر کلیات اکبر مین درج پایا جاتا تو حیرت ہوتی، چند اور شعر ملاحظہ ہون:-

جب تم آئے ہو سامنے تو کوئی ... اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے
قلب کو دے تو دے خوشی آرام ... روح کو درد ہی جگاتا ہے
دل کے آئینہ مین مرے کوئی ... زلفین بیٹھا ہوا بناتا ہے

کچھ سوچ کے ہر ایک طلبگار فنا ہے ... کیا رمز مرے بعد زمانہ پر کھلا ہے
جس آنکھ کے پردہ مین جھلکتے رہین آنسو ... در اصل وہ سرچشمۂ انوار خدا ہے

جاتا ہون سوے دوست تمنا لئے ہوئے ... رگ رگ مین اک خلوص کی دنیا لئے ہوئے
پھر بارگاہِ عشق مین پہنچا ہون سر بکف ... زخمون سے پاش پاش کلیجہ لئے ہوئے
پھر جلوہ گاہ ناز کی جانب بڑھا ہون مین ... اشکون کا چشم شوق مین دریا لئے ہوئے
پھر خلوتِ خیال مین بیٹھا ہوا ہے وہ ... عارض مین شمع طور کا شعلہ لئے ہوئے
سر کرنے پھر چلا ہون مہم حسن و عشق کی ... ہر سانس مین شکست کی دنیا لئے ہوئے

ایک اور غزل خصوصیت کے ساتھ قابل ملاحظہ ہے، جسکے چند شعر یہ ہین:-

چشم حواس بند ہی مست ہون سوز و ساز سے ... ملنے چلا ہون اسطرح حسن جنون نواز سے
کہتی ہے آسمان سے ہان دیکھ یہ سرفرازیان ... اُٹھکے جبین بندگی خاک رہِ نیاز سے
پھیر دے حسن جانستان میری نگاہ مین پھیر دے ... رنگ طلسم دہر سے عشوۂ حرص و آز سے
مسلکِ حسن و عشق مین رکھتی ہین ربط باطنی ... میری نیاز مندیان تیرے غرور و ناز سے

نغمۂ ہوش تھم گیا، مطرب عقل رو دیا
حسن تڑپ کے رہ گیا میرے جنون کے سامنے

اس طویل غزل کا تقریباً ہر شعر اسیقدر بلند پایہ ہے،

اقتباسات بالا حصۂ غزلیات کے تھے، لیکن مصنف کا اصلی کارنامہ غزلیات ہین، بلکہ قطعات، رباعیات، اور دوسری نظمین ہین، جنین یا کسی منظر طبعی (مثلاً طلوع سحر) کی مصوری کیگئی ہے، یا اخلاق و موعظت، تصوف و عرفان کے مسائل کی تعلیم نہایت دلکش پیرایہ مین دیگئی ہے، مصنف کا اصلی جوہر کمال اسی میدان مین آکر کھلتا ہے، دنیا مین اب تک جتنے الہامی شاعر ہوئے ہین، سب اپنا اپنا ایک مستقل "پیام" لیکر دنیا مین اسکی تبلیغ کیلئے آے تھے، حافظ، عمر خیام، غالب، ٹیگور، اکبر وغیرہ کل پیمبران سخن اپنے اپنے "پیام" (فلسفۂ حیات) کو دنیا کے کانون تک پہنچا چکے ہین، جوش کے الہامی شاعر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ محض واقعات خارجی کو وزن و قافیہ کی پابندیون کے ساتھ ادا نہین کر دیتے، بلکہ اپنے ایک مستقل "پیام" کی تبلیغ کرنا چاہتے ہین، وہ پیام کیا ہے؟ اسے خود پیامبر کی زبان سے سننا چاہیئے، صفحہ ۳۳ سے صفحہ ۳۷ تک ایک طویل نظم درج ہے، جسکا عنوان "خیالات زرین" ہے، اسمین اُس پیام کو تصریح سے ادا کیا ہے، ذیل مین اسکے جستہ جستہ مقامات درج کئے جاتے ہین :-

تو راز فراغت کیا جانے محدود تری آگاہی ہے
اپنے کو پریشان حال سمجھنا عقل کی یہ کوتاہی ہے

دولت کیا اک روگ ہے دل کا حرص نہین گمراہی ہے
دنیا سے بے پروا رہنا سب سے بڑی یہ شاہی ہے

اس قول کو میرے مانیگا جو صاحبدل ہے دانا ہے
کہتے ہین جسے شاہنشاہی حاجت کا روا ہو جانا ہے

دولت کا نتیجہ کلفت ہے سامان امارت دولت ہے
جس دل مین ہوس کی کثرت ہے دور اس سے حقیقی راحت ہے

ارمان بہت مین کم کر دے ہستی یہ نہین اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے انجام سراسر عبرت ہے،

تاریخ اٹھا بتلا رہی ہے وہ دنیا میں خوشی کا نام نہیں
جس دل نے ہوس کا سکہ ہو، اس دل کیلئے آرام نہیں

اللہ کی رحمت عام ہی سب پر، شاہ ہوا میں یا ہو گدا
یہ چاند، یہ سورج، یہ تارے یہ نغمۂ بلبل یہ دریا

دونون کے لئے یہ تحفہ ہین کچھ اگر ہے تو اتنا
ان جلوؤن سے لذت پاتا ہی آزاد کا دل منعم سے سوا

شاہون کے سرون مین تاج گران ہے درد سا اکثر رہتا ہے
جو اہل صفا مین انکے دل مین نور کا چشمہ بہتا ہے

اسباب تمول زنجیرین، ایوان حکومت زندان ہے
دلچسپ جسے تو سمجھا ہی وحشت کا وہ ساز و سامان ہے

سکون کی چمک پر مرتا ہی دولت کیلئے سرگردان ہے
تو راز فنا معلوم تو کر دنیا کے لئے کیون حیران ہے

اس شے سے تعلق ہی کیسا، جو چیز کہ جانیوالی ہے
سامان تعیش جمع کئے جا موت بھی آنیوالی ہے

شاہون کی عمارت جسمانی، قانع کی حکومت روحانی
ظاہر کی مسرت سلطان کو، آزاد کو لذت وجدانی

دنیا کے تماشے عبرت زا، عقبیٰ کے مناظر لاثانی
مرنے مین حقیقی آزادی، جینے مین سراسر حیرانی

بندے جو ذرا بھی عقل ہو تجھ مین، نام جہان مین کرجانا
اللہ اگر توفیق تجھے دے موت سے پہلے مرجانا

"دنیا" "طوفان بے ثباتی" وغیرہ متعدد منظومات کے سازون سے یہی نغمہ پیدا ہو رہا ہے اور جو کان اس نغمہ سے از خود لطف نہین اٹھا سکتے، انکے لئے کسی بیرونی شخص کی سعی توضیح و تشریح بھی لاحاصل ہے،

جوش صاحب نظم ہی کے شاعر نہین بلکہ نثر کی شاعری پر بھی یکسان قادر ہین، روح ادب کا ایک ثلث حصہ انکے کلام نثر پر مشتمل ہے، دعا، صداقت، رحمت، امید، محبت وغیرہ مختلف عنوانات پر انکے مختصر مضامین ہین، جنمین سے کوئی بھی چند سطرون سے زاید طویل نہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسقدر یہ مضامین مختصر ہین، اسی نسبت سے بلحاظ معنویت بلند ہین، اور لطایف ادب کی روح انکے لفظ لفظ سے جھلکتی ہے، ایک مضمون جسکا عنوان "منزل رسی" مناسب ہو سکتا ہے ہم یہان نقل کرتے ہین، اس سے ان مضامین کے

عام انداز تحریر و نوعیت کا اندازہ ہوسکیگا :-

"مین نے ایک سڑک دیکھی نہایت دلفریب، جسکے دونون طرف سایہ دار اور شاداب درخت جھوم رہے تھے، میرا دل خوش ہوا اور مین نے خیال کیا کہ شاید یہی تیرے مکان کا راستہ ہے"

میرے دل مین خوشی کا جوش پیدا ہوا، اور اُدہر روانہ ہوگیا، مین برابر چلتا رہا اور راستہ اسقدر دلفریب تہا کہ ہر قدم پر جی چاہتا تہا کہ یہین ٹہر جایئے،

راہ طے ہوتی جاتی تھی اور میرے دل مین خوشی بڑہتی جاتی تھی، مین مسرور تہا کہ اب مجھے تیرا نشان ملجائیگا،

ناگاہ دور سے چند علامات ایسے نظر آے کہ مین سمجھ گیا کہ اب راستہ قریب الختم ہے، میری رفتار کو ان علامات نے اور بھی تیز کر دیا اور میرا اشتیاق مجھے تڑپانے لگا اور آخر کار مین راستہ کی انتہا تک پہنچ گیا،

انتہا تک پہنچتے ہی میرے منہ سے بیساختہ ایک چیخ نکلی، اور مین سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا، میرا تمام جسم کانپ رہا تہا . . . . اِسلئے کہ میرے سامنے ایک نہایت عمیق غار تہا، جسمین مردون کے ڈہانچے پڑے ہوئے تھے، اور ہیبتناک درندے ان ہڈیون کو توڑ رہے تھے اور تعفن اس غار سے اُٹھ رہی تھی،

قریب تہا کہ مجھپر غشی طاری ہوجاتی کہ ایک آواز میرے کان مین آئی، کہنے والا کہ رہا تہا، افسوس، اے مسافر افسوس، تونے راستہ کو خنک اور خوشگوار دیکھکر یہ سمجھ لیا تہا کہ ہمارے مکان کا راستہ یہی ہے، اتنی سی بات بھی تیری عقل مین نہ آئی کہ ہمارے شہر کا راستہ تو خوفناک پہاڑیون اور طوفانی سمندرون کے اندر سے ہوکر گذرتا ہے۔" (صفحہ ۱۱۷ و ۱۱۸)

یہانتک کتاب کے روشن و خوشگوار پہلو کا ذکر تہا، لیکن حق پوشی ہوگی اگر مصنف کی

توجہ ان امور پر مبذول نہ کرائی جائے جو خصوصیت کے ساتھ محتاج اصلاح ہین، سفید چاندنی پر معمولی دھبہ بھی سخت بدنما معلوم ہوتے ہین، اچھے مصنف کی معمولی کمزوریان بھی سخت تکلیف دہ ہوتی ہین،

(۱) کتاب متعدد ابواب مین تقسیم کیگئی ہے، لیکن ترتیب ابواب نہایت ناقص ہے، صفحہ ۲۲ تک جو مضامین نثر درج ہین وہ کسی خاص عنوان کے ماتحت نہین، صفحہ ۲۳ پر "نظم" کا عنوان درج ہے، یہ باب صفحہ ۵۹ تک آیا ہے، اس حصہ مین متفرق نظمین ہین، لیکن غزلیات، ادبیات وغیرہ کو اس حصہ سے الگ رکہا ہے، حالانکہ "نثر" کے مقابلہ مین جب نظم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اسکے تحت مین غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی جملہ اصناف سخن آجاتے ہین، صفحہ ۶۱ سے صفحہ ۷۶ تک کا حصہ "غزلیات" کے زیر عنوان ہے، اور صفحہ ۸۰ سے صفحہ ۸۷ تک "سبد گل" کے، حالانکہ اس حصہ مین غزلیات بھی ہین، اور نوعی حیثیت سے ان دونون حصون مین کوئی فرق نہین، اسی طرح اور بھی نقائص ترتیب دندوین سے متعلق موجود ہین،

(۲) اس مجموعہ مین دوایک شعرایسے بھی آگئے ہین جنکا اندراج خود مصنف کی متانت، پاکیزہ خیالی، وحسن ذوق کے لئے باعث عار ہے، مثلاً صفحہ ۱۵۹ پر یہ شعر ؎

رنگین رخون نے ذبح کیا دل کو ریل پر   مرنے کو اور جائیے پنجاب میل پر

یا یہ شعر ؎

ہر اسٹیشن پہ دو اک زخم کاری دل پہ کہاتے ہین   سفر کرتے ہین یا ہم جنگ کے میدان مین جاتے ہین

غنیمت ہے کہ اس قسم کے اشعار کی تعداد دو چار سے زاید نہین ورنہ بدگمان طبائع مین مصنف کی شخصی زندگی سے متعلق خدا معلوم کیا کیا خیالات قائم ہوتے،

(۳) علم وادب کی دنیا مین افادہ واستفادہ کا سلسلہ برابر قائم ہے، کسی اہل کمال کیلئے

یہ امر مطلق باعثِ عار نہین ہوسکتا کہ اس نے کسی دوسرے باکمال سے خوشہ چینی کی ہے، البتہ اسکا اعتراف نہ کرنا بیشک قابل اعتراض ہے، حالی کے کمال شاعری مین اس سے مطلق فرق نہین آیا کہ انھون نے غالب و شیفتہ سے مستفید ہونیکا بارہا اعتراف کیا، غالب کے مرتبہ مین اس سے ایک ذرہ کی کمی نہین پیدا ہوئی کہ انھون نے میر کی اولیت و افضلیت کو ایک سے زاید موقع پر تسلیم کیا، ہمارے نوجوان شاعر کو اس وصف مین بھی ممتاز ہونا چاہئے تھا جن لوگون نے ٹیگور کے کلام کا مطالعہ کیا ہے، انہین ایک نظر مین پتہ چل جاتا ہے کہ جوش کس بڑی حد تک ٹیگور سے مستفید ہوے ہین، خصوصاً حصۂ نثر مین، علی ہذا حصۂ نظم مین حضرت اکبر کا کلام قدم قدم پر اُنکے لئے دلیل راہ کا کام دے رہا ہے، خیالات کا توارد الگ رہا بعض مقامات پر مسلّم الفاظ و ترکیبات تک ٹیگور و اکبر کے ہان سے جوش کے ہان منتقل ہوآے ہین، اور حیرت ہے کہ کسی مقام پر اسکا اعتراف اشارۃً بھی نہین کیا گیا ہے، جوش صاحب کا ایک شعر ہے، ؎

چشم حواس بند ہی مست ہون سوز و ساز سے ملنے چلا ہون اس طرح حسن جنون نواز سے

حضرت اکبر اس سے بہت پیشتر فرما چکے ہین،

چشم خرد سے عار تھا حسن جنون نواز کو عقل نے آنکھ بند کی اس نے حجاب اُٹھا دیا

کون کہہ سکتا ہے کہ پہلا شعر دوسرے شعر کو سامنے رکھکر نہین کہا گیا ہے، اکبر و ٹیگور کے بعد جا بجا کلام عزیز کا رنگ بھی جوش کے ہان جھلکتا ہوا نظر آتا ہے، جوش صاحب کو حضرت عزیز سے نسبت تلمذ رہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ ۳۰-۳۱ صفحے کے جس تفصیلی مقدمہ مین جوش صاحب کے ذاتی و خاندانی مناقب کا ایک ایک جزئیہ بیان کیا گیا ہے، اُس مین اس "مشورۂ سخن" کے لئے ایک سطر سے زاید جگہ نہ نکل سکی، ان حضرات کے علاوہ کہین

کہین دوسرے شاعرون سے بھی حضرت جوش کو حیرت انگیز توارد ہوگیا ہے، مثلاً صفحہ ۱۴۰ پر جوش صاحب کا یہ شعر درج ہے،

میری وارفتگی معاذ اللہ　　تم بھی آے تو کچھ خبر نہوئی

ناظرین معارف کو یاد ہوگا کہ مئی ۱۹۱۸ء کے معارف مین ایک غزل اسی زمین مین شایع ہوئی تھی اسکا ایک شعر یہ تھا ؎

اسقدر محویت معاذ اللہ　　اُنکے آنیکی بھی خبر نہوئی

ان چند اصلاح طلب پہلوؤن سے قطع نظر کرکے کتاب بحیثیت مجموعی نہایت قابل قدر ہے اسکا وجود اردو لٹریچر مین ایک بیش بہا اضافہ ہے، جن لوگون کو اعلیٰ لٹریچر، شاعری، یا فلسفۂ تصوف کا کچھ بھی ذوق ہے، ان سب کی جانب سے کلام جوش کا پرجوش استقبال ہونا چاہیے، کاغذ، طباعت، وغیرہ محاسن ظاہری کے لحاظ سے بھی کتاب قابل قدر ہے، قیمت کتاب پر درج نہین، غالباً عہ مین مصنف کے پاس سے ملیح آباد لکھنؤ کے پتہ سے ملیگی،

علوم القرآن، جناب مرزا سلطان احمد صاحب (پنشنر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنجاب) کا نام اردو خوان جماعت مین تعارف کا محتاج نہین، وہ ایک مدت دراز سے جمہور کی علمی خدمت انجام دے رہے ہین، علاوہ وقتی مضامین کے وہ متعدد کتابون کے مصنف بھی ہین علوم القرآن انکی ایک تازہ تصنیف ہے،

کتاب کا موضوع یہ ہے کہ قرآن مجید نے علم کو کسقدر عظمت بخشی ہے، اور جو علوم وفنون اسوقت تک دریافت ہوچکے ہین، انکی طرف کسقدر صاف اشارات و تلمیحات سے انسانون کو متوجہ کیا ہے، مصنف نے مقدمہ کے سات تبصرون مین مطلق علم اور قرآن مجید کے باہمی تعلق پر مختلف پہلوؤن سے بحث کی، اور اسکے بعد ۴۳ علوم پر قرآن مجید کے اشارات

و تلمیحات کی تفصیل کی ہے، اور بتایا ہے کہ ان علوم سے قرآن مجید کا کیا منشا ہے،

عربی زبان مین علامہ سیوطی نے اتقان مین قدیم علوم کو اور شیخ الاسلام قسطنطنیہ نے انقلاب دوستور کے بعد جدید علوم کو پیش نظر رکھکر چند ابواب مین ایک رسالہ لکھا ہے، لیکن مرزا صاحب جمہور (پبلک) کے شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے اس خاص بحث پر ۲۱۷ صفحون کی ایک مستقل کتاب لکھدی،

مرزا صاحب کے علمی خدمات کے اعتراف کے ساتھ ہمکو چند باتین بھی انکی خدمت مین عرض کرنی ہین، انکی تحریرون کے متعلق عام شکایت یہ ہے کہ وہ پیچیدہ ہوتی ہین، دوسری شکایت یہ ہے کہ وہ سیدھی بات کو بھی فلسفہ و تقسیم کے چکر مین ڈال کر رائی سے پہاڑ بنا دیتے ہین، اور صفحے کے صفحے اُسکے نذر ہوجاتے ہین، ہمین خوشی ہے کہ اس کتاب مین لوگون کو اس قسم کی شکایتون کے کم موقع ملین گے،

دوسری بات یہ ہے کہ مصنف نے جو حدیثین نقل کی ہین، افسوس ہے کہ انکا اکثر حصہ صحیح نہین، مگر چونکہ وہ عوام مین مشہور ہین اسلئے آجکل کی تحریرون مین وہ عام طور سے مستعمل ہین، مثلاً (۱) العلم علمان، علم المعاملة وعلم المکاشفة، (۲) العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان، (۳) اطلبوا العلم ولو کان بالصین، (۴) لا فرق بین الانسان والحیوان الا العلم، (۵) العالم کالذهب والمتعلم کالفضة وسائر الناس کالرصاص

ایک اور بات یہ عرض کرنی ہے کہ قرآن مجید کی آیتون مین جہان لفظ حکمة مذکور ہے اسکو فلسفہ کا مرادف نہین قرار دینا چاہیئے، نیز ان آیتون مین جہان خدا کے مختلف مظاہر قدرت کا ذکر ہے، انکو خاص خاص علمون مین محدود کرکے دکھانا بھی ہمارے نزدیک صحیح نہین، مصنف نے اس تقریب سے کہ مسلمانون نے قرآن مجید کی انہین تعلیمات سے

متاثر ہوکر فلسفہ اور سائنس مین کسدرجہ ترقی کی تھی، اور انھون نے کسقدر تحقیقات اپنی یادگار چھوڑی ہین، مسلمان فلسفیون کے اور انکی تصنیفات کے نام لکھے ہین، شاید یہ نام کسی انگریزی کتاب کو پیش نظر رکھکر لکھے گئے ہین، اسلئے اُن مین کہین کہین غلطی پائی جاتی ہے ثابت بن قرّہ کو ثابت بن قرعہ لکھا گیا ہے (صفحہ ۳۲) اور پھر مسلمان فلسفیون مین اُسکو دکھایا گیا ہے حالانکہ وہ مذہباً مسلمان نہ تھا، صابئی تھا، صفحہ ۳۵ مین ایک کا نام کتاب الاوعر لکھا ہے، حالانکہ کتاب الانوار ہے، ابو یوسف کندی کا مشہور نام یعقوب کندی ہے،

زبان کے معاملہ مین بھی مصنف نے ذرا تساہل سے کام لیا ہے، کئی جگہ مثلاً صفحہ ۳۰ ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۹۱ "طبیعات" لکھا ہے، حالانکہ یا طبیعیات یا طبعیات لکھنا چاہیئے، صفحہ ۵۸ مین عنوان ہے، "پھر کس دنیا سے اسلام بند کرتا ہے" "بند کرتا" کے بجاے "منع کرتا ہے" یا "روکتا ہے" چاہیئے، فارسی اور اردو الفاظ کی یہ ترکیب ناپسندیدہ بلکہ غلط ہے، "دربیان رصد درزبان عربی اور سریانی" "درجوار بہاٹا" رسالہ درفرائض اور سنن، "درشمار بقراط ون کے" "اقسام پتھرون مین" وغیرہ، فلاسفی یا فلسفہ کی جگہ فلسفی کا استعمال قطعاً غلط ہے،

سبکو معلوم ہے کہ ہمارے مرزا صاحب فلسفی الطبع ہین، اور فلسفہ اور شعر بہت کم یکجا ہو سکتے ہین، اسی لئے جہان جہان آپ نے کسی شعر کو اول بدل کر موقع و محل کے مناسب بنانا چاہا ہے وہ قواعد فن سے آزاد ہو گیا ہے یا لفظ کی صحت مشتبہ ہو گئی ہے،

(۱) این قرعۂ فال بنام قرآن بزدند

(۲) ز کفرِ عمل تو تاریک گشت روی زمین،

(۳) چہ دلاور است زاہد کہ بدنیاے دین فروشد

(۴) قیمتِ غیرت چہ داند ہر کہ خود غیور نیست،

(۵) پڑین تھرز کا ؤ فہم پراپنے،

حسب ذیل اشعار لفظ و معنی اور وزن سب مین صحت کے محتاج معلوم ہوتے ہین،

(۱) ثبوتِ احدیت موجود ہی کثرت سے کثرت مین		عیان ہی آشکارا ہی برنگ بوُ نہان ہوکر

(۲) کین پنہان لصفائی کہ بہ نظر می آید		ہمہ چون لطف نمایان بنظر می آید

(۳) چھوڑ بیٹھے فلسفہ قرآن مجید ہم سر بسر		خاتمہ ہی فرض و سنت پر ہی اب قرآن کا

باوجود ان نکتہ چینیون کے ہم مصنف ممدوح کی محنتون کے معترف اور شکرگذار ہین، قرآن مجید کی جن آیتون مین مناظر قدرت کا ذکر ہے، انکو ایک باب مین علحدہ علحدہ چن کر جمع کرنا اور ان سب پر ترتیبی نظر ڈالنا، اور علمی حیثیت سے ان عجائبات قدرت کی تفصیل کرنا اور ان سے علمی و اخلاقی نتائج پیدا کرنا بیحد ضروری و مفید و کار آمد ہے، اور مصنف نے اس فرض کو عمدگی کے ساتھ انجام دیا ہے، ہمکو امید ہے کہ قرآن مجید کے شائقین کو یہ تحفہ پسند آئیگا،

لکھائی چھپائی متوسط، ضخامت ۳۱۷، تقطیع ۲۰ × ۲۶، قیمت ۱۲؍، مصنف سے کوٹھی الریاض لاہور سے ملیگی،

مطبوعاتِ جدیدہ

شیخ حسن، مشرق کے ایک مغربی سیاح نے افسانہ کی صورت مین ارواح و روحانیات پر ایک رسالہ لکھا تھا، جناب مولوی سید ممتاز علی صاحب جو ہماری زبان کے پرانے محسنون مین ہین، شیخ حسن کے نام سے اسکا اُردو ترجمہ کیا ہے، ترجمہ روان اور صاف اور افسانہ دلچسپ ہے، ضخامت ۸۴، تقطیع بڑی، قیمت ۱۲/ پتہ: دفتر کہکشان لاہور،

حدیقۃ الوداد، ابوالاعجاز حکیم سید یوسف حسین صاحب رضوی اختر لکھنوی نے مختلف اسلامی فرقون کی موجودہ نزاعات، اور خصوصاً فرقۂ بوہرہ کے متعلق گذشتہ سال جو تحریرین اخبارات مین چھپی تھین اُنکی تشریح، اور علماے دنیا کے بیان مین حدیقۃ الوداد کے نام سے یہ مثنوی لکھی ہے قیمت معلوم نہین، پتہ: عالم افروز پرنٹنگ پریس نمبر۹، بمبئی،

ایثار حسین، مرزا سلطان احمد پنشنر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے اس نام سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعۂ شہادت کے نتائج و بصائر پر ایک مفید رسالہ لکھا ہے، چھوٹی تقطیع، ضخامت ۴۲، قیمت ۳/

رُوداد اجلاس ہفتم آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس، اپریل ۱۹۲۰ء مین مجلس خواتین اسلام آگرہ مین منعقد ہوئی تھی، اسکی روداد ۲۴۴ صفحات مین چھپکر شایع ہوئی ہے، اسمین اجلاس ہفتم کی عام اور معمولی کارروائیون کی تفصیل کے علاوہ خواتین کی وہ تقریرین، تحریرین اور نظمین بھی درج ہین، جو جلسۂ مذکور مین پڑھی گئین، روداد مین منشی سید احمد صاحب مہتمم صغیر فاطمہ نسوان اسکول آگرہ کا تاریخی مضمون آگرہ کی گذشتہ عورتون کی تعلیم پر محققانہ ہے، مضمون نگار نے ۱۸۵۲ء کی ایک تعلیمی رپورٹ نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غدر سے پہلے صوبۂ آگرہ کی مسلمان عورتون مین اب سے کہین زیادہ تعلیم تھی،

مولنا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد اول، قرآن مجید کے مقامات کا جغرافیہ اور اقوام قرآن مین سے عاد، ثمود، جرہم، سبا، اصحاب فیل کی تاریخ مع نقشہ مقامات عرب قیمت، عاہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت زبان و مذاہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ عہ ۱۲ر

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری عہ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲ر

دوسری ریڈر طبع دوم ۴ر

رسالہ اہل السنۃ والجماعت فرقہ اہل السنۃ والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق ۸ر

بہادر خواتین اسلام ۲ر

مولوی محمد یونس صاحب فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۲ عاہ

مولنا عبد السلام ندوی

سیرۃ عمر بن عبد العزیز یعنی اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی مفصل سوانح عمری اور انکے عہد حکومت کے تمام علمی مذہبی اور سیاسی کارنامون اور انکے مجددانہ اعمال کی تشریح و توضیح صفحے ۱۹۰ قیمت عہ

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عاہ، غیر مجلد عہ

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلز آف ہیومن نالج کا نہایت سلیس و سنجیدہ ترجمہ مجلد عاہ

مولوی عبد الماجد بی اے

فلسفہ اجتماع، جماعات انسانی کا علم النفس عہ

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی ہسٹری آف یورپین مارلز کا ترجمہ جلد اول قیمت ۳ ے

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ قسم اول عہ
قسم دوم عہ

پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفہ جدید اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ عہ ۱۲ر

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارہ جمع قرآن کا جواب قسم اول ۳ے دوم ۲ے

مولوی عبد الحق بی اے منصف لکھنؤ

اساس التعلیم، فن تعلیم پر ایک فلسفیانہ تصنیف عاہ

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح عاہ

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال

انسان، علم خواص الاعضا کے ابتدائی مسائل سلیس و عام فہم زبان مین قیمت ۸ر

تحفہ سائنس، پروفیسر فیروز الدین مراد ایم ایس سی کے سائنٹفک مضامین کا مجموعہ قیمت عاہ

حکیم محمد ابراہیم صاحب شریف خانی

معیار الصحت، اسمین اصول حفظان صحت پر بحث کی گئی ہے، صفحہ ۲۶۱ عاہ

ادیب النساء، عورتون کی اخلاقی و معاشرتی تعلیم اسکا موضوع ہے صفحہ ۵۷ ۱۲ر

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول صلعم کی جامع و مختصر سوانح عمری، عہ

رموز فطرت طبعیات، طبقات الارض، ہیئت، و جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم و سلیس عبارت میں مؤلفہ

پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

الاستدلال اس میں علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کیے گئے ہیں صفحے ۱۰۲ قیمت ۸؍

الانسان اس میں انسان کے تمام قوائے نفسانی و جسمانی و خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے، یہ کتاب مفید معلومات سے مالا مال ہے زبان سہل و دلچسپ صفحے ۲۱۳ قیمت عہ

تذکرہ

مولانا ابو الکلام آزاد اور ان کے خاندان کے بعض اکابر و شیوخ کے سوانح و حالات صفحے ۴۱۱ قسم دوم عمر

"یاد ایام"

از مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب

اس میں گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے گئے ہیں، وہاں کے امراء و وزراء علماء اور مشائخ کے حالات اور علوم و فنون کی ترقی غایت تاریخی تحقیق و تفصیل سے دکھائی گئی ہے صفحے ۸۴ قیمت عہ

قواعد رکنیت دار المصنفین ترمیم جدید

۱۔ ہر شخص جو دار المصنفین کو ۲۵۰ یکمشت ادا کریگا وہ "رکن دائمی" قرار دیا جائیگا، اور وقت رکنیت سے دار المصنفین کی تمام مطبوعات ماہانہ و سالانہ اس کو ہدیۃً دیجایا کرینگی،

۲۔ جو دار المصنفین کو عشہ سالانہ ادا کریگا وہ اول رکن اعانت ہوگا اور اسکو سال بھر تک مجلس کا ماہوار رسالہ (معارف) اور سال کی تمام مطبوعات بلا قیمت نذر کیجائینگی،

۳۔ عہ سالانہ ادا کرنیوالا دوم رکن اعانت ہوگا اسکو معارف بلا قیمت اور دیگر مطبوعات نصف قیمت پر دیجائینگی

معارف

(۱) معارف کی سالانہ قیمت صہ ہے اور قیمت فی پرچہ ۸؍

(۲) نمونہ کا پرچہ ۸؍ میں وی پی ہوگا۔

(۳) رسالہ ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ کو شائع ہوجاتا ہے، اسمیں کبھی تاخیر نہیں ہوتی، اگر کسی صاحب کے پاس اس تاریخ تک نہ پہونچے تو دوسرے مہینے کے پہلے ہفتہ تک وہ اطلاع دیں ورنہ بعد کو انکو پرچہ قیمت بھیجا جائیگا ہندوستان سے باہر کے خریدار دوسرے مہینہ کی اخیر تاریخ تک مطلع کریں،

(۴) خریداران معارف خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر کریں ورنہ تعمیل میں توقف اور بسا اوقات بھول ہوجاتی ہے

(۵) قومی انجمنوں اور کتبخانوں سے اکثر مفت کی یا تخفیف قیمت کی درخواستیں آرہی ہیں افسوس ہے کہ انکی تعمیل کی قدرت نہیں رکھتے،

مسعود علی ندوی